کچھ اچھا وقت گزار کر اسٹیمر پر واپس آئے - لنگر اٹھا اور ہمارا سفر جاری ہوا - اب تو دل عزیزوں کی طرف لگا ہوا ہے - فی الحال خط لکھنا تو ختم ہو گیا - کیونکہ ہم خط کے ساتھ ہی پہنچینگے لیکن میں اپنے روزنامچے کو جاری رکھونگی - تاکہ سفرنامے کی تیاری میں مدد ملے ۔

۶ - اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء روز بروز پہچان والوں اور پہچان والیوں کا دائرہ بڑھ رہا ہے - ہندوستان کی تعلیمی حالت اور تعلیمِ نسواں کا اکثر خاص ذکر رہتا ہے - لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں - غروب آفتاب کا نظارہ اکثر بہت ہی دلفریب ہوتا ہے - اور اس کی سیر سیٹمر کی زندگی میں ایک کیفیت اور لطف پیدا کر دیتی ہے - سفر کا انجام جس قدر قریب آ رہا ہے - اسی قدر عزیزوں سے ملنے کو دل زیادہ تڑپتا ہے -

ہم نے استنبولی اور مصری کام کے خوبصورت لباس تیار کئے ہیں - نہایت نفیس کام ہے - یقین ہے کہ پیاری اماں جان دیکھکر بہت خوش ہونگی -

۷ - اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء میں منہ اندھیرے چار بجے سے اٹھ بیٹھی - دل کا جوش سونے نہیں دیتا تھا - پہلے ہی جو آواز سنائی دی - وہ بمبئی کے جھی اور کولی خلاصیوں کی تھی - ان کی باتیں کس قدر عجیب معلوم ہوتی تھیں - بے فائدہ شور مچا رہے تھے - تین روز پیشتر سے عرشے پر ڈاک کا انبار لگا ہوا ہے - لیکن اب تو سب اٹھ گیا - چلنے پھرنے کی جگہ تنگ ہو گئی تھی - بعد ازاں مدراس میل سے جانے والے مسافر اتر گئے - پھر کلکتہ میل جانے والے گئے - اس کے بعد بمبئی کے مسافروں کی نوبت آئی - ہم تو تیار بیٹھے تھے - سات بجے دیوان صاحب آئے اور ساڑھے آٹھ بجے ہمارے لئے لانچ آیا - جس میں علی اطہر بیگ آصف بیگ اور اسلم بیگ کو پایا - ان لوگوں سے

آنکھوں کو مچھیوں کی نذر کر دیتے ہیں اور وہ اپنا پورا تسلط کر لیتی ہیں۔ اور کیا ناگفتہ حالت ہوتی ہے۔ فلاح عورتیں ہمیشہ ناک پر سے نقاب لٹکائے اپنا کام کرتی ہیں۔ [illegible] بہت ہی بدوضع اور بدرنگ ہے۔ اشرفیاں جب مقدور پہنتی ہیں۔ ذرا بہتر درجے کی عورتیں چارشف پہنتی ہیں۔ چارشف میں ایک نلکی سے نقاب آویزاں کرتی ہیں۔ جو سونے یا چاندی یا ہاتھی دانت کی ہوتی ہے۔ ہاتھوں میں آٹھ آٹھ دس دس چوڑیاں پہنتی ہیں۔ گلے میں بھی بہت سازیور پہنتی ہیں۔ یہاں کے زیورات واقعی بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ بہت ہی کم وزن اشرفیوں کی لمبی لمبی بالیاں بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ میں نے بھی چند زیورات خریدے۔

۲۹۔ستمبر ۱۹۰۸ء | صبح سویرے اٹھ کر کل اسباب بھیجدیا اور ساڑھے دس بجے کے قریب سٹیشن پر پہنچے۔ مسٹر ہاملٹن پہنچانے کے لئے آئے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ حضور نواب صاحب کے سفر کے لئے سفیر کا خاص سالون تیار ہوا ہے۔ واقعی بہت ہی آرام کا کمرہ تھا۔ کھانے کا کمرہ اور باورچی خانہ بھی شامل تھا۔ بہت سے وداع کرنے کو آئے تھے۔ بیرام بیگ ایک عمدہ تحفہ بہر کیف لائے۔ نفیس کانچ کے سکے۔ میں نے دریافت کیا کہ کانچ کے سکوں سے کیا مطلب ہے۔ کہا کہ جب قحط ہو جاتا تھا۔ یا اور اسی قسم کی مصیبت شہر پر آتی تھی۔ اور سونے چاندی کے سکے کم بنتے تھے۔ ایسے وقتوں میں موقتاً شیشے کے سکے بنائے جاتے تھے۔ محمد خلیل نے ایک نہایت قدیم سونے کا سکہ کوئی گیارہ سو سال کا پرانا ہدیہ دیا۔ اس پر کوفی حروف میں عبارت نقش ہے۔ سب سے خدا حافظ کیا۔ اور ہماری ٹرین چلی۔ کچھ سبزہ زار کچھ ریتلی زمین سے گزر کر ساڑھے تین بجے اتر پڑے [illegible]

نہایت عمدہ مسجد ہے۔ سنگ مرمر کے ستون برنجی چوکیوں میں بٹھائے ہوئے ہیں۔ کچھ حصّہ پُرانا ہے اور باقی نیا بنا ہے۔ خرقہ شریف۔ موئے مبارک۔ سب اس مسجد میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور سال میں ایک دفعہ بڑی دھوم دھام سے کھولے جاتے ہیں۔ اس وقت بہت بڑا جشن ہوتا ہے۔ اور وقت کسی کو نہیں دکھاتے۔ اندر اندر کوئی دس فیٹ اونچی پیتل کی خوبصورت جالی ہے۔ جس کے درمیان آپ کا سر مبارک دفن ہے۔ اس احاطے میں کوئی جا نہیں سکتا۔ جلدی سے فاتحہ پڑھکے ہم نکل آئے۔ کیونکہ بہت بھیڑ ہو رہی تھی۔

ٹھیک لنچ کے وقت ہوٹل میں آئے۔ جج صاحب کی دعوت تھی۔ اس واسطے ہم لوگ پھر ان کے ہاں گئے۔ میں زنانخانے میں گئی۔ اُن کی بھاوج سالی والدہ اور لڑکی وہاں تھی۔ اچھی تربیت یافتہ بیبیاں تھیں۔ میرا لباس ان کو پسند آیا۔ ان لوگوں نے پورا انگریزی لباس پہنا تھا۔ بال بھی اسی وضع کے بنائے تھے۔ لیکن بڑی لائق بیبیاں ہیں۔ ترکی جاننے کی وجہ سے گفتگو ہو سکی۔ اُن کا مکان قاہرہ کی فیشنبل جگہ میں ہے۔ بالکل یوروپین وضع سے سجا ہوا ہے۔ بیرام بیگ کو ہر چیز کا بہت شوق ہے۔ چاندی کا اسباب بہت عمدہ اُن کے پاس ہے۔ اور پُرانے سکّے بلکہ ہر قسم کے سکّے جمع کرنے کا بھی شوق بہت ہے۔ کچھ تو ان کے والد نے جمع کئے تھے۔ جو اُن کے ورثے میں آئے۔ جس میں انہوں نے ہمیشہ افزائش ہی کی۔ اسلامی زمانے کے سب سکّے۔ جس وقت سے پہلا سکّہ رائج ہوا تب سے لیکر آج تک سلسلہ وار موجود ہیں۔ ہر ایک پر سنہ وغیرہ ہے۔ اور یہ بھی کہ کونسے خلیفہ کے زمانے کے ہیں۔ ایک کتاب بنائی ہے۔

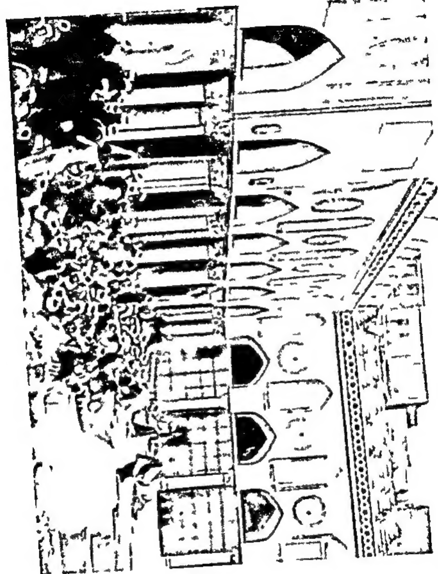
جس میں کل حقیقت ہر سکّے کی درج ہے۔ عجیب عجیب سکّے اُن کے پاس دیکھے۔ مگر سب سے عجیب سکّے تو کانچ کے معلوم ہوتے۔ مَیں نے کبھی بیشتر ایسے نہیں دیکھے تھے۔ بہت ہی حظ آیا۔ اس کے بعد ایک کتاب دکھائی۔ جس میں پُرانی تصویریں تُرک بیبیوں اور مردوں کے لباس وغیرہ کی تھیں۔ یہ کتاب اب نایاب ہے۔ کسی زمانے میں چند نقلیں فرانس میں چھپی تھیں۔ تصویریں رنگین ہیں۔ ان بیبیوں نے ایک الماری میں سے چند عمدہ پُرانی اشیاء دکھائیں۔ مثلاً لباس۔ خنجر۔ اگر کی فنجان اور ظروف۔ ایک قہوے کی پیالی دیکھی۔ جس کے درمیان بہت چھوٹی جالیدار ڈبیہ بھی ہے۔ اوّل یہ رواج تھا کہ اس ڈبیہ میں ذرا سا عنبر رکھتے تھے۔ جب قہوہ بھرا جاتا تھا۔ تو پینے والے کو عنبر کی پُوری خوشبو آتی تھی۔ اُن کی والدہ صرف عربی جانتی تھیں۔ اُن کو بہت خواہش تھی۔ کہ مجھ سے بات کریں۔ لیکن زبان کی وجہ سے مجبوری تھی۔ ان لوگوں نے علیہ اور میرے لئے ہدیہ تیار کر رکھے تھے۔ نہایت عمدہ سراکش کی جُوتیاں۔ بہت ہی ملائم چمڑا ہے۔ اور نہایت عمدہ کام کیا ہے مَیں نے دیکھا۔ کہ ان مُلکوں میں یہ رواج ہے کہ کوئی مسافر مہمان آئے تو اُسے کچھ تحفہ بھی دیا جاتا ہے۔ ان لوگوں سے خدا حافظ کر کے مَیں باہر آئی۔ تو حضور وغیرہ کھڑے تھے۔ حضور کو بھی بہت ہی عمدہ ہدیہ دیا۔ کوئی ہاتھ کا لکھا ہوا پُرانا قرآن شریف اور ویسی اگر کی فنجان اور ظرف۔ کل انشاء اللہ تعالیٰ یہاں سے کوچ ہے مصر سے جی بہت خوش ہوا۔ نئی روشنی کے ساتھ پُرانی وضع بھی باقی ہے۔ البتہ تُرک لوگ بہ نسبت مصریوں کے بہت صفائی پسند ہیں۔ مصری عجیب لوگ ہیں۔ اپنی

عجائب خانے میں ایک بہت بڑا کمرہ ہے جس میں فی الحال دو بہت ہی بڑے پُتلے کسی بادشاہ اور رانی کے مرمت ہو رہے ہیں۔ یہ پُتلے بالکل شکستہ حالت میں پائے گئے۔ یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے تھے۔ ان لوگوں نے سب ٹکڑوں کو جمع کر کے اب صحیح سالم بنانے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ جس وقت ہم گئے۔ تو بادشاہ کا سر جڑ رہا تھا رہے تھے۔ رانی کے چہرے پر مسکراہٹ کس خوبی سے عیاں ہے۔ آخر تھک کر نیچے کے کمرے میں آئے۔ اور تصویروں کے کارڈ خریدے میں نے مومیائی کے چھوٹے چھوٹے نمونے بطور یادگار لئے اور واپس آئے۔

شام کو حضور مسجد الازہر دیکھنے گئے۔ وہاں بیبیوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ مصطفےٰ ابراہیم بیگ جج کو برٹش سفیر نے بھیجا تھا۔ تاکہ سب ٹھیک ٹھیک طور پر دکھا دیں۔ جامع ازہر دنیا میں اکیلی اسلامی یونیورسٹی ہے۔ دسویں صدی میں اس مسجد کو مکتب کے کام میں لایا گیا۔ فی الحال پندرہ ہزار بچے یہاں پڑھتے ہیں۔ بہت بڑی جائداد اس کام کے لئے وقف ہے۔ ہر ملک کے مسلمان بچوں کے لئے الگ الگ زمین وقف ہے۔ حضور کو ایک ہندوستان کا شخص بھی ملا۔ جو کسی عہدے پر معین ہے اس نے کہا کاش ہندوستان کے مسلمان بھی ایک قطعہ زمین کا وقف کر دیں۔ اور بچوں کو عربی تعلیم کے لئے یہاں بھیجیں۔ اس سے بہتر جگہ عربی سیکھنے کے لئے نہیں ہے۔ یہ مسجد بہت ہی عمدہ حالت میں ہے۔ اور دنیا بھر میں عربی طرز کا بہترین نمونہ شمار کی جاتی ہے۔ جس وقت حضور تشریف لے گئے۔ علیہ اور میں جانور خانہ دیکھنے گئے۔ یہ پہلے اسمٰعیل پاشا کا محل اور باغ تھا۔ اس میں اور تو کوئی بات قابلِ ذکر نہیں لیکن اتنی بات

ضرور ہے۔ کہ تمام باغ میں پیدل چلنے کی روشیں بڑی خوبصورتی سے بنائی ہیں۔
دُور صحرا سے گول گول پتھر تین رنگ کے لے آتے ہیں۔ صندلی زرد اور سیاہ۔
انکو سیمنٹ سے وابستہ کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح ترتیب دیتے ہیں۔ کہ بیل بوٹے
معلوم ہوتے ہیں۔ خوبصورتی کے لئے دو رویہ چھ چھ انچ کے سنگ مرمر کا کنارہ ہے
مَیں بیان نہیں کر سکتی۔ کہ یہ روشیں کس قدر صاف ستھری اور خوبصورت معلوم ہوتی
ہیں۔ کل باغ کی روشیں جو میلوں طویل ہونگی۔ اسی طرز پر بنی ہُوئی ہیں۔ اور اس پر
خوبی یہ کہ ہر روش کا نمونہ الگ ہے۔ جہاں پر کوئی موڑ ہے یا جہاں راستے ملتے
ہیں۔ وہاں بڑے بڑے سنگ مرمر اور مذکورہ بالا پتھر کے پھُول بنائے ہُوئے
ہیں۔ واقعی قابل تقلید صناعی ہے۔ اسمٰعیل پاشا اپنی بیگمات کو لے کر تفریح کے
واسطے اکثر یہاں آتے تھے۔ جج صاحب دو قاریوں کو لائے تھے۔ بہت عمدہ
پڑھا۔ لیکن آواز کمزور تھی۔ اُنہوں نے بڑے اصرار سے کل ہم سب کو بلایا ہے عطیہ
کسی مصری گھر میں گئی تھی۔ وہاں بیبیاں تعلیم یافتہ نظر آئیں۔

۲۸ ستمبر ۱۹۰۸ء | آج دو تین مسجدیں دیکھیں۔ ان میں آسمانی اینٹ کی مسجد ہے وہ
انوکھی چیز ہے۔ لیکن افسوس کہ خائن مجاوروں نے کھرچ کھرچ کر اینٹیں سیاحوں کے
ہاتھ فروخت کر ڈالیں۔ دیواریں ستون سب خالی ہو گئے ہیں۔ ایک محافظ پکڑا گیا
تب سے بہت ہی سخت نگرانی ہوتی ہے۔ آغا ابراہیم نامی شخص نے یہ مسجد بنائی
تھی اور وُہ یہیں دفن ہیں۔ شکر ہے کہ اس کمرے کی اینٹیں سب سلامت ہیں۔ بعد
ازاں امام حسینؓ کی مسجد اور مقبرے میں گئے۔ یہاں تھوڑی سی گفت و شنید
کے بعد ہم بیبیوں کو جانے دیا۔ کیونکہ ان لوگوں کو یہ خیال ہُوا کہ ہم لوگ غیر مذہب ہیں۔



کی بنائے تھے۔ انجنوں کی کیفیت دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔ بیل وغیرہ بالکل قدرت کے شاہ پتھر کے تراشے ہوئے۔ بروگس پاشا نے کہا کہ ایسے نمونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ہنر میں یہ لوگ کمالیت رکھتے تھے۔ تانبے۔ پتھر اور سنگ مرمر وغیرہ کے چہرے اکثر ایسے تھے۔ کہ تصویروں میں صاف پہچان لیا جائے۔ کہ فلاں بادشاہ یا ملکہ یا جنرل کا بت ہے۔ ایک کمرے میں کسی بادشاہ کی قبر سے نکالی ہوئی بے شمار چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ جن میں دو لشکر کی ٹکریاں بھی تھیں یعنی ایک تختے پر چالیس سپاہی سیاہ سوڈانی قسم کے کل ہتھیار کے ساتھ اور ایک پر مصری فوج۔ یہ تمام پتلے مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ اور دونوں قوموں میں جو فرق ہے وہ بالکل واضح طور پر تمیز ہو سکتا تھا۔ ہتھیار بھی دونوں فوجوں کے علیحدہ تھے۔ پا باندھ کر کھڑے ہیں۔ اور بائیں پیر آگے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ حصہ بھی بہت دلچسپ معلوم ہوا۔ جہاں پرانے جواہرات متفرق رانیوں کی نعشوں سے اتار کر رکھے ہیں۔ اس قدر خوبصورت چیزیں دیکھیں کہ آج کے زمانے میں بھی ہم خوشی سے پہنیں۔ عمدہ عمدہ سونے کے تاج۔ پھولوں کے گجرے کی طرح بنے ہوئے۔ بے حد بڑی بالیاں کنول کے پھول اور پتوں کی نقل کی ہوئی۔ اکثر زیور سونے کا ہے۔ کوئی قیمتی پتھر الماس یاقوت زمرد موتی کبھی نہیں ملا۔ میناکاری کی قسم کا بھی کام ہے۔ مگر مینے کے عوض فیروزے اور عقیق کے پتلے اور چپٹے ٹکڑے بعینہٖ اس وضع کے کاٹ کر۔ اس خوبی سے جڑے ہیں۔ کہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ گویا مینا کیا ہے۔ اس کام کی چند چیزیں واقعی دلکش تھیں۔ سونے کے ہاتھوں کے کڑے اور جوڑی جوڑی چوڑیاں بعض بعض بہت ہی خوبصورت تھیں۔ کوئی پونا گھنٹہ اس چھوٹے سے کمرے میں گزرا۔ لیکن دل سیر نہ ہوا۔ کہا

قبروں کو کھودنے کا کام شروع کیا۔ اور اس میں اپنا روپیہ صرف کیا۔ اس کا پھل بھی انکو خوب ملا۔ کوئی بہت ہی بڑی مصر کی رانی تھی۔ جس کے والدین کی مومیائی اور اسباب اُن کے ہاتھ آیا۔ ایک کمرہ ان صاحب کے نام سے بنا ہوا ہے۔ جس میں تمام نادر اشیا رکھی ہیں۔ مثلاً چارپائیاں۔ عمدہ کرسیاں۔ گاڑی روٹی۔ مرغ۔ کبوتر اور تمام کھانے کی چیزیں قسم قسم کے اناج وغیرہ موجود ہیں۔ قاعدہ تھا کہ مرنے والے کے ساتھ سب ہی دُنیا کا اسباب رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ مُردہ قبر میں اُٹھتا ہے۔ اور اس وقت اس کو سب چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک ممکن ہوتا تھا۔ وہاں تک تو اشیا وہی رکھتے تھے۔ اور باقی ضروریات یعنی نوکر چاکر وغیرہ کی تصویریں بنا کر رکھتے تھے۔ اس سے مطلب یہ ہوتا تھا کہ جن چیزوں کو دُنیا میں برتا۔ ان میں سے ہر ایک چیز کا نمونہ مدفون کے ساتھ رکھا جائے۔ چھوٹے چھوٹے جانور جیسے ہنس بطخ مرغ کُتے۔ بلے۔ ان کی مومیائی کے ساتھ رکھتے تھے۔ روٹی پانی ترکاری پھل علیٰ ہذا القیاس سب کچھ۔ تاکہ تکلیف نہ ہو۔ بہت تعجب یہ دیکھ کر ہُوا۔ کہ انسان کی مومیائی کے سر پر بال خاصی طرح باقی ہیں۔ ناخن مہندی سے رنگے ہُوئے۔ اتنے ہزار سال گزر گئے۔ مگر رنگ میں کچھ فرق نہیں آیا۔

پتھر کی تمثالیں اتنی عُمدہ ملی ہیں۔ کہ اس بات کا کافی ثبوت ہیں۔ کہ مصر قدیم کے باشندے سنگ تراشی میں اچھا درک رکھتے تھے۔ ہندوستان میں جو تمثالیں یا بُت موجود ہیں۔ انمیں یہ بات خاص ہے کہ قدرت کی نقل نہیں کی ہے۔ مگر یہ پتلے بالکل قدرتی وضع کے گھڑے ہُوئے ہیں۔ اور کئی پُتلے خاص خاص لوگوں کے دستیاب ہوئے ہیں جنکی تصویروں سے ملاؤ تو خاصی مشابہت دکھائی دیتی ہے۔ ان پُتلوں کی آنکھیں چقماق پتھر

تھیں - جن کے دیکھنے سے نہایت درجہ خوشی ہوئی - اب وہ سب اشیا اس عجائب گھر میں موجود ہیں - دنیا بھر میں مصری چیزوں کا ایسا مجموعہ کہیں نہیں ہے - پرانی سے پرانی شے چھ ہزار سال کی یا کچھ اوپر کی پائی ہے - حیرت ہوتی ہے - کہ اتنا پرانا سوتی کپڑا ایسی عمدہ حالت میں ابتک کیوں کر رہا - البتہ ہاتھ لگاتے ہی راکھ ہو جاتا ہے" -
میں نے پوچھا کہ مصر کے قدیم کتبے پہلے کس طرح پڑھے گئے - تو کہا کہ ایک فرنچ صاحب نے اس معمے کو پہلے حل کیا - اس کا سراغ ایک خاص پتھر کی تختی سے ملا جس پر یونانی زبان میں وہی بیان تھا جو ہیراگلیفک میں لکھا ہوا تھا - البتہ اس کو سمجھنے کے لئے ایک مدت درکار تھی - ایک ایک لفظ جو یونانی میں دو چار دفعہ آیا تھا - اس کے مطابق اسی تختی پر ہیراگلیفک میں ڈھونڈا - جب یہ مطابقت ایک سے زیادہ مرتبہ پائی گئی تو وہ زبان قائم ہو گئی - پھر تو اسے پڑھنا ایک کھیل ہو گیا - ہر تختی اور پاپیرس پر لکھے ہوئے بیان کا پڑھنا آسان ہو گیا - تمام تاریخی حالات ملنے لگے - دنیا میں گویا ایک نیا علم پیدا ہو گیا - جس تختی پر سے اصل علم کا پتہ ملا - وہ خاص تختی برٹش میوزیم میں ہے - مگر اس قسم کی اور تختیاں یہاں بھی موجود ہیں - اور انکو سنگ کلید کہتے ہیں بادشاہ اور معمولی لوگوں کے بال بنانے کی وضع میں کیا فرق تھا - وہ بھی یہاں نمایاں ہے - مثلاً اور بادشاہ ایک ہی قسم کی رسمی ڈاڑھی اور سر کے بال رکھتے تھے - عقل کام نہیں کرتی کہ ان لوگوں نے یہ سب کچھ کس طرح اور کس صبر سے تلاش کیا ہوگا - اس علم کا سراغ ملے بیس سو سال ہوئے ہیں - گویا دنیا کے ایک مفقود علم کو پا لیا - فرنچ اور جرمن عالموں نے بہت کچھ کام کیا ہے - غور کرنے کا مقام ہے - کہ ان سب باتوں کا سراغ لگانے کے لئے کس قدر صبر و ہمت درکار تھی - امریکن صاحب نے صرف اپنی ذاتی شوق سے پرانی

آثار قدیمہ کے متعلق وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ جوانی سے بڑھاپے تک تمام عمر اس میوزیم کی خدمت میں بسر ہو گئی۔ انکو اپنے کام سے نہایت درجہ دلچسپی ہے۔ ان کے پیشتر ان کے بھائی اس جگہ پر معین تھے۔ اگر ہم اس عجائب گھر کو یوں ہی سرسری طور پر دیکھکر چلے جاتے تو نہ کچھ حظ آتا۔ اور نہ معلومات میں اضافہ ہوتا۔ لیکن اُن جیسے عالم اور واقف کار کے ساتھ دیکھنے میں بہت ہی لُطف میسّر ہوا۔ ہر ایک چیز کی خصوصیت اور باریکی۔ اس کی قدامت اور یہ کہ اس میں کونسی خاص بات قابلِ توجہ ہے۔ وُہ سب کچھ سمجھاتے جاتے تھے۔ ان چند نادر چیزوں میں جو تاریخی لحاظ سے دلچسپ تھیں۔ فرعون کی مومیائی دیکھی۔ جس میں یہ خاص بات ہے۔ کہ وُہ اسی فرعون کی ہے۔ جسکی بی بی نے دریائے نیل سے حضرتِ موسیٰ کو نکال کر پالا تھا۔ لاش بالکل خشک ہو گئی ہے۔ بروکس پاشا سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ہوا میں نکلتی ہیں وُہ رفتہ رفتہ خراب ہوتی جاتی ہیں اس کا علاج کوئی نہیں۔ زمانہ اپنا کام کئے بغیر نہیں رہیگا۔ اُنہوں نے ایک قصّہ بیان کیا :-

"ایک دفعہ مَیں کچھ تفتیش کر رہا تھا کہ دفعتہً مومیائی اور پُرانی چیزوں کا ایک خزانہ میرے ہاتھ لگا۔ بہت سی پُرانی عُمدہ عُمدہ یادگاریں نکلیں"۔ کہنے لگے کہ "اُن کے ملنے سے مَیں مارے خوشی کے بالکل پریشان ہو گیا۔ اور یہی خوف لاحق تھا۔ کہ کہیں صرف خواب ہی خواب نہ ہو۔ جو ابھی دیکھتے دیکھتے میری آنکھوں سے غائب ہو جائے۔ مَیں فوراً باہر نکل آیا۔ تاکہ دیکھوں کہ حقیقت ہے۔ یا میرے دماغ کی پریشانی نے دھوکا دیا ہے۔ کچھ دیر باہر کی ہوا کھانے کے بعد دماغ کا بوجھ دُور ہوا۔ پھر دوبارہ اندر گیا اور دیکھا کہ صرف خواب ہی خواب نہیں ہے۔ بلکہ ایسی ایسی نادر اشیاء وہاں پر موجود

اس پر اعداد شاید رومن ہندسوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد محمد خلیل اپنے ایک دوست کے ہاں لے گئے۔ جنہوں نے نادر تصویریں خانہ کعبہ کی کھینچی ہیں۔ بہت عالم آدمی ہیں۔ اور کئی سال اس کام میں صرف کئے ہیں۔ انہوں نے بہت سی معلومات جمع کی ہیں۔ اور اب انکا ارادہ ہے کہ ایک بالتصویر کتاب شائع کریں۔ جس میں سینکڑوں ایسی باتوں کے بیان ہونگے۔ کہ جن کا چرچا شاید تمام اسلامی دنیا میں ہو جائیگا۔ اپنے بالاخانے کے کمرے میں ہم کو لے گئے۔ اور "سیر بین" میں دو سو ایسی ایسی تصویریں دکھائیں جو میں نے پیشتر نہ دیکھی تھیں۔ زمانہ حج میں عین نماز کے وقت کی تصویر جس میں کعبے کے ارد گرد خدا جانے کتنے ہزار آدمی کھڑے ہیں۔ دوسری رکوع کے وقت کی تصویر۔ تیسری سجود کے وقت کی۔ ایک تصویر خاص حجر اسود کی بھی لی ہے بڑی دقت سے موقعہ پاکر انہوں نے یہ تصویریں لے لیں۔ بڑے اچھے لائق شخص معلوم ہوتے تھے۔ عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے۔ محمد خلیل ترجمان تھے ہم نے پوچھا کہ آپ نے ایسے مقدس مقامات کی تصویریں کس طرح کھینچ لیں۔ تو کہنے لگے کہ موقعہ پر غائب ہونے کی ٹوپی پہن لیتا تھا۔ بالکل کامل مجموعہ ہے۔ ہر جگہ اور ہر پہلو کی تصویریں موجود ہیں۔ کوئی گھنٹہ بھر اسی مشغلے میں مستغرق رہے۔ سوا اور تصاویر کے اس کھجور کے درخت کی بھی تصویر تھی۔ جو حضرت پیغمبر صلعم کو جھک کر کھجور دیتا تھا۔ بہت ہی چھوٹے قد کا درخت ہے۔ حضرت پیغمبر صلعم کے مقبرے کے گنبد میں اوپر ایک سوراخ ہے۔ جو تصویر میں صاف دکھائی دیتا ہے۔ اس مسجد کی تصویر بھی دیکھی جس میں آپ نے پہلے جمعہ کو نماز پڑھی تھی۔ پھر ان صاحب نے کہا کہ اب آپ کو حج کے متعلق کسی اور تصویر کا خیال ہو تو وہ بھی فرما دیجئے۔ تو میں نے کہا کہ جہاں

کی بنیاد ڈالی گئی - بڑے ہی ذی ہوش اور شوقین مزاج ہونگے - گر خرچ بھی اس درجہ کیا کہ شدّت سے قرضدار ہوگئے تھے - قاہرہ کی حالت کو درست کرنا انہی کا فیضان تھا - اس عمارت کے قریب خاص عربی اشیا کا عجائب گھر ہے - یہاں صرف عربی اور عربوں کے تاریخی نمونے رکھے ہوئے ہیں - پرانی مسجدوں سے عمدہ عمدہ منبر قرآن شریف (جکا ذکر اوپر ہو چکا ہے) چراغ - رحل - جالی کے ٹکڑے جو عربوں کے گھروں میں زنان خانے میں لگائے جاتے ہیں - نادر شیشے اور مینا کے لمپ جن کے دنیا بھر میں شاید سو عدد باقی ہونگے - اس میں سے نوّے سے زیادہ یہاں موجود ہیں - ہندوستان میں شیشے کی ہانڈی میں تیل کا گلاس رکھکر بتی لگاتے ہیں - یہ بھی اسی طرح جلانے کے ہیں - مگر شکل میں گلدان کی طرح بنائے ہیں - اور فیروزی رنگ کے خطِ طغریٰ میں اُن پر آیات لکھی ہوئی ہیں - اُن کی خوبصورتی کا بیان کرنے سے میرا قلم قاصر ہے - مسجدوں کے آثار قدیمہ کے جمع کرنے والے تاجر چوری سے ان نادر اشیا کو خرید لیتے تھے - اس لئے مساجد میں سے ایسی چیزیں جمع کر کے یہاں لا کر ایک جگہ رکھ دی ہیں - اس ترکیب سے یہ نادر خزانہ زمانہ کی دستبرد سے بلا شک و شبہ محفوظ رہیگا - یہاں بہت سی عمدہ باتیں دیکھیں - لیکن ہندوستان چیزے دیگر است - دنیا دیکھنے سے اپنے ملک کی چیزوں کی قدر و قیمت آنکھوں میں بڑھ گئی - اور اب سمجھ میں آیا کہ کیوں لوگ ہندوستان کی اتنی قدر افزائی کرتے ہیں - محمد خلیل نامی کلارک نے یہ سب کچھ ہم کو دکھایا - او مسلمان جان کر اور بھی زیادہ شوق سے دکھاتے رہے - حضرت پیغمبر صلعم کے کپڑے جس صندوق میں رہتے تھے - وہ دکھایا اس کو دیکھکر کمال مسرت ہوئی - پرانا ٹوٹا پھوٹا صندوقچہ ہے - مگر قدر و قیمت میں انمول

پیاری بہن جان اس وقت آپ بہت یاد آئیں۔ خدا تعالےٰ نے جیسے دل مُسلمانوں کو
عطا کئے ہیں۔ ویسے کسی اور قوم کو نہیں دیئے۔ یہاں ایک لڑکی میں پُرانی عطر کی
شیشیاں دیکھیں جنکی میں نے تعریف کی۔ اس پر محمد خلیل نے فوراً کہا کہ اس قسم کی میرے
پاس بھی موجود ہیں جنہیں میں ضرور حاضر خدمت کرونگا۔ اس سے میں ذرا پشیمان
ہوئی۔ اور کسی چیز کی تعریف کرنے میں میں تامل کرنے لگی۔ محمد خلیل نے ہمارے پُرانی
اور عجیب اشیاء کے شوق کو پہچان کر شام کو کئی چیزیں دکھانے کا ذمہ لیا ہے۔ اس
عجائب خانے میں ایک چیز خاص طور سے دکھائی گئی جس کو دیکھنے سے واقعی بہت
ہی حظ پیدا ہوا۔ جیسے اُس قسم کے سفید سُوتی مراسی دو پٹے یا ساڑیاں ہوتی ہیں
اس قسم کا کپڑا ہے مگر بغیر کنارے کا۔ البتہ آنچل اُسی قسم کے ہیں۔ یہ خلیفہ مامون رشیدؒ
کا خاص کپڑا تھا۔ بہت چھوٹا سا ٹکڑا باقی رہ گیا ہے۔ لیکن مامون کا ہونے میں کسی
طرح کا شک و شبہ نہیں۔ کیونکہ سرے پر سیاہ سُوت سے کوفی خط میں اُن کا نام بنا ہُوا
ہے۔ اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اس پارچے کو ہم نے بہت
دلچسپی سے دیکھا۔ تب سردار محمد خلیل تین بجے تک کے ہم کو عجیب اور قدیم یادگاریں
دکھانے کو لیگئے۔ پہلے نیلو میٹر دیکھا جو بہت پُرانے زمانے کا ہے۔ جس وقت ایک
خاص اونچائی تک پانی پہنچتا تھا۔ تو تمام مُلک میں جشن ہوتا تھا۔ اور اطراف کے کھیتوں
میں زراعت کے لئے پانی چھوڑ دیتے تھے۔ اب بھی یہ طریقہ ہر سال جاری ہے۔
اس نیلو میٹر میں کوئی خاص بات دیکھنے کی نہیں۔ صرف ایک عمارت میں ایک مربع حوض
جیسا ہے۔ اس پر ایک موٹی سی پٹڑی نشان کے لئے ہے جس سے پانی کا اندازہ
ہو سکتا ہے۔ اس کے قریب ہی ایک نیا میٹر بھی بنایا ہے۔ یہ بھی اس طرز کا ہے۔ مگر

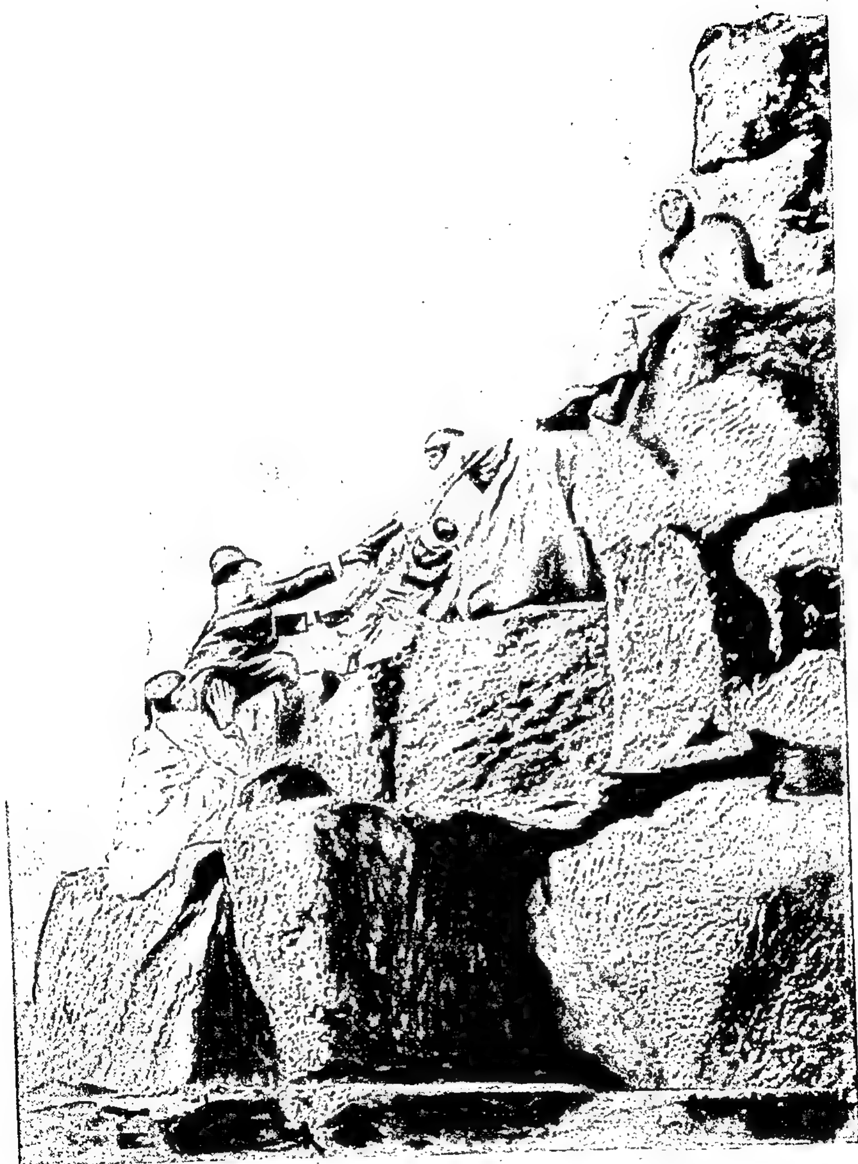
یہاں دفن ہیں۔ سب دیکھکر پُرانے شہر سے ہوتے ہُوئے ہوٹل آئے۔

۲۴۔ ستمبر ۱۹۰۸ء حضور اور سب ہمراہیوں نے گدھوں پہ سوار ہو کر تصویر کھچوائی۔ اسے یہاں کی یادگار سمجھنا چاہیئے۔ قاہرہ کی شام عجیب سحر کُن ہوتی ہے۔ عرب عورتیں۔ مرد۔ بچے گدھوں پر سوار ہو کر یا نئی وضع کی گاڑیوں میں بیٹھ کے خوب سیر کرتے ہیں۔ افسوس کہ ہمارا قیام یہاں بہت ہی تھوڑا ہوگا۔ اس واسطے اچھی طرح سیر نہ ہوسکیگی۔ کم از کم دو ماہ رہتے توکچھ ہمارا جی بھرتا۔ عربی زبان سُن سُن کر یہی جی چاہتا ہے کہ سیکھ لوں۔ تقریباً گیارہ بجے ہم واپس آئے۔ اس وقت الجریدہ کے اڈیٹر رمزی بیگ آئے۔ یہ وُہی صاحب ہیں۔ جو ہم کو آگبوٹ میں ملے تھے۔ وُہ اپنے ہمراہ اپنے معاون کو لے کر آئے اور وُہی ترجمان تھا۔ اِس اثنا میں محمد پاشا یاگن بھی ملاقات کو آئے۔ انگریزی سفارت سے مسٹر گراہام آئے۔ یہ وُہ صاحب ہیں جنکے نام لیڈی کرومر صاحبہ نے خط دیا تھا۔ دو ڈھائی گھنٹے خوب مصروفیت میں وقت گزر گیا۔ شام کو ہم سب چار شی میں گئے اور ایک نامی دوکان سے جو کچھ ممکن تھا سب خرید لیا۔ فرنیچر دیکھ کر میں تو عش عش کر اُٹھی۔ اپنے دل کے مطابق پایا۔ بالکل مشرقی وضع کا خوبصورت کام کیا ہُوا۔ عطیہ نے حسن خوبی سے انتخاب کیا۔ اس پر آفرین ہے۔ اِتنے بڑے انبار میں سے چُننا واقعی کارے دارد۔ اسی طرح پیتل کے آویزے۔ گملے وغیرہ بھی خریدے۔ عزیزان من یقین ہے کہ آپ لوگ دیکھ کر خوش ہونگے۔ حضور نے ایک نادر قلمی نسخہ دلائل الخیرات کا خریدا۔ بہت بڑے خوشنویس کے قلم کا نمونہ ہے۔ یہاں عمدہ فیروزے بھی دیکھے۔ ایک نہایت عمدہ دانہ مجھے ہدیہ ملا۔ بلا کا رنگ ہے۔ قاہرہ میں فیروزوں کو قدر سے دیکھتے ہیں۔

۲۶۔ ستمبر ۱۹۰۸ء سویرے سے عربی کتب خانہ دیکھنے کو گئے اور عجائب خانہ بھی دیکھا پہلے

کُتب خانے کا معائنہ کیا۔ سُبحان اللہ! کلام مجید کے ایسے ایسے بے نظیر نمونے دیکھ کر واہ واہ۔ خود ڈائرکٹر دکھانے کے لئے موجُود تھے۔ اِسلام کے ابتدائی زمانے سے لیکر اب تک کے لکھے ہُوئے۔ چمڑے پر۔ کاغذ پر۔ خطِ کوفی میں۔ کھجور کے پتّوں پر۔ انتہا یہ ہے کہ اینٹوں پر بھی تحریر کردہ موجود تھے۔ قرآن شریف کے ایسے لاثانی نمونے یہاں ہیں کہ دیکھ کر جی باغ باغ ہوگیا۔ خلیفہ مامون الرشید اور دیگر بادشاہوں کے زمانے کے دستی لکھے ہُوئے بالکل سُنہری قرآن شریف۔ ہندوستان کے نادر نمونے جن میں ایک مُرغ کی کھال پر لکھا ہُوا ہے۔ بہت چھوٹا قد ہے اور تمام اوراق کاغذ کے عوض مرغ کی پتلی جلد کے ہیں۔ نایاب نمونہ ہے۔ اغلب ہے کہ سب سے بہتر مجمُوعہ کلامِ ربّانی کا یہاں موجُود ہو۔ ایک اسلامی دل کیونکر متحرک نہ ہو۔ شُکر ہے کہ ایسا خزانہ موجُود ہے اور اسے ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ڈائرکٹر صاحب چھوٹے سے آدمی ہیں لیکن معلومات بزرگ ہیں۔ حافظ کا با تصویر دیوان دیکھا۔ شاہنامہ۔ گلستان۔ بوستان کے عجیب و غریب نسخے تھے۔ یہی جی چاہتا رہا کہ کاش آپ لوگ بھی ملاحظہ کر سکتے۔ یہ کُتب خانہ خدیو کا ہے۔ جس کا جی چاہے وُہ یہاں آکر مُفت پڑھ سکتا ہے۔ پچھتّر ہزار کتابیں عربی تُرکی انگریزی جرمن اور فرنچ وغیرہ کی یہاں موجُود ہیں۔ عمدہ فولادی الماریوں میں سب کتابیں محفوظ ہیں۔ عمارت کتنی عمدہ ہے۔ بہ نسبت قسطنطنیہ کے قاہرہ میں زیادہ ترقی ہے اور لطف یہ ہے کہ مشرقی وضع قائم رکھکر مغربی اثر سے پُوری طرح بہرہ ور ہُوئے ہیں۔ میری مراد یہاں صرف علم۔ تربیت و تمدّن سے ہے۔ تمام دفاتر اور راستوں کے نام عربی ہوتے ہیں۔ کیسی قابل توصیف بات ہے۔ کتب خانے میں بینیٹھ خدیوانِ مصر کی تصویریں ہیں۔ اسمٰعیل پاشا کے وقت میں سب اچھی چیزوں

وہاں اترائی بے حد ہے۔ بادشاہی حجرہ چھبتر فیٹ لمبا ہے۔ اور چودہ فیٹ چوڑائی پر۔ اور اُنیس فیٹ اُونچائی ہے۔ اِن دونوں میں عطیہ گئی۔ غرض یہ کہ جتنا اس ہرم میں دیکھنے کے قابل تھا۔ وُہ سب دیکھ لیا۔ ان دونوں بادشاہی کمروں میں بادشاہ اور ملکہ کی لاشیں تابوتوں میں بند کر کے رکھ دی گئیں۔ اور بعد ازاں اس بڑے ہرم کو بند کر دیا تھا۔ کوئی تین چار ہزار برس کی پُرانی لاشیں ہیں۔ اب اس قسم کی مختلف لاشوں کو جو اہرام میں سے نکلی ہیں۔ مصر کے عجائب خانے میں رکھا ہے۔ ان حجروں کو عطیہ نے موم بتیوں کی دھیمی روشنی میں دیکھا۔ تمام دیواروں پر مرصع اور پچی کاری کا کام ہے اور مختلف جانوروں کی تصویریں بنی ہُوئی ہیں۔ یہ دراصل تصویریں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک عجیب و غریب رسم الخط میں کل تاریخ کندہ ہے جسے کاشفان اہرام نے بڑی دقت سے حاصل کر کے مطلب کو حل کر لیا ہے۔ ہرم میں جانے والے جب تک واپس ہو کر آئے۔ مَیں باہر بیٹھی رہی۔ فلاحوں نے بہت کہا۔ کہ ہرم کے مینار کی سیر کیجئے۔ مگر مَیں نے انکار کر دیا۔ دو دو تین تین فلاح مدد دیکر چڑھاتے ہیں یہ سُنتی ہُوں کہ اُوپر سے نظارہ بہت ہی اچھا ہے۔ مَیں جہاں بیٹھی تھی۔ وہاں بھی اُبھار کی وجہ سے دریائے نیل کی خوبصورتی دوبالا ہو گئی تھی۔ قلعہ دیکھنے کو گئے تھے۔ فی الحال اس قلعہ میں تمام انگریزی فوج گولہ بارود توپیں وغیرہ ہیں۔ دراصل صلاح الدین نے یہ قلعہ بنوایا تھا بعد میں محمد علی پاشا نے اسے درست کیا۔ اسی لئے ان ہی کے نام سے مشہور ہے انہوں نے ایک مسجد بنوائی ہے جو نہایت عُمدہ بنی ہُوئی ہے۔ اور اس پر اِنَّا فَتَحْنَا لکھی ہُوئی ہے۔ لیکن بہت ہی مسمار اور اُفتادہ حالت میں ہے۔ گویا صدیاں گزر گئی ہوں۔ ہَوا اور دھُوپ نے پتھروں پر بہت ہی بُرا اثر کیا ہے۔ خود محمد علی پاشا



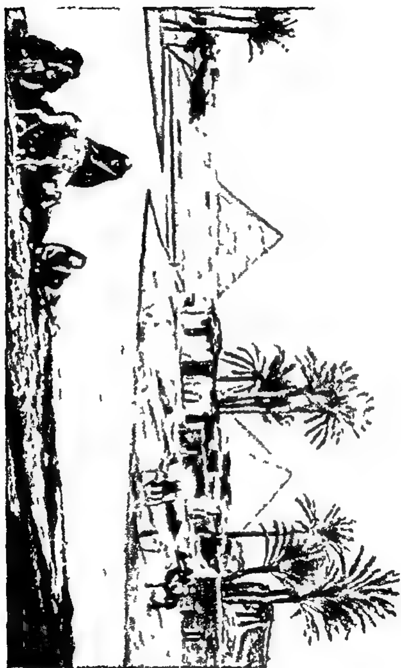
گئی ہیں۔ کہ کسی فرنیچ عالم کے حساب کے بموجب اگر چار فیٹ اونچی اور ایک فیٹ موٹی دیوار تمام فرانس کے اطراف میں بنائی جائے۔ اس کے لئے کافی پتھر یہاں موجود ہیں۔ دُنیا میں کسی عمارت پر اتنے پتھر صرف نہیں کئے گئے۔ جتنے اس سب سے بڑے ہرم میں صرف ہُوئے۔ اس کے بنانے کی صنعت تو بھی حیرت انگیز ہے۔ اس جسامت کے ساتھ سالہا سال سے اس قدر مستقیم وضع سے سر بفلک کھڑی ہے۔ کہ ایک بال برابر بھی کہیں سے نہیں ڈھلی۔ سُبحان اللہ ان معماروں کا کیا علم اور کیا حساب ہوگا۔ جنہوں نے اسے تعمیر کیا۔ یہ بڑا ہرم "شیولپس" نامی بادشاہ کا ہے۔ دروازے کے قریب کچھ چڑھائی چڑھ کر پہنچے۔ ہر ایک آدمی کے ساتھ تین تین فلاح مدد کرنے کو معین تھے۔ اس کے سوا ان اہرام پر چڑھنا اترنا ناممکن ہے۔ پہلے بھائی علی اصغر بیگ اندر گئے۔ پھر علیہ۔ پھر سیدی میاں اور ڈاکٹر صاحب یکے بعد دیگرے اور سب سے آخر میں۔ ایک پھسلنا پتھر جس پر قدم جمانے بھی مشکل ہیں اور راستہ تہ زمین ہے۔ جس میں مشکل سے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ بھائی اور علیہ تو چلے۔ لیکن میرا جی گھبرانے لگا۔ کیونکہ طبیعت ذرا کسلمند تھی۔ سیدی سعید اور ڈاکٹر صاحب کچھ دور چل کے واپس آ گئے۔ لیکن میں تو چند ہی قدم جا کر واپس آ گئی۔ تاریکی۔ بدبو اور ہَوا کم ہونے سے بالکل دم رُک گیا۔ فلاحوں کے ہاتھوں میں موم کی شمعیں تھیں۔ لیکن اس تاریکی میں روشنی پیدا کرنا کار سے دارد۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا زندہ درگور ہو گئے۔ لیکن علیہ کی علو ہمت پر آفرین ہے کہ تمام و کمال پھر کر اور دیکھ کر آئی۔ کوئی کونا باقی نہ رکھا۔ بھائی بھی سب جگہ گئے۔ لیکن پھر بھی ایک حد تک علیہ کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ بلکہ انتہا تک پہنچی۔ میں علیہ کی زبانی سُنکر بلاکم وکاست لکھ رہی ہُوں۔ کہ اندرونِ ہرم کس طرح گئی اور کیا دیکھا:۔

بنانے کا طرز نرالا تھا۔ چُونا وغیرہ تو کچھ دکھائی دیتا نہیں۔ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوپر تلے پتھروں کو چُن دیا ہے۔ اِس ریت کے ڈھیر میں یہ چیزیں کیسی مضبوطی سے قدم جمائے کھڑی ہیں۔ کہتے ہیں کہ کسی طرف سے ذرا بھی نہ اہرام ہلے ہیں نہ دیول۔ اتنے ہزار سال بعد بھی اُس سے ذرا بھر صدمہ نہیں پہنچا ہے۔ عقل کام نہیں کرتی ہے کہ کیسے پتھر ہیں اور کیسے ہنرور معمار ہونگے۔ البتّہ ریت میں بالکل غرق ہو گیا ہے اِس لئے جابجا کھود کر نکالا ہے۔ اور سب کچھ اچھّی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ اندر موقع موقع سے سنگ مرمر کے بیحد بڑے پتھر لگائے ہیں۔ فرش بھی مرمر کا ہے۔ اِن پتھروں پر زمانے نے کچھ خاص اثر نہیں کیا۔ یہ تعجّب خیز بات ہے۔ جب پوری طرح اِس دیول کو دیکھ لیا۔ تو واپس بڑے ہرم کے قریب آئے۔ وہاں بہت سے فلّاح منتظر کھڑے تھے کہ ہماری طرف سے اشارہ ہو تو اندرونِ ہرم لے جائیں۔ دُنیا میں شاید کسی عمارت کے متعلق اس قدر قیل قال نہیں ہوئی ہوگی۔ جیسی کہ ان اہرام کے بارے میں ہوئی ہے۔ کسی فرینچ عالم کا یہ تک خیال تھا کہ دریائے نیل کے کنارے کے شہروں کو ریت کے طُوفانوں سے بچانے کی خاطر یہ مینار بنائے گئے ہیں۔ لیکن آخر وُہ زمانہ بھی آیا کہ عالموں نے ہی اس معمّے کو حل کیا اور دُنیا کو معلوم ہوا کہ پرانے بادشاہوں کے مقبرے ہیں۔ اور ان میں بادشاہانِ سلف مدفون ہیں۔ اونچائی ۴۵۱ فیٹ ہے اور سب سے نیچے کا حصّہ ایک کونے سے دُوسرے کونے تک سات سو پچپن فیٹ لمبا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ بالکل نزدیک پہنچ کر بھی اس کی عظمت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ عَلٰی ہذا القیاس۔ میرے بیان کرنے سے بھی بمشکل آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کی عظمت کی کیا شان ہے۔ اِس میں پتھروں کی سلیں اس قدر کام میں لائی

کرنا بہتر سمجھا۔ ہمارا ہوٹل یہاں کے چار سب سے عمدہ ہوٹلوں میں ایک ہے۔ خاص موسم
میں یورپ کے شہزادے یہاں آکے رہتے ہیں۔ یہ ہوٹل آپرا ہوس (بیت الطرب)
سے بالکل قریب ہے۔ ایک مسلمان رہنما معین کر لیا ہے۔ اس کی رہنمائی میں چلے۔ موسم
خوشگوار ہے۔ اور نہایت خنکی ہوا میں ہے۔ شہر سے ذرا دور ہوتے تو بڑے بڑے محلات
دکھائی دیتے۔ اور سرکاری باغات جو عام لوگوں کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ دریائے
نیل میں اس سال جو پانی کا زور ہے وہ پندرہ سال سے دیکھنے میں نہیں آیا۔ زراعت
اور مکانات کا بہت نقصان ہو رہا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہوا میں بھی از حد
خنکی پیدا ہو گئی ہے۔ کئی میل سیدھی سڑک اہرام تک چلی جاتی ہے۔ دو رویہ بڑے
بڑے درخت اُگائے ہوئے ہیں اور اس سیلاب کے سبب تمام پانی جمع ہو گیا ہے۔
میں بیان نہیں کر سکتی کہ منظر کس قدر لطیف اور مثل تصویر نظر آتا ہے۔ جو باتیں تصویروں
میں دکھائی دیتی ہیں وہ سب بچشم خود آج دیکھ رہے ہیں۔ جا بجا اس پانی میں اکا
دُکا مکان یا چند کھجور کے درخت یا کناروں پر اونٹوں کی قطار نظر آتی ہے۔ اور
عجیب لباس پہنی ہوئی عورتیں جنکی نقابیں اشرفیوں سے مرصع ہیں۔ گدھوں پر سوار
یا گاڑیوں میں یا بوجھ اُٹھائے چلی جاتی ہیں۔ اہرام تک گاڑی پہنچی۔ یہاں اُتر کر پہلے
اسفنکس کے قریب گئے۔ جو چند قدم کے فاصلے سے ڈھلوان زمین پر ہے۔ تھوڑی
دیر پیدل چلے۔ مگر باقی کا رستہ اونٹ اور گدھوں پر سوار ہو کر طے کیا۔ اونٹ
کا مجھے اول دفعہ تجربہ ہوا۔ یہ جانور جب اُٹھتا ہے تو ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے
مگر پھر کوئی ناگوار بات نہیں معلوم ہوتی۔ اسفنکس کے قریب ٹیمپل ہے جو بے حد بڑے
سنگ خارا کی مستطیل یا مربع سلوں کا عجیب وضع سے تعمیر کیا ہے۔ اُس زمانے میں عمارات

محمد پاشا خدیو کے خاندان کے ہیں - اِس لئے یاگن کہلاتے ہیں - ایسے پانسو شہزادے اُنکے
خاندان کے فی الحال موجود ہیں اور بڑے مالدار لوگ ہیں - اُن کی خود کی کوئی آٹھ دس ہزار
پونڈ سالانہ کی خالص آمدنی ہے - جا بجا محلات پڑے ہوئے ہیں - موٹر اور گاڑیاں
بہت سی ہیں - یہ لوگ ایک بی بی ہمیشہ کسی اعلیٰ ترکی خاندان کی لاتے ہیں اور باقی
سب حرمیں ہوتی ہیں - سونے کی چیزوں کا یہاں استعمال ہوتا ہے - ان کی چھڑی اور
سگرٹ کا ڈبہ سونے کا تھا - خوب خوش گپیاں اڑا کر سٹیشن پر پہنچے - کوئی آدھ گھنٹہ
باقی تھا - آخر تک مہمان نواز پاشا کھڑے تھے - تواضع اور مہمان داری میں یہ لوگ
لاثانی ہیں - رخصت ہو کر ٹرین میں روانہ ہوئے - ہم سفر احمد پاشا تھے - یہ وُہ چرکس
صاحب ہیں - جن کا ذکر والد مرحوم سے اکثر سُنا کرتے تھے - ان کی نہایت حسین ہمشیرہ
حرم سرائے سلطانی میں موجود ہیں - اور ان پر اعلیٰ حضرت کی خاص توجہ ہے - یہ بھی بڑے
سردار ہیں - چھ بجے ٹرین نکلی - اور ساڑھے نو بجے قاہرہ پہنچے - اندھیرے کی وجہ
سے کچھ نظر نہیں آتا تھا - مگر عیاں تھا کہ یہ بھی بہت ہی منتظم شہر ہے - ضروری چیزیں
لیکر بخط راست ہوٹل آ گئے - یہاں پہنچے - تو مینیجر اور کوئی آدھی درجن معاونین تیار
کھڑے تھے - ایسے کمرے پہلے کسی ہوٹل میں نہ ملے تھے - سب ٹھیک کر کے سونے
کو چلے - خدا حافظ -

۲۳ - ستمبر ۱۹۰۸ء | تعجب ہوتا ہے کہ تقریباً چھ مہینے بات کرتے گزر گئے - اور آخر
ہم قاہرہ بھی آ گئے - زمانہ مثل دریائے نیل کے بہ رہا ہے - اور ہم بھی نیل کی سیر
گرانڈ کونٹی نینٹل ہوٹل قاہرہ | کر رہے ہیں - صبح ہم سب سوائے حضور کے اہرام دیکھنے
کے لئے گئے - وقت تنگ اور منزل دور - اس لئے سب سے پہلے اسی کو ملاحظہ



اور نہ یہ نے سب سنگ مرمر کے۔ ذرا آرام لیا۔ بھائی سے معلوم ہوا کہ خط روانہ کرنا چاہئے
جو کچھ تیار تھا وہ روانہ کر دیا۔ آئندہ ہفتے میں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم ہی پہنچ جائینگے۔
ہم لوگ پھر گاڑیوں میں سوار ہوئے اور شہر کی سیر شروع کی۔ یہ شہر بہت ہی پرانا اور تاریخی
جگہ ہے۔ مصر کی سلطنت میں دوسرے درجے کا شہر سمجھا جاتا ہے۔ بہت بڑا بندرگاہ
ہے۔ خدیو کے کئی محل یہاں ہیں۔ گرمیوں میں قاہرہ سے سب یہاں چلے آتے ہیں
سمندر سے اتنا قریب ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ سکندریہ کے مضافات
میں ایک جگہ ہے۔ جہاں بڑے بڑے پاشا یعنی امیروں کے محلات ہیں۔ گرمیوں میں تین
چار مہینے یہاں گزارتے ہیں۔ بہت ہی اچھا اور خوش وضع شہر ہے۔ عمدہ پختہ سڑکیں موٹر
وغیرہ کے لئے ہیں۔ بجلی کا ٹرام اور ریلوے بھی موجود ہے۔ قاہرہ تک ٹیلیفون ہے۔
غرض یہ کہ جدید زمانے کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ ایک اسلامی شہر کو اس حالت میں
دیکھ کر کتنی خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا برعکس تو دیسے روز ہوتے قسطنطنیہ میں دیکھ
چکے ہیں۔ خیر آخر کار پھرتے پھراتے "ترالیسے کے کاسینو" میں پہنچے۔ یہ بہت ہی بڑی
عمارت ہے۔ اور جس طرح براعظم یورپ کے ہر شہر میں کرسال ہوتے ہیں۔ اسی کا نمونہ یہاں
بھی ہے۔ یہ وقت گزارنے اور ملاقات کرنے کی جگہ ہے۔ ہمیشہ یہاں گانا بجانا ہوتا ہے
شام کو خوب ہی فیشن ایبل لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس شہر میں زیادہ تر انگریز۔ فرنچ۔ گریک
اور ارمنی وغیرہ کی بستی ہے۔ باہر کے سایہ دار چبوترے پر میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ان میں
سے ایک پر حضور عالی اور محمد پاشا وغیرہ بیٹھے۔ ہم لوگوں نے بھی ان کے ساتھ خوب
باتیں کیں۔ افسوس کہ تنگی وقت کی وجہ سے ان کی بیبیوں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اس
چبوترے کے سامنے ایک کھلا ہوا چبوترا ہے۔ اس کے بائیں سمندر لہریں مارتا ہے۔

جہاز تیز رو ہے۔ اس واسطے لوگ اس میں سفر کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہاں سے لنگر اُٹھایا اور بڑے سمندر میں داخل ہوئے۔ وہاں جہاز کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ نہایت درجے تہ و بالا ہو رہا تھا۔ پانی میں بڑے بڑے غار پیدا ہوتے تھے۔ اگرچہ کوئی خوف کی بات نہ تھی تاہم جی گھبراتا تھا۔ عطیہ اور میں عرشے پر کھڑے تھے۔ مرد بھی ہمت ہار چکے تھے۔ اور بہت کم لوگ موجود تھے۔ ہوا نہ ہونے سے کچھ بچاؤ تھا۔ ورنہ اور بھی بلا نازل ہوتی۔ کھانے کے بعد کچھ ذرا جہاز سنبھلا اور ہم نے شکر کیا۔

۲۲۔ ستمبر ۱۹۰۶ء رات بھر یہی حالت رہی۔ کیا مجال تھی جو سو سکیں۔ اتنا سفر کیا۔ لیکن ایسا سمندر نہ ملا تھا۔ باہر آئے تو جنرل فتحی پاشا سے حضور نے تعارف کروایا۔ الجریدہ نامی قاہرہ میں اخبار جاری ہوا ہے۔ اس کے ایڈیٹر سے بھی ملے۔ ترکی میں اُن کے ساتھ باتیں ہوئیں۔ سوشیل معاملات اور پردے پر بہت بحث ہوتی رہی۔ جنرل صاحب بڑے جہاندیدہ آزمودہ کار ہیں۔ بارہا لڑائیوں میں جا چکے ہیں۔ بعض اوقات میدانوں میں تین تین مہینے سونا پڑا ہے۔ خدیو کے لشکر میں جنرل ہیں۔ لارڈ کچنر کے ماتحت سوڈان وغیرہ کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ لوگوں کا عجب حال ہے۔ یا تو ہم کو کس تعجب اور حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب یہ حال ہے کہ ہماری گفتگو سننے کے مشتاق ہیں۔

اسکندریا میں کوئی ساڑھے نو بجے لنگر انداز ہوئے۔ ہم سمجھتے تھے کہ جلد کنارے جا سکینگے۔ لیکن ہیضے کے خوف کی وجہ سے بغیر ڈاکٹر کے ملاحظے کے جانے کی اجازت نہ تھی۔ زیادہ افسوس کا اس بات کا تھا کہ پرنس محمد پاشا یا گن بندر

سر جیرارڈ نے سلطان المعظم کا ایک لطیف قصہ سنایا۔ کہنے لگے کہ ایک دفعہ امیر المومنین نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے فرنچ پنیر بے حد پسند ہے۔ بلکہ اس قدر پسند کرتا ہوں کہ وہاں سے میں نے خاص پنیر بنانے والے شخص کو بلا کر ملازمت میں رکھا ہے۔ لیکن ویسی چیز نہیں بنتی۔ سر جیرارڈ نے خود بدولت سے کہا کہ شاید دودھ میں فرق ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں برابر وہی خوراک گایوں کو دی جاتی ہے۔ جو وہاں دیتے ہیں۔ بلکہ ان کے لئے خوراک وہیں سے منگوائی جاتی ہے۔ تب سر جیرارڈ نے کہا کہ گایوں میں فرق ہوگا۔ وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ گائیں بھی وہیں سے آئی ہیں۔ سر جیرارڈ نے کہا کہ ہوا کا فرق ہوگا۔ وہ ایک چیز ہے کہ جو خود بدولت نہیں منگوا سکتے۔ اس لئے بہتر یہ ہو کہ پنیر ہی وہیں سے بنا بنایا منگوا لیا جائے۔ تو یہ سب تکلیفیں مٹ جائینگی۔ سر جیرارڈ خاص دیر تک بیٹھے۔ بڑے خوش مزاج آدمی ہیں۔

بارش ہوئی اور طوفان شروع ہو گیا ہے اور کل سویرے جہاز پر سوار ہونا ہے۔ خدا مدد کرے۔ تین روز کا سفر درپیش ہے۔ خدا کرے سمندر کا مزاج اچھا ہو۔ کھانا کھا کے جلد سونے کے لئے جا رہے ہیں۔ شب بخیر۔

۱۹ ستمبر ۱۹۳۵ء سویرے جلد تیاری کر کے تقریباً پونے نو بجے ہوٹل توکاٹلیاں سے رخصت ہوئے۔ مادام توکاٹلیاں نے عطیہ کو اور مجھے عمدہ مٹھائی کے بکس بطور ازراہ تحفہ کے دیئے۔ مصری شہزادے نے اپنا لانچ جہاز تک پہنچانے کے لئے بھیج دیا۔ جس میں ہم سوار ہو کر گئے اور جو ہمارا مقرر کیا ہوا لانچ تھا۔ وہ ہمارے ساتھ والوں کے کام آیا۔ دس بجے مع الخیر جہاز پر سوار ہوئے۔ ہمارے کمرے نہایت وسیع اور آرام دہ ہیں۔ کاش پی اینڈ او کے جہازوں میں بھی ایسے آرام دہ کمرے ہوں۔ گو جہاز چھوٹا ہے

کمرے واقعی زندگی کو آسائش بخشنے والے ہیں۔ بہت سی مصری خانمیں ہم سفر ہیں۔
وُہ سب کھانا اپنے اپنے کمروں میں کھاتی ہیں۔

۲۰ ستمبر ۱۹۰۸ء رات کو آگبوٹ ذرا جھکولے کھاتا تھا۔ صبح کو آٹھ بجے سمرنا میں لنگر انداز ہُوئے۔ اور ہم لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر کنارے گئے۔ اور گاڑیوں میں شہر کی سیر کی۔ ایک پُرانا قلعہ دیکھا۔ جو بالائے کوہ نہایت اُفتادہ حالت میں واقع ہے۔ یہاں سے ازمیر کا منظر نہایت خوبصورتی سے دکھائی دیتا ہے۔ بہت بڑا شہر ہے۔ راستے میں ایک بہت ہی خوبصورت مینار دیکھا۔ رنگ برنگ کے سنگ مرمر سے اِس کے متعلق چھوٹے چھوٹے ستون بنائے ہیں۔ پانچ سال ہُوئے سُلطان المعظم نے پانی کے لئے یہ چشمہ بنایا تھا۔ یہاں کے بازاروں میں گاڑی پھر سکتی ہے۔ ہم کو بہت بُھوک لگی تو رہنمائی میں کسی کوفتہ پز کی دوکان پر گئے جو سب سے اعلیٰ درجے کا شمار ہوتا تھا۔ اُس نے بالاخانے پر بٹھایا اور ہم نے نہایت لذیذ کباب بڑی اشتہا کے ساتھ کھائے شاید ہی کبھی اِس قدر شوق سے اِتنا بہت سا گوشت کھایا ہو گا۔ بعد ازاں نہایت شیریں خربوزہ کھایا اور عُمدہ ترکی قہوہ پیا اور کبابی کو دُعائیں دیتے ہُوئے چلے۔

یہ جہاز بہت تیز رو ہے۔ کل سوا گیارہ بجے اسکندریہ پہنچینگے اِنشاء اللہ تعالیٰ وہاں چند گھنٹوں کے لئے ایک شہزادے کے مہمان رہینگے۔ جنہوں نے بڑے اصرار سے دعوت دی تھی۔ اور جن کی دعوت کو حضور نے قبول کر لیا ہے۔ اب تو جو دِن گزرتا ہے وُہ اپنے اعزا سے ملاقات کے وقت کو قریب لے آتا ہے خدا خیریت سے ملائے۔ آمین۔

کھانے سے قبل رودس میں لنگر کیا۔ یہاں بہت سے مسافر سوار ہُوئے۔ یہ

نے کھلایا۔ کوئی آٹھ نو چیزیں تھیں جن میں سے اکثر لذیذ تھیں۔ اشتہا خوب تیز ہونے کی وجہ سے اچھی طرح کھا سکے۔ مکان بہت صاف اور نہایت منتظم۔ عیاں تھا کہ صاحبِ خانہ کی نگاہ ہر طرف ہے۔ ان لوگوں میں اکثر یورپین اثر پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن طہارت ابتک باقی ہے۔ کھانے کے بعد بھی قہوہ پلایا۔ ظاہر تھا کہ امیر کا مکان ہے۔ کھانے کے بعد خانم صاحبہ نے اپنا گانا سُنا کر ہم کو محظوظ کیا۔

وہاں سے چل کر مادام راسخ بیگ سے آخری مُلاقات کی۔ ان کے لئے کچھ سیاہ بنارسی ٹکڑا لے گئی تھی اور لڑکی کے لئے سلمیٰ ستارے کے کام کی لیس۔ یہ چیزیں اُنہوں نے بظاہر پسند کیں۔ اور بنارسی ٹکڑے کے متعلق کہا کہ لیلیٰ کے جہیز میں دوں گی میرا کاٹنے کو جی نہیں چاہتا خوبصورت چیز ہے۔ طرفین سے محبت آمیز الفاظ برتے گئے اور خدا حافظ کہہ کر چلے آئے۔ کچھ دیر آرام کرنے پائے تھے۔ کہ مسیو توفیق بیگ اور اُنکی دو ہمشیرگان اور ایک چچازاد بہن کے آنے کی اِطلاع ہوئی۔ یہ توفیق بیگ کرنل مُصطفےٰ پاشا کے لڑکے ہیں۔ واقعی یہ بالکل نادر موقع ہے کہ خانمیں ملنے کو ہوٹل آئیں۔ یہ گویا پیش قدمی کی انتہا ہو گئی۔ گفتگو کا سلسلہ خوب جاری رہا۔ اور بہت ہی خوشگوار شام گزری۔ اس مُلک میں جو کچھ مشاہدہ کیا۔ اس سے اتنا تو اطمینان ہُوا کہ ہندیوں نے اپنے دیس کی چیزوں سے یہ بے اِعتنائی نہیں برتی۔ اب ان بیبیوں کی دلی آرزو ہے کہ چارشف کا اوپر کا حصّہ نکال کر انگریزی ٹوپیاں پہن لیں۔ اور یک لخت آزادی کا ڈنکا بجائیں۔ تقریباً ہر ایک خانم آفندی سے یہی سُننے میں آتا ہے۔ ان سب خانموں میں سے مَیں نے اپنی کتاب میں کچھ نہ کچھ بطور یادگار لکھوا لیا ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ صرف ہماری خاطر سے یہ لوگ ہوٹل میں آ گئے۔ ورنہ

بہت ہی مشکل امر ہے۔ اب تو صرف دو روز باقی ہیں۔ پھر استامبول کو خدا حافظ۔ ہوتے ہوتے مُلاقات کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ اور اب بیسیوں خانموں سے شناسائی ہو گئی۔ یہاں سے رنج و خوشی دونوں کا ذخیرہ ساتھ لے جائینگے۔

۱۷ ستمبر ۱۹۰۸ء یہاں اندنوں ایک قسم کی ہوا چلتی ہے۔ جس سے باسفورس میں تمام مچھلیاں بھر جاتی ہیں۔ ہزاروں لوگ کناروں پر سے کشتیوں میں سے کانٹے ڈال ڈال کے پکڑتے ہیں اور آناً فاناً میں سینکڑوں مچھلیوں کا انبار ہو جاتا ہے بہت ہی دل پسند مشغلہ۔ تمام دن موٹے موٹے گلابی بچے اسی شغل میں رہتے ہیں۔

حضور نواب صاحب کے کل ہمراہیوں کو تمغے عطا ہوئے۔ اس میں عطیہ کے لئے دُوسرے درجے کا شفقت نشان ہے۔ جو میرے نشان کی طرح الماس وغیرہ سے مرصع ہے۔ لیکن قد میں چھوٹا ہے اور اس کے ساتھ گلے میں پہننے کا فیتہ نہیں۔ خدا ہم سب کو مُبارک کرے۔ بھائی کو اور اور لوگوں کو عثمانی درجہ سوم کے نشان ملے ہیں۔ یہاں کا یہی دستور ہے۔ کہ جب کوئی ذی وجاہت آدمی آتا ہے۔ تو اس کے ہمراہیوں پر بھی عنایت شاہانہ ہوتی ہے۔ یعنی انکو بھی تمغے دیئے جاتے ہیں۔

سفیر انگلستان نے بہت خوبصورت گلدستہ بھیجا۔ کامل پاشا۔ سعید پاشا وغیرہ بہت سے اصحاب وداع کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اور ہم بھی باقیماندہ لوگوں سے رخصت ہو آئے۔ ہمارا اسباب جا چکا ہے۔ اب ہمارے چلنے کا وقت قریب ہے۔

مادام ادھم بیگ نے نہ فقط اپنے دستخط میری کتاب میں یادگار چھوڑے۔ بلکہ خود اپنے ہاتھ سے ایک انگوٹھے کی تصویر کھینچ دی۔ جس کی میں بہت قدر کرتی ہوں۔

یوروپین رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ ہاں اتنی بات ضرور تھی۔ کہ کنیزانِ چابکدست
دست بستہ مودب کھڑی تھیں۔ جنہوں نے ہمارے برقعے اتارنے وغیرہ میں بڑی
چستی سے مدد دی۔ نعمت خانم (لڑکی کا نام ہے) نازک اندام بی بی ہیں۔ یہاں کی
خانموں سے الگ۔ جو اکثر موٹی ہوتی ہیں۔ سلطان اور محلسرائے شاہی کی خوب باتیں
کیں۔ اور یہ بھی کہا کہ ذرا موزوں وقت ہوتا تو محلسرا میں جانا کوئی بات نہ تھی۔ خوب
خاطر مدارات ہوئی۔ مطلب یہ کہ خوش وقت گزار کر محظوظ واپس آئے۔

۱۴ ستمبر ۱۹۰۸ء "صبح چارشی" (یعنی بازار) گئے۔ اور بہت خریداری کی لیکن دل نہ
بھرا۔ قالین ساز کے یہاں ایک ہوش رُبا قالین دیکھا۔ کسی امریکن صاحب کے لئے
دو سال سے بن رہا ہے۔ اس کی زمین سنہری کلابتونی بُنی گئی ہے اور اس پر ریشمی
بیل بوٹے ہیں۔ چھوٹا سا پارچہ تین ہزار کا ہے۔ میں نے بھی اسی نمونے کا بنوایا۔ جو
دو سال بعد تیار ہو کر آئیگا۔ مگر خیر ایک چیز ہوگی۔ کہ چشم جہاں کم دیدہ۔ شام کو وزیر اعظم
کامل پاشا کے صاحبزادے سعید پاشا حضور سے ملاقات کرنے کے لئے آئے
تھے۔ ان لوگوں کی تواضع اور ادب کے سب ہی قائل ہیں۔ حضور سے نہایت اخلاص
اور الفت سے ملتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان رئیس ہیں۔ اس لئے سب دلی محبت
برتتے ہیں۔

بھائی۔ فرید پاشا کی ملاقات کے لئے گئے تھے۔ انہوں نے سلطان سلیم کے
فارسی دیوان کی جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ ایک صحیح نقل حضور کے لئے
بھیجی تھی۔ اس کتاب کی حقیقت یہ ہے کہ سلطانی خزانے میں یہ دیوان محفوظ تھا جس
وقت ولیم قیصر جرمنی یہاں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اس کتاب کو بڑی قدر

بڑے سلے درجہ اوّل کا شفقت نشان ہے۔ اس پر الماس یاقوت اور سرخ و سفید مینا کا کام ہے اور عمدہ سنہری طغریٰ نے اور بھی رونق دوبالا کر دی ہے۔ چوڑے فیتے کے ساتھ ایک اور فیتہ بھی لگا ہوا ہے۔ عطیہ کو درجہ دوم اسی نشان کا ملا جس میں صرف اتنا فرق ہے کہ ذرہ چھوٹا ہے اور چوڑا فیتہ نہیں ہے۔ سُنتی ہُوں کہ مختلف سفیروں کی بیبیوں کو اور ترکی شہزادیوں کو یہ نشان عطا ہوتے ہیں۔ ان کی سندیں بھی آگئی ہیں۔ یہاں کا یہ رواج ہے کہ وزیر اعظم کی طرف سے کوئی شخص یہ نشانات پہنچا دیتا ہے۔ بلکہ ہم نے از راہِ تعجب دریافت کیا تو اور ہی گل کھلا۔ کہ ہم کو تو بھیجا بھی گیا ورنہ دستور ایسا ہے کہ اعلان نکلتے ہی جس کے نام کا ہے وہ آپ جا کر لے آتا ہے ہر تمغے و ہر رسمے۔

۱۱۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء | مبارک بیگ قریب جسے ہم نے بلایا تھا۔ بالکل ٹھیک وقت پر آیا۔ دُنیا بھر کی اس بچے نے باتیں کیں۔ معلومات کا ذخیرہ ہے۔ کس بیدار مغزی اور تیزی سے اُس نے جواب دیتے ہیں کہ مَیں تو دنگ رہ گئی۔ بڑا پیارا بچہ ہے۔ حضور اور ہم سب کو اپنے والدین بھائی اور بہن کی طرف سے دعوت دی۔

شام کو مادام ادہم بیگ کے ہمراہ گیوک سوُ گئے۔ وہ اپنی چچازاد بہن کو ساتھ لائی تھیں۔ گرمیوں میں تمام عثمانی خانمیں ہر جمعہ کو بغرض سیر یہاں آتی ہیں۔ اِسواسطے بڑی کیفیت رہتی ہے۔ مسافروں کو بہت آسانی سے اس مُلک کا دستور نظر آسکتا ہے۔ مادام اپنے ہمراہ کیک لائی تھیں۔ اور یہاں سے "کاغذی حلوا" خریدا۔ دونو چیزیں بڑی لذیذ تھیں۔ کھاتے ہُوئے سیر کرتے ہُوئے خوش ہو کر آئے۔ حضور کی حد کشتی میں سوار تھے۔

لیتی تھیں۔ تماشا کرنے والوں کا بھی بُرا حال تھا۔ یورپینوں کا زیادہ اثر پڑتا
جائیگا تو یہ حجاب باقی نہ رہیگا۔ اور یہ نازک تاثرات محو ہو جائینگے۔ اور جیسا اُن
لوگوں کا حال ہے۔ ویسا ان لوگوں کا ہو کر رہیگا۔ ابھی تک ان کے خیال کتنے
نازک اور شرمیلے ہیں۔ ایک ایک دوپٹہ ہم لوگوں کو صفوت خانم آفندی نے دیا
اور کہا کہ اس رمضان شریف میں پہنکر نماز پڑھنا۔ اِن پر ان کے ہاتھوں کا بنایا
ہُوا کام ہے اِن کی لڑکی لیلیٰ خانم نے اپنے نام کا بروچ عطیہ کو دیا اور مجھے
صفوت خانم آفندی نے ایک چوڑی اپنے ہاتھ سے اُتار کر بہزار اصرار پہنا دی
اِس پر کچھ طریقت کی نشانی ہے۔ واقعی بڑے گرم دل لوگ ہیں اور بہت ہی شیریں
کلام۔ اور نہایت جوش سے کہنے لگیں کہ جب آپ قسطنطنیہ آئیں تو میری مہمان
رہیں ہوٹل میں ٹھہرنا کیا معنی۔ میرا مکان حاضر ہے۔ وہاں سے اس کمیٹی کی پریسیڈنٹ
یونانی بی بی کے ہاں ہو کر واپس آ گئے۔

۱۰۔ستمبر ۱۹۰۸ء | صبح تیار ہو کر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی زیارت سے مشرف
ہونے کو چلے۔ کشتی میں مادام راسخ بیگ اور انکی والدہ کریمہ خانم آئیں۔ اور نہایت
گرمجوشی سے مُبارکباد دینے لگیں۔ نہایت ہی تعجب سے ہم نے سُنا کہ حضور عالی
کو نشان عثمانی درجہ اوّل ملا اور زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ مجھے بھی شفقت
درجہ اوّل کا نشان سلطان المعظم نے عنایت فرمایا۔ یہ سُن کر مُنہ تکتے رہ گئے
کیونکہ بالکل علم نہ تھا۔ ہاں حضور کو اس قسم کا نشان امتیاز ملنے کی خبر مسٹر فنزاری
سے سُنی تھی۔ کہنے لگیں کہ سب اخباروں میں یہ خبر چھپ چکی ہے۔ کیا آپ کو معلوم
نہیں؟ میں تو خاموش ہو گئی۔ کیونکہ اس کا علم ہرگز نہ تھا۔ خیر یہ نئی خوشی ساتھ لئے

۱۲ ستمبر ۱۹۰۸ء صبح ایک سیرگاہ پر گئے تھے۔ یہ حصّہ بہت ہی عُمدہ پہاڑ پر واقع ہے۔ راستے میں پھل کے باغات پھل سے لدے ہُوئے دِکھائی دیئے۔ تمام احاطہ جنگلی "راسبیری" سے پُر تھا۔ ہم نے خوب توڑ توڑ کر کھائی۔ آبشار بہت اچھا تھا قہوہ خانہ بھی موجود تھا۔ اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہَوا کے جھونکے آرہے تھے۔ آدمی کو اور کیا چاہیئے۔ واپسی کے وقت تازے تازے انجیر، شفتالو خرید کے بڑے شوق ذوق سے کھائے۔ اوہ! کیا لذّت تھی! انجیر میں سے شیرہ ٹپکتا تھا۔ انجیر کے درخت یہاں برگد جتنے بڑے ہوتے ہیں۔ بہت اچھی سیر ہُوئی اور واپس آکر دو بجے تیار ہوکر آگبوٹ میں ہم چاروں "بیشک تاش" ہوتے ہوئے "نشان تاش" چلے۔ وہاں سے گاڑی میں سوار ہوکر فرید پاشا کے عالی شان محل پر پہنچے۔ پہلے یہ صدرِ اعظم تھے۔ اب نہیں ہیں لیکن ہردلعزیز ہیں۔ اس وجہ سے پھر وزیر بنجائینگے نشان تاش قسطنطنیہ کا ویسٹ اینڈ ہے۔ یہاں والا تبار لوگ سکونت کرتے ہیں۔ ایک دربان لباس دلکش میں ملبوس کھڑا تھا۔ اس نے ہم کو وُہ دروازہ بتایا۔ جہاں سے داخل ہونا تھا۔ چھوٹے مُبارک بیگ نے بڑے تپاک سے "آیئے صاحب آیئے" کہا۔ اور اپنے ہمراہ لے چلا۔ اس کی عمر ایسی ہے کہ حرملک اور سلاملک دونوں میں جاسکتا ہے۔ حضور کو ایک طرف لے گیا۔ جو سلاملک کا احاطہ تھا۔ اور ہم کو حرملک کے دروازے پر پہنچا دیا۔ جہاں ان کی والدہ اور ہمشیرہ خیر مقدم کے لئے موجُود تھیں۔ عمارت کا داخلہ نہایت عُمدہ سبز خانے سے ملا ہُوا ہے۔ کہ جس کا دُوسرا سرا باغ میں پہنچتا ہے۔ سبز خانہ شیشے کا ہونے کی وجہ سے جاڑوں میں گرم رہتا ہوگا۔ اور بآرام تمام باہر اندر آجا سکتے ہونگے۔ یہ مکان اور مکین بالکل

دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ میں تو اس کی پیاری پیاری سنجیدہ باتوں کی اسیر ہو گئی۔ عجب
دلکش بچہ ہے اور اس کے ساتھ کمال درجے کی تربیت۔ حقیقت میں عالی خاندانوں کے
بچوں کی تربیت کا بہترین نمونہ ہے۔ اتنی سی جان نے کیسے اچھے اسلوب سے
ہم سب بیبیوں کا آپس میں تعارف کروا دیا۔ ملاقات کے طریقے سے پورا ماہر۔
بالکل پختہ طور۔ مگر ساتھ ہی بچپن بھی عیاں تھا۔ مجھ سے کارڈ مانگا نام جاننے کیلئے
اور پھر بہت ہی تواضع کے ساتھ اپنا کارڈ دستخط کر کے دیا۔ یعنی ملاقات ہو گئی۔ ہندوستان
کے متعلق کیسے کیسے سوال کئے کہ ہم حیرت زدہ ہو کر اس کو دیکھنے لگے۔ کہنے لگا کہ
میں صرف پڑھنے کے لئے پیرس میں رہتا ہوں۔ مگر تحصیل کرنے کے بعد کبھی نہ رہونگا۔
مشرقی ادب اور مغربی نازک خیالی نے مل کر اس بچے کے اطوار کو نہایت پسندیدہ بنا دیا ہے۔
بار بار ہم سے پوچھتا تھا کہ میں آپ کے لئے کچھ کر سکتا ہوں۔ ملازم اور گاڑی کو میں بلوا دوں۔
ہر طرح مدد دینے کو تیار۔ فرنچ تو ایسی بولتا ہے کہ باید و شاید۔ ٹھیک تلفظ کے ساتھ
یہ لوگ لنسان تاش رہتے ہیں۔ میں نے اس کو اپنے ہاں بلایا ہے۔ تکمیل کے بعد
ہم مسس سوڈش کی چاء نوشی کی دعوت میں ذرا سی دیر کے لئے گئے۔ پھر گھر آ گئے۔

۹ ستمبر ۱۹۰۸ء
ہوٹل تھراپیا

آج صبح سویرے عطیہ بازاروں میں گئی تھی۔ اور بہت سی اچھی اچھی اور کار آمد
چیزیں لے کر آئی اور جہاں فروخت ہوتی ہیں۔ ان جگہوں کو بھی
جان لیا۔ یہاں کھانے پینے کی چیزوں کو جو بیچنے والے اپنی پیٹھ پر لئے ہوئے پھرتے
شیشے کے بڑے بڑے ڈبوں میں بند کر کے بیچتے ہیں۔ تاکہ کسی کا ہاتھ نہ لگے۔
اور مکھیوں کی بھی بھنبھناہٹ سے بچی رہیں۔ کتنی صفائی اور پاکیزگی سے سب کام کرتے
ہیں۔ کاش یہی طریقہ بیچنے والوں کا ہندوستان میں ہو۔ پاکیزگی اور طہارت کا ہنر یہ

ہوئے ہم حضرت ابو ایوبؓ کے مزار شریف کے قریب پہنچے۔ یہاں شیخ الاسلام کے سکرٹری
کے ہاں گئے۔ جہاں کھانے کا انتظام تھا۔ مکان اور مکین کی صفائی اور ستھرائی کا بیان
کئے بغیر ہی نہیں رہ سکتی۔ بالکل صاف ستھرا مختصر سا مکان لیکن کس قدر سلیقہ کا کہ تعریف نہیں ہو سکتی
کچھ ایسے متمول لوگ نہیں ہیں۔ لیکن تمیز داری ان پر ختم ہے۔ جس قدر سُنا تھا اس سے
بڑھ کے پایا۔ مشہور ایوب کے کباب اور ملائی کا دل سے انصاف کیا۔ اور کھانے کے
ساتھ خوب فواکہات کھائے۔ یہاں کا یہ خاص رواج ہے۔ شکم سیر ہونے کے بعد زیارت
کے لئے گئے۔ باہر کے حصّے میں تمام وکمال انمول ایرانی چینی کے ٹکڑوں سے دیوار
بنائی تھی اور باقی کا تمام حصّہ سنگ مرمر کا تھا اور کچھ نہیں۔ مقبرے کے اطراف میں
چاندی کا کٹھرا ہے۔ چاندی سونے کے کوزے اور گلاب دان لٹکے ہوئے ہیں۔
ہندوستان کے مزاروں اور مقبروں کے مقابلے میں کاریگری کچھ کم نہیں ہے۔ بلکہ
یہ نزاکت یہاں نہیں پائی جاتی۔ مردوں کی قبروں پر قیص یا پگڑی پہناتے ہیں جو بالکل
پسند نہیں۔ فاتحہ میں ہم بھی شریک ہوئے۔ چشمے کا پانی پیا۔ عمدہ عمدہ نوشتے رکھے
ہوئے تھے سو دیکھے۔ ایک بہت بڑا قرآن مجید عجیب و غریب رحل پر رکھا ہوا تھا۔
لاثانی اشیا یہاں موجود ہیں۔ خدا اسلام کو آباد رکھے۔ سب دیکھ بھال کر کشتیوں
میں سوار ہو کر پل پر آئے اور رات کو ہوٹل پہنچے۔ ہم ہوٹل آئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ
ایک سیّد یا شیخ کے قیافے کا شخص ہاتھوں میں ڈبّے تھامے ہوئے ہے۔ دریافت
کرنے سے معلوم ہوا کہ ہمارے نشان لائے ہیں۔ عجیب مسرّت حاصل ہوئی۔ سبحان اللہ
جل قدرتہٗ۔ حضور کے لئے جو نشان ہے۔ وہ چاندی سونے اور مینا کاری کا۔ ایک
سینے پر لٹکانے کا اور دوسرا سیفے میں آویزاں کرنے کا ہے۔ خوبصورت چیز ہے۔

ذرا لمبے فقرے کہنے پڑیں۔ تو زبان رُک جاتی ہے۔ کیونکہ اتنا مشاورہ نہیں ہے۔ ایک اور بی بی میرے قریب آئیں۔ اور میرے متعلق دریافت کیا۔ کہ میں کہاں کی ہوں۔ اور مسلمان ہوں۔ جب انہیں سب باتوں سے اطمینان حاصل ہوا۔ بڑی گرم جوشی سے بغلگیر ہوئیں۔ اور بہت ہی محبت سے پیش آئیں۔ اور ہر طرح اپنی خوشنودی ظاہر کی۔ بار بار انہوں نے دعوت دی اور یہ کہا کہ میں اپنے لڑکے اور لڑکی کو آپ کے پاس ہوٹل میں بھیجوں گی۔ تاکہ میرے یہاں آنے میں سہولت ہو۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور دعوت قبول کی۔ ان لوگوں کی ملنسار طبیعتیں کس قدر پسندیدہ معلوم ہوتی ہیں۔ ہزار اوروں کی تقلید کرنی پڑے۔ لیکن اسلامی دل اور محبت کہاں جا سکتی ہے۔ ان تمام باتوں میں وقت اچھی طرح کٹا۔ لیکن آفتاب کی تیزی سے جی ہلکان ہو گیا۔ ساڑھے بارہ بجے عین دوپہر کو کھیل شروع ہونے والا تھا۔ مگر ابھی کی دیر ہو گئی اور پھر بھی انتظام ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ڈھائی بجے آخر کھیل شروع ہوا۔ سٹیج تو واجبی سا تھا۔ لیکن عمدہ عمدہ ترکی قالینوں سے اس کی بھونڈی شکل کو چھپانے کی کوشش خوب کی تھی۔ تمام مشکلات کے باوجود بھی ان لوگوں نے بہت اچھا نباہا۔ ایکٹنگ کی داد میں پورے طور پر نہیں دے سکتی۔ کتنی اچھی اور قدرتی وضع سے کرتے تھے پیرس اور لنڈن میں بھی اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ یہ کھیل بہت سال ہوئے کسی ترک نے لکھا تھا۔ مگر اجازت نہ ملنے سے اب تک موقوف رہا۔ آزادی ملتے ہی اس کا تماشا کر دیا گیا۔ نہایت عمدہ جوش لانے والا عشق اور لڑائی کا قصہ تھا۔ اور وطن کی محبت میں جان دینے کو عین خوشی تصور کرنا اس کا مقصد اصلی تھا۔ ہیرو (اسلام بیگ) کا پارٹ جس جوان نے لیا تھا۔ اس نے بہت ہی عمدہ کام کیا۔ تمام کھیل فوجی سکول

لوگ پوری طرح جانتے ہیں - اور اس کے حد درجہ پابند ہیں - ہاتھ کپڑے جسم سب صاف رکھتے ہیں - یہاں بازاری چیزوں سے ویسی نفرت نہیں پیدا ہوتی جیسی ہندوستان میں آج علطیہ نے برقعہ وغیرہ بہ مشکل اُتارا ہوگا - کہ اتنے میں اُن بی بی کے لڑکے کا (جنہوں نے کانسرٹ میں وعدہ کیا تھا - کہ میں اپنے لڑکے اور لڑکی کو بھیجوں گی) کارڈ آیا اُسے فوراً اندر بلوایا - معلوم ہوا کہ اس کی والدہ نے اپنی لڑکی کو (جو گاڑی میں بیٹھی تھی) اور لڑکے کو اس غرض سے بھیجا تھا کہ ہم کو اپنے ساتھ لیجائیں - اُن کی لڑکی بھی ہمارے پاس تھوڑی دیر میں آئی - پھر ہم تیار ہو کر ان کے ساتھ "بیوک درہ" گئے - لڑکی کا نام لیلےٰ خانم ہے - کوئی پینتیس منٹ کا راستہ ہوگا - راستے بھر باتیں کرتے رہے - لیلےٰ خانم انگریزی اچھی جانتی ہیں - لڑکا علیحدہ گیا کیونکہ مرد اور عورتیں ساتھ نہیں بیٹھ سکتے - لیلےٰ خانم کے والد کا نام راسخ بیگ دبنو ہے اور وزرا میں سے ایک تھے - دستوری حکومت کے باعث جیسے دوسروں کا حشر ہوا ویسے ان کا بھی - کیونکہ نئے خیالات کے آدمی ہیں - منزل پر پہنچ کر گاڑی ٹھہری - اور ہم اوپر گئے - مادام راسخ بیگ کو دیکھا بہت ہی گرمجوشی سے ملیں اُنکی والدہ بھی تھیں - وُہ بھی بڑی اُلفت سے پیش آئیں - مادام راسخ بیگ یعنی صفوت خانم نے ہندوستان کے متعلق بہت کچھ دریافت کیا - اور بہت اشتیاق ظاہر کیا - بہت تربیت یافتہ بیبیاں ہیں - لیکن دُنیا سے الگ رہنے کی وجہ سے ابتک حجاب اور شرم کس قدر باقی ہے - اور دل کتنے نرم ہیں - اس کا ثبوت اس روز کے کانسرٹ میں ملا - موثر مقامات پر زار و قطار روتی تھیں - اور عشق کا دکھاوا جب بھی آتا تھا - تو ہر ایک خانم مارے شرم کے لجا کر گردن جھکا

تھیں۔ جو جی چاہے دیں۔ ایک ایک خانم آفندی کے ساتھ ایک ایک خواجہ سرا اپنی خانم کے لئے جگہ کرتا ہوا بھیڑ کو ہٹاتا ہوا چلا آتا تھا۔ جو آتی تھیں وہ یہی چاہتی تھیں کہ پہلی صف میں جگہ لے لیں۔ ان لوگوں کو سمجھاتے سمجھاتے اور جگہ بتاتے بتاتے کار پرداز بیبیوں کا دم نکلا جاتا تھا۔ بعض بوڑھی بیبیوں نے تو یہاں تک کیا کہ کوئی اچھی جگہ لینے کے لئے ہاتھوں میں چوکی اٹھا اٹھا کے اپنے حسب دلخواہ جگہ تجویز کر لی۔ پھر انہیں اٹھانا اور سمجھا کر ان کی جگہ لے جانا کار عظیم تھا۔ بات اصل یہ ہے کہ یہاں اس قسم کے مجمعوں کا رواج نہیں۔ اس واسطے ایسے موقعوں پر جو ادب قاعدہ برتا جاتا ہے۔ اس کے عادی نہیں۔ جس کے جی میں جو آیا سو کر لیا۔ عرض یہ کہ ناتجربہ کاری کا پورا نقشہ دیکھ لیا۔ پانچ دس سال کے بعد اس واقعہ کو یہ لوگ بھی ہنسی کے ساتھ یاد کرینگے۔ کیونکہ اس وقت تک زمین آسمان کا فرق ہو جائیگا۔ ہنوز ہم بمشکل بیٹھے ہونگے۔ کہ اغذیہ لطیفہ تقسیم ہونے لگیں۔ کیکس۔ برف کی مٹھائیاں۔ اقسام کے شربت۔ سانڈوچ وغیرہ بیسیوں چیزیں موجود ہو گئیں۔ ارمنی اور یونانی عورتیں تقسیم کر رہی تھیں۔ تمام وقت یہ لوگ کچھ نہ کچھ کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لئے فربہ ہوتے ہیں۔ الگ الگ آبشاروں کے پانی بھی پلائے جا رہے تھے۔ پورا پورا مشرقی ٹھاٹھ کا نمونہ۔ ہمارے کوچ پر فرید پاشا سابق وزیر اعظم کی لڑکی بیٹھی تھیں۔ واقعی چارشف کو کس قدر خوبصورت لباس بنا دیا ہے۔ بالکل وضعدار عورتیں معلوم ہوتی تھیں۔ سر پر طرۂ پُرپیچ کے پہاڑ بنائے ہوئے۔ عجیب کیفیت نظر آتی تھی۔ اکثر کے کان میں چوتی چوتی قد کے الماس کے بندے تھے۔ انگوٹھیاں بھی بیش بہا۔ ہاتھوں میں سوائے لچکدار انگریزی چوڑیوں کے اور کچھ نہیں۔ کسی کسی کے

کے لڑکوں نے کیا۔ اور جمع شدہ رقم مصیبت زدہ لوگوں کو دیجائیگی۔ جو دشمنوں کے جور سے بے سروسامان ہو گئے ہیں۔ ان کے مکانات مال و اسباب سب جل گیا ہے اور بالکل مفلسی ہیں الگ الگ مسجدوں میں پڑے ہیں۔ کھیل کے آخر میں۔ تمام فوجی جماعتوں کا نظارا دکھایا گیا۔ کُرد۔ البانی۔ عرب۔ تُرک ارناوٹ وغیرہ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ سلطنتِ عثمانیہ کے پاس یہ تمام لشکر ہے۔ جو وقت پر پورا کام آسکتا ہے۔ وُہ سلطانہ بہت دیر سے آئیں۔ اور ہجوم دیکھکر اتنی ڈر گئیں (کیونکہ باہر نکلنے کے عادی نہ تھیں) کہ بہت پیچھے بیٹھیں۔ اور بہت جلد چلی گئیں۔ ہم نہ دیکھ سکے اس کا افسوس ہو۔ سُنا ہے کہ بہت خوبصورت بی بی ہیں۔ اور تین چار زبانیں جانتی ہیں۔ یہ تو یہاں کی امیرزادیوں کے لئے معمولی بات ہے۔ مادام ادھم بیگ اور دُوسری کارپرداز بیبیاں جنہوں نے انتظام کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ بالکل چُور ہو گئی تھیں۔ کھڑے رہنے کی طاقت نہ تھی مشکل یہ کہ ہر ایک خانم آفندی اپنے غرور اور ناز میں سب دوسروں کو حقارت سے دیکھتی تھیں۔ ان سب کو ایسی جگہ دینا جو انکو بُری نہ معلوم ہو مشکل امر تھا۔ فرید پاشا کی بی بی میرے دائیں طرف بیٹھی تھیں۔ اور بہن بائیں طرف کھیل شروع ہونے کے بعد اپنی اماں اور پھوپھی سے چھوٹے مُبارک بیگ نے کچھ کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے ان بیبیوں کو پیرس میں دیکھا ہے۔ پھر آکے ہم سے ملا۔ اور باتیں کرنے لگا۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی ذکاوت ہوشیاری اور تیزی کسی بچے میں نہیں دیکھی۔ خدا اُسے عمر دے۔ کسی وقت میں بہت ہی نامی آدمی ہوگا۔ فی الحال تو بارہ تیرہ برس کی عمر ہے۔ اس کی ہر بات کو سمجھ کر سوال کرنے اور آج کل کی سیاسی حالت سے واقفیت وطن اور ہم وطنوں کی محبت

ایک لڑکی ہے۔ بڑے پیارے پیارے بچے ہیں۔ ان کے کمرے میں رفائیل کی ایک تصویر کی نقل یعنی حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تصویریں جو کمروں میں لٹکی ہوئی تھیں۔ دیکھ کر ذرا تعجب ہوا۔ کہ انکا کیا موقع ہے۔ لیکن شاید صرف سجاوٹ کے خیال سے رکھ لی ہونگی۔ ان لوگوں کو اس بات پر بہت تعجب ہوا کہ ہم لوگ پیرس میں زیادہ مہینے ہیں۔ ہنسی خوشی وقت گزار کر واپس آئے۔

مسٹر فنتزمارس جو کبھی کبھی یہاں کھانے کو آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضور نواب صاحب کو سلطان المعظم کی طرف سے کوئی امتیازی ملے تو عجب نہیں کیونکہ حضور کی ملاقات سے خود بدولت بہت خوش ہوئے ہیں۔ اس نوید مُبارک سے ہم سب بہت خوش ہوئے۔ اب دیکھیں کیا ظہور میں آتا ہے۔

۸۔ ستمبر ۱۹۱۱ء | آج کا دن زندگی بھر یاد رہ جائیگا۔ میں تو شکر کرتی ہوں کہ ایسے موقع پر ہم یہاں ہیں۔ کہ یہ سب چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ خزانہ ہمایوں دیکھنے کا بندوبست ہوا اور حضور تشریف لے گئے۔ ان سے معلوم ہوا کہ جواہرات میں کوئی ایسے بے نظیر نمونے نہیں دیکھے۔ ہاں ایک خنجر کا دستہ جو زمرد کا تھا اور ایک بے حد بڑا بغیر تراشا ہوا زمرد اور ایک تخت جواہرات سے جڑا ہوا تھا۔ اس کا بیان شیخ عبدالعادر نے اپنی کتاب مقام خلافت میں بشرح و بسط کے ساتھ کیا ہے۔ سُلطان کی طرف سے ایک اہلکار موجود تھا۔ جس نے سب کچھ دکھایا۔ یہ سب دیکھنے کے بعد ایک کمرے میں حضور کو لے گئے۔ جہاں سے عُمدہ منظر دکھائی دیتا تھا اور نہایت عُمدہ سجا ہوا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے کا فریا شروع ہونے والا تھا۔ وقت کے مطابق ہم ہوٹل سے چلے۔ اور خیال یہ تھا کہ سب کام بروقت ہوگا۔ سب سے پہلے آنکھیں تب کھلیں جب ہم

گلے میں گلوبند بھی تھے۔ آفتابیوں کے دستے جواہرات کے اور بیگ پر جڑاؤ کام کیا ہوا۔ چہرہ خوب مزین۔ آنکھوں میں سرمہ پڑا ہوا۔ فی الجملہ کم و بیش سب بنی ٹھنی خوبصورت معلوم ہوتی تھیں۔ اطوار بھی نہایت شستہ تھے۔ پوری مشرقی تواضع کے ساتھ کامل مغربی تربیت کا اثر نمایاں تھا۔ کسی خاندان کی کوئی بزرگ بی بی آئیں۔ سب انکو سلام کرتے تھے۔ لیکن اس میں ایک بات تعجب خیز تھی کہ جس ہاتھ سے جی چاہا سلام کر لیا چپ و راست کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ اگر داہنا ہاتھ کسی کام میں رکا ہوا ہے تو بائیں سے ہی کر لیتی تھیں اور ایک بات جو قابلِ تحسین و آفرین ہے وہ ان لوگوں کے ناخنوں کی صفائی ہے۔ جس طرح ان کو جسمانی صفائی کا حد درجہ خیال ہے۔ اسی طرح ناخنوں کی صفائی کا بھی بیحد خیال ہے۔ اور اس چیز کو لازمی اور فرض سمجھتی ہیں۔ اچھے تراشے ہوئے صاف صاف ناخن اور ہاتھوں کو دیکھ کر خود بی بی کے سگھڑاپے کا خیال ضرور آتا ہے۔ اور اچھا بھی بہت معلوم ہوتا ہے۔ اس کے خلاف ہندوستان میں اس بات کا بہت شاذ و نادر کسی ایک آدھ بی بی کو خیال ہو تو ہو۔ ورنہ عام طور سے بالکل میلے ناخن رکھتے ہیں اور اس کو صاف کرنے کی چیز سمجھتے ہی نہیں۔ کوئی اچھی سے اچھی صورت ہو۔ اور اس کے ناخنوں کی حالت میلی دکھائی دے تو کس قدر بدنما اور پھوہڑپن معلوم ہوتا ہے۔ اور طبیعت بہت مکدر ہوتی ہے۔ کاش اس بات کا ہندوستان میں زیادہ خیال پیدا ہو کیونکہ یہ امر بے انتہا ضروری ہے۔

ایک بی بی سے میں ملی۔ جن کا نام "نگار خانم" ہے۔ اور یہ ترکستان کی بڑی نامی شاعرہ ہیں۔ اس وقت مجھے بہت افسوس ہوا کہ ترکی زبان پر حسب دلخواہ قدرت حاصل نہیں۔ جو دل کھول کر باتیں کرسکوں۔ یوں تو کچھ ٹوٹی پھوٹی بول لیتی ہوں مگر

خطوں میں لکھ رہی ہُوں۔ جنہیں ہمشیرہ زنانہ رسالوں میں چھپوا رہی ہیں۔ اور آیندہ سفر
کے کل حالات کتاب کی صُورت میں شائع ہونگے۔ بس یہ سُنکر تو وُہ پھڑک گئیں
اور کہنے لگیں۔ کہ اس کا ترجمہ آپ انگریزی میں کیجئے اور بعد ازاں مَیں تُرکی زبان
میں کرونگی۔ تقریبًا مجھ سے وعدہ لے لیا ہے۔ اتنا جوش انہیں پیدا ہُوا۔ یہ خانم
آفندی عمدہ انگریزی بولتی ہیں۔ یہ لوگ آنا دہیں بھی اور نہیں بھی ہیں۔ انکی زندگی
عجیب دورنگی میں گزرتی ہے۔ آدمی چھ مہینے یا برس دن رہے تو ان کے
طریقوں سے کما حقہ واقفیت ہو۔ رمضان شریف تک رہنے کے لئے بے حد
اصرار کیا۔ لیکن مَیں نے سمجھایا۔ کہ یہ ہو نہیں سکتا۔ ورنہ ایسے مُبارک دنوں میں
یہاں ہوتا عین عنایت ایزدی سمجھتی ہُوں اور شوق بھی بے انتہا ہے۔ انہوں نے
افسوس ظاہر کیا۔ کہ ہوٹل میں آنے سے وُہ مجبُور ہیں۔ شام کے لئے دعوت دی
اور یہ کہا کہ مَیں اپنے شوہر کو حضور کی ملاقات کے لئے بھیجونگی۔ اِس میں شک
نہیں ہے کہ والا تبار بی بی ہیں۔ مادام ترکان پاشا کہ جن کا ذکر پیشتر مَیں اپنے
سفرنامے میں کرچکی ہُوں۔ وُہ بھی اُنکے اعزا میں سے ہیں۔ کوئی پَونے دو
گھنٹے تک ایسا خوش وقت گزرا کہ سب رنج تقریبًا بھُول گئے۔ مادام ادہم بیگ
ہی کوئی پر اُتر گئیں۔ ہمیں اُنہوں نے اپنی کوٹھی دکھا دی۔ موقع دیکھ لینے سے
شام کو جانے میں سہولیت ہوگی۔ ان کے جانے کے بعد ایک ضعیفہ آئیں۔ جنہوں
نے ہم کو ہندی دیکھکر باتیں شروع کیں۔ سلسلۂ گفتگو میں یہ معلوم ہُوا کہ وُہ حسین آفندی
سفیرِ تُرک کے ہاں جو بہت عرصہ گزرا بمبئی میں تھے۔ مہمان گئی تھیں۔ اور اُنکے
بیان سے ایسا معلوم ہُوا۔ کہ اماں جان انکی مُلاقات کو گئی ہونگی۔ اِس لئے بہت

دروازے پر پہنچے۔ کیونکہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ کہاں جائیں۔ ہم نے آپس میں مشورہ کر کے یہ قرار دیا کہ جس طرف اور بیبیاں جارہی ہیں۔ اُن ہی کے زمرے میں شریک ہو کر چلیں۔ شاید مقصود بر آئے۔ اور کوئی جان پہچان والی خانم مل جائے۔ جیسے ہی ہم اس طرف چلے۔ دونوں طرف سے "آئیے صاحب آیئے" کی صدائیں بلند ہوئیں خانمیں جوق جوق چلی جاتی ہیں۔ ذرا آگے بڑھے تو سلامی کے لئے پچاس سپاہی افسروں کے ساتھ موجود تھے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ شہزادی فہیمہ سلطان عبدالعزیز مرحوم کی صاحبزادی نے ان بیبیوں کے اصرار سے آنا قبول کیا ہے۔ دستوری حکومت کے پیشتر یہ بات غیر ممکن تھی۔ بلکہ ان کارپرداز بیبیوں کی رسائی ہی حرم سلطانی میں ناممکن تھی۔ خیر ان مردانہ صفوں سے گزر کر ایک میدان کی طرف گئے۔ جہاں خاص دھوپ میں چوکیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کسی قسم کا سایہ نہ تھا۔ یہاں مادام اوغم بیگ مصری خانم۔ مادام اسپیان وغیرہ ملیں۔ جنہوں نے جلد آکر ہمیں اپنی جگہیں دکھائیں ہنوز وہ شاہزادی تشریف نہ لائی تھیں۔ تو یہ لوگ سوچ میں پڑ گئے کہ ہم کو کہاں بٹھائیں چوکیوں کی قطار کے درمیان گزرگاہ تھی۔ جہاں سے لیجا کر پہلی صف میں دائیں طرف کی کرسیاں شہزادی کے لئے چھوڑ کر بائیں طرف ہم کو بٹھایا۔ بیٹھ کے ہم تو تماشا دیکھنے لگے۔ ایک بی بی کس قدر خوبصورت اور عالی وقار دکھائی دیں۔ اد کس شان سے آئی تھیں۔ بڑا مصیبت کا سامنا دھوپ کی وجہ سے تھا۔ ہمارے ساتھ آفتابیاں تھیں نہیں۔ مارے گرمی کے سر پھرنے لگا۔ بڑی مشکل سے ملازم کے پاس سے آفتابیاں منگوائیں۔ تب کہیں ذرا سکون حاصل ہوا۔ تین چار صفیں امیرزادیوں سے بھر گئیں۔ ٹکٹ ایک ایک پاؤنڈ کا تھا۔ لیکن مقتدر لوگوں سے کیسے تھے بے اندازہ قیمتیں

بھی اچھی ہے۔ آنکھوں میں سُرمہ پڑا ہوا۔ طرۂ پُرپیچ آگے پیشانی پر اُبھرا ہوا لباس پُورا پُورا یورپین زیب تن تھا۔ چار شعف اِس قسم کا کہ گویا جُزوِ لباس بن گیا ہے اور جو حصّہ سر پر ڈھانکنے کی کوشش میں ناکامیاب ہو رہا تھا۔ وُہ نہایت خوبی سے خوبصورت پنوں سے طرۂ پرشکن کو علیحدہ رکھکر موتی نقاب سے رُکا ہوا تھا۔ کان میں چھوٹے چھوٹے بُندے۔ جیبی گھڑی۔ زنجیر۔ انگوٹھی بس یہی زیور تھا۔ اِس میں تو شک نہیں کہ بہت ہی پھڑکتا ہوا لباس بنا دیا۔ مگر بالکل یورپین۔ صرف یہی بات ناپسند آتی ہے۔ خُوب گفت گو کا سلسلہ جاری رہا۔ تعلیم و تربیت رسم و رواج۔ لباس وغیرہ پر خوب بحث ہوتی رہی۔ علیگڈھ اور کراچی کی نمائشوں کا احوال کہا اور بہن جان آپ کا بھی بہت ذکر رہا۔ نمائش کا خیال انکو بہت پسند آیا۔ اس لئے ہم نے کہا کہ ایسا کرنے سے ملکی ہنر اور صنعت کو بہت ہی مدد ملیگی۔ اب چونکہ آزادی مل گئی ہے اِس لئے کوشش ضرور کرینگے۔ لباس پر بھی بہت کچھ باتیں ہوتی رہیں اور یہ دیکھکر وُہ بہت خوش ہوئیں کہ ہم نے اپنے لباس کو موجودہ زمانے کی ضروریات کے ساتھ ترمیم کر کے قائم رکھا ہے۔ اگر انکا بس چلے تو آج اپنا پُرانا لباس ترمیم کر کے پھر اختیار کر لیں۔ لیکن یہاں یہ بات ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ اصل ترکی لباس بڑی بوڑھیوں کو بھی بمشکل یاد ہوگا اِس درجہ اور اِس قدر عرصے سے چھُوٹ گیا ہے۔ کہ نمونہ بھی ملنا کارے وارد۔ یہاں زنانہ پارٹیاں وغیرہ کچھ نہیں ہوتیں۔ ممکن ہے کہ اب ان چیزوں کی اجازت ہو۔ لیکن یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نئے سے نئے خیالات سے معمور حضرات کبھی یہ بات پسند نہیں کرینگے۔ کہ بیبیاں بالکل بے پردہ مردانہ مجلسوں میں شریک ہوں۔ یہ بات تو بہن مجھے بھی ناپسند ہے۔ کہ مردانہ مجلسوں میں شرکت ہو۔ بلکہ یہ ہونا چاہئے۔ کہ علیحدہ

کچھ ذکر ہوتا رہا۔ اور اُنہوں نے ہم لوگوں میں اُنکی شباہت دیکھی۔ اسواسطے دریافت کیا۔ ایک اَور بی بی بھی مخاطب ہوئیں۔ دونوں نے دعوت دی اور پوچھا کہ قسطنطنیہ کیسا پسند آیا؟ مَیں نے کہا بہت پسند آیا۔ لیکن شہر کی حالت تاسف خیز ہے۔ واقعی مَیں مایوس ہوئی۔ یہ بھی کوئی معزز بیبیاں تھیں۔ شام کو مادام ادھم بیگ کے گھر گئے۔ بالکل یوروپین وضع سے سجا ہوا تھا۔ مگر اتنا پُر سلیقہ نہیں۔ اگر ہم اُن کی قومیّت نہ جانتے ہوتے تو ضرور دھوکا کھا جاتے۔ کھلا سر۔ کٹے ہوئے بال۔ بالکل مطابق فیشن لباس۔ طرز گفتگو وغیرہ سب فرنگیوں کا سا۔ مشرقی بو بھی باقی نہیں۔ آنکھ میں البتہ سُرمہ تھا۔ اور بال مہندی سے سُرخ رنگے ہوئے تھے۔ وہاں دو یونانی بیبیاں مِلتی تھیں۔ ان سے ملایا۔ ان میں سے ایک اس کیسٹی کی صدر ہیں۔ جو کانسرٹ کے روپیہ جمع کر رہی ہیں۔ مادام ادھم بیگ وائس پریسیڈنٹ ہیں۔ ہمارے لباس بہت پسند آئے۔ اور خاص اس بات کی تعریف کی کہ ہم نے اپنا رکھ کر ترمیم کی ہے۔ یہ یونانی بی بی ہندوستان کے حالات خوب جانتی تھیں۔ کیونکہ اس مُلک کے متعلق بہت کچھ پڑھا ہوا تھا۔ اور فقیروں کے احوال سے انکو بہت دلچسپی تھی۔ اور یہ پُوچھتی تھیں کہ کیا اب بھی ایسے باکرامت فقرا موجود ہیں۔ فرینچ وضع سے ہمیں چاء پلائی گئی۔ اور اپنے ہاتھوں کا بنایا ہوا کیک کھلایا تھوڑی دیر میں انکی مصری بہن آئیں۔ ان کی بھی وُہی فرینچ وضع تھی۔ مادام ادھم بیگ کے لیئے مَیں تھوڑا سا عود لے گئی تھی۔ اب تو یہ لوگ ان چیزوں کو جانتے بھی نہیں۔ کہ کوئی ایسی چیز بھی مشرق میں ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہندوستان میں آنے کے بڑے خواہشمند ہیں۔ مَیں نے اپنا پتہ دیا ہے۔ نہ معلوم اتنی آزادی ملیگی یا نہیں کاش ترک بیبیاں ہندوستان بطور سیر آئیں جائیں تو کتنا اچھا ہو۔ مادام کا ایک لڑکا اور

تو اس وقت میں اپنی کھڑکی میں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ آگبوٹ ہوٹل کے سامنے ٹھہرتا ہے۔ اِتنے میں آگبوٹ میں سے کسی خانم نے مجھے دیکھا۔ اور کچھ گلابی کاغذ ہلایا۔ اور للکار کر کچھ کہا۔ مگر ہوا کا زور اس قدر تھا کہ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بھائی بھی میرے پاس کھڑے ہنستے تھے لیکن اس بی بی نے کچھ پروا نہ کی اور خوب اشارے کئے۔ اس کے جواب میں مَیں نے بھی ذرا سا اشارہ کیا۔ کہ علیہ آگبوٹ میں ہے۔ ان سے کہنا۔ اِتنے میں آگبوٹ چلا۔ خیر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگبوٹ میں یہ بی بی علیہ کو ملیں۔ ان کا نام مادام ادھم بیگ ہے اور ان کا مطلب یہ تھا کہ ایک کانسرٹ ہو رہا ہے۔ اِس کی ٹکٹیں ہم بھی خریدیں۔ قیمت ایک پاونڈ فی ٹکٹ مگر متمول لوگوں کے لئے قیمت کی قید نہیں تھی۔ جو بھی چاہے وُہ دے سکتے ہیں۔ منشا یہ ہو کہ روپیہ جمع کر کے ایک جگہ آگ لگی تھی۔ وہاں کے مصیبت زدہ لوگوں کی معاونت کی جائے۔ سُنا ہے کہ آگ لگتے ہی فرانس نے ہزار پاونڈ اور انگلینڈ سے خاص بادشاہ نے پانسو پاونڈ بھیج دیئے اور یہاں بھی سفیروں نے چندہ جمع کرنے کی تجویز کی۔ اب ترکوں کو بھی شوق ہوا کہ ہم بھی کچھ کریں۔ کئی سال ہوئے۔ ایک کھیل کامل بیگ نامی کسی صاحب نے لکھا تھا۔ جس کا نام "وطن" ہے مگر کبھی کسی ناٹک گھر میں اس کا تماشا نہیں ہوا۔ کیونکہ ممانعت تھی۔ اب دستور کے بعد موقع ملا تو ہر جگہ ہوتا ہے۔ ہم بھی انشاء اللہ جائینگے۔ افسوس ہے کہ وُہ خود آکر ہم سے مل نہیں سکتیں۔ کیونکہ اجازت نہیں کہ کوئی مسلم بی بی ہوٹل میں آئے۔ یہاں عجیب مجموعہ پُرانے اور نئے خیال کا ہے۔ جو ہماری ناقص عقلوں میں سماتا نہیں۔ علیہ کے واپس آنے کے بعد ہم لوگ بیوک دَرا کی سیر گاڑی میں کر کے آئے۔ یہاں سے کوئی

اپنے زنانہ جلسے ترتیب دیکر آپس میں ربط و محبت بڑھائیں۔ اور ان میں ایسی باتیں پیدا کریں جن سے پورا پورا حظ حاصل ہو۔ اور مردانہ مجلسوں کی شرکت کی ضرورت نہ معلوم ہو۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں سے ہم اچھے اچھے اسلامی رواج اور طریقے اخذ کرنا چاہتے تھے۔ مگر یہاں تو ایسی سختی اور قید دیکھی کہ حیران رہ گئے۔ پھر چارشف کے متعلق بھی میں نے کہا کہ میری بڑی ہمشیرہ زہرا بیگم فیضی پندرہ سترہ سال ہوئے یہاں تشریف لائی تھیں۔ اُنھوں نے اسے پسند کرکے اختیار کیا۔ اور ان ہی نے ہندوستان میں اسکو رواج دیا۔ اگرچہ اس سے پیشتر بھی شاید کئی حضرات چارشف کو پسند کرکے ہندوستان لے گئے۔ لیکن اُنہوں نے بیکار ذخیرہ کرکے رکھدیا۔ رواج کبھی نہ دیا۔ صرف نمائشوں میں گڑیوں کو چارشف پہنا پہنا کے بطور نمونہ روانہ کر دیا اور اِدھر اُدھر بھی بھیجدیں۔ لیکن اب سینکڑوں بیبیاں پہن رہی ہیں۔ مگر آپ لوگوں میں اور ہم میں اتنا فرق ہے کہ ہم اسے لباس کی حفاظت اور پردہ پوشی کی غرض سے پہنتے ہیں۔ اور آپ لوگوں نے اسے لباس کا جزو بنالیا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ بڑی ہمشیرہ ترکی رواجوں کو پسند کرتی ہیں۔ اسیطرح میری والدہ ماجدہ جو قسطنطنیہ میں بود و باش کر چکی ہیں۔ وہاں کی چھوٹی بڑی چیزیں اختیار کرکے استعمال کرتی ہیں۔ اور بعض رواج اور طریقے ہم لوگوں میں ایسے سرایت کر گئے ہیں۔ کہ گویا یہ تمیز نہیں ہو سکتی ہے کہ اصلی ہیں یا نقلی۔ ہم لوگ اس رسم و رواج کے اتنے عادی ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس زمانے کی بعض چیزیں اب آپ لوگوں میں سے بھی بہ سبب فرانسیسی اثر کے جاتی رہی ہونگی۔ جو ہم میں باقی ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ میں اپنے عزیزوں کو سفر کے مفصل حالات

آدھ پون گھنٹے کی راہ ہے۔ آدمی پسند آئے۔ مگر شہر تو ویسا ہی عجیب اور بے رونق معلوم ہوا۔ کسی جگہ دعوت تھی۔ اس واسطے ہم لوگ آگبوٹ میں سوار ہوئے۔ کیونکہ اس کنارے تک جانے کے لئے اکثر کشتیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سمندر تہ و بالا ہو رہا تھا۔ اس لئے میری طبیعت بگڑ گئی۔ کشتی اسقدر بھری ہوئی تھی کہ بیٹھنے کی جگہ تک نہیں تھی۔ ایک ستون کے سہارے میں کھڑی رہی۔ کسی ظالم کو ترس تو نہ آیا کہ ایسی بدحواسی میں ذرا کھسک کے جگہ دے۔ لیکن جتنی خانمیں تھیں سب نے اچھی طرح گھور گھور کے تماشا دیکھا۔ اور بعض خوش کلام خانموں نے اپنے بچوں کو کہا۔ کہ جانی تم اس طرف مت دیکھو۔ آؤ میرے قریب آجاؤ۔ گویا مجھے دیکھنے سے بھی اُن کے بچوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ معمولی تواضع سے بھی یہ اسلامی خواتین بے بہرہ ہوگئیں۔ اور خلاف ازیں اگر کسی کو رحم آیا تو ایک خدا ترس نیکدل یونانی خاتون کو۔ کہ جس نے اپنے بچے کو ہٹا کر مجھے جگہ دی۔ میری اس وقت یہی دعا تھی کہ متلی تک نوبت نہ آئے۔ جوان تماشائی بیبیوں کے لئے پورا تماشا بن جاؤں۔ جاتے وقت یہ واقعہ پیش آیا۔ لیکن آتے وقت خدا نے اس کا عوض ضرور دیا۔ بعد الطرح فرح۔ آتے وقت جہاز میں مادام ادھم بیگ کو دیکھا۔ یہ وُہ بی بی نہیں تھیں جنہوں نے سُرخ کاغذ ہلا کر ہوٹل کی کھڑکی سے اپنی طرف مجھے مخاطب کیا تھا۔ بلکہ یہ اُنکی رشتے کی بہن تھیں۔ اور چونکہ وُہ خاتون مصر میں رہ چکی ہیں۔ جہاں کی بیبیاں بہت ہی آزاد طبع ہوتی ہیں۔ اس لئے ان میں جُرأت زیادہ ہے۔ لیکن وُہی کام کرنے کو یہ مادام ادھم بیگ راضی نہ ہوئیں۔ کیونکہ ٹرکی میں آزادی نہیں۔ یہ بی بی بڑی سلیقہ شعار تعلیم یافتہ دلکش اور شستہ حرکات سے معمور ہیں۔ صورت

بہت سی خانمیں سیر کر رہی تھیں۔ لیکن اپنی گاڑی سے اُتری نہیں۔ کہتے ہیں کہ دستوری حکومت کے پہلے اس طرح پھرنے کی اجازت ہی موقوف ہو گئی تھی۔ دُور سے یلدیز محل نظر آتا ہے۔ خوبصورت جگہ ہے ایک گھنٹہ سیر کر کے چلی آئی۔

۵۔ ستمبر ۱۹۰۸ء | سر جیرارڈ لاؤتھر نے ہم سب کو چاء کی دعوت دی اور ازراہ مہربانی اپنی خاص کشتی ہماری سواری کے لئے بھیجی جس میں سوار ہو کر اس ہوٹل کو ۱۰ بجے خیرباد کہہ کر (کیونکہ یہاں کا میلا پن اور بے لذت کھانا بہت ہی نامرغوب تھا) مُہرا آپیا کے ہوٹل میں آ گئے۔ یہ ہوٹل لب بحر عمدہ موقع پر واقع ہے۔ آتے ہی کھانا کھایا۔ بہت ہی لذیذ اور ستھرا تھا۔ اس عمارت کی صفائی اور آرام قابل اطمینان ہے۔ کمرہ پیرا کے ہوٹل سے نرخ تقریباً نصف ہے۔ وقت مقررہ پر حضور کے ہمراہ بھائی میں اور عطیہ سر جیرارڈ کے یہاں گئے۔ یہاں سے کوئی دو منٹ کا راستہ ہے۔ ایک دربان بہت خوبصورت لباس میں بیٹھا تھا۔ پھاٹک پر گاڑی کھڑی ہوئی۔ سر جیرارڈ آپ استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ ان سے لندن میں ملاقات ہو چکی تھی۔ ان کے ہی بھائی نے لندن پارلیمنٹ کے چبوترے پر چائے پلائی تھی۔ خود اوپر اپنے ساتھ لے گئے جہاں اور چند مہمان تھے۔ مکان کو آراستہ کرنا ان ہی لوگوں کو آتا ہے۔ ایک خوبصورت سایہ دار روش سے گزر کر اس حصے میں پہنچے جہاں ٹینس کی زمین بنی ہوئی تھی۔ وہاں ایک چھوٹا سا خیمہ نصب تھا۔ جس میں چائے نوشی کا اسباب موجود تھا۔ چوکیوں پر ہم کو بٹھایا۔ اور پھر خوب مختلف مضامین پر گفتگو ہوئی۔ نہایت دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔ لذیذ خوشبودار چاء پلائی اور میوہ کیک وغیرہ بھی تھے۔ مسس سورٹس اور مس سورٹس خوش صورت ہیں۔ میجر سورٹس بھی

اچھے شخص ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ استنبول کیسا پسند آیا۔ میں نے کہا کہ ذرا زیادہ صاف ہوتا۔ تو بہت پسند آتا۔ اس بات کو سُنکر اُن کو تعجب ہوا کہ موجودہ حالت میں ہم کو دلکش کیوں نہیں معلوم ہوتا۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اسکے میلے پن میں بھی ایک خاص مشرقی آن ہے۔ جو صفائی سے مٹ جائیگی۔ شاید ہو۔ لیکن مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں۔ مسس سورٹس نے بھی دعوت دی ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ بھی کسی ترک خانم سے ملانے کا وعدہ نہ کرسکیں۔ کیونکہ ان کے رواج بہت زیادہ سخت ہیں۔ اور ان سے آزاد ہونا بہت مشکل امر ہے۔ مادام ترکان پاشا کا ذکر کیا کہ بہت ہی پڑھی لکھی تعلیم و تربیت یافتہ ہیں اور آجکل رشیا میں اپنے شوہر کے پاس گئی ہوئی ہیں۔ انہوں نے بالکل یورپین طرز اختیار کرلیا ہے۔ اس لئے وہ اس سختی اور پابندی سے بہت ہی بیزار ہوتی ہیں۔ پیئر لوتی کی تصنیف کردہ کتاب ڈس انچانٹیڈ کی ہیروان شاید یہی خانم خیال کیجاتی ہیں۔ مسس سورٹس کا خیال ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ترکی کی موجودہ حالت میں ہونا بالکل غیر ممکن ہے۔ یہ کتاب چونکہ میری نظر سے گزر چکی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق یہ باتیں سُننا بہت دلچسپ تھا۔ سوا گھنٹے خوش گپیاں اُڑا کر حضور اور میں گاڑی میں واپس آئے۔ اور بھائی اور عطیہ مسس اور مس سورٹس کے ساتھ پیدل چل کر آئے۔

۷ ستمبر ۱۹۰۸ء | یہاں یہ قانون بہت ہی شدید ہے کہ اپنے رشتہ دار مردوں کے ساتھ بھی کہیں سڑک پر جا نہیں سکتے۔ دوسرے یہ کہ ترامو ے اور اگبوٹ میں بس مردانہ اور زنانہ علاقہ ہوتا ہے۔ اس میں درجے کی پابندی نہیں۔ اس واسطے عجیب عجیب عورتوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ عطیہ کل توفیق بیگ کے یہاں گئی تھی۔

سواری نہایت پُر تکلف تھی۔ ساز وسامان و وردیاں سوار نہایت عمدہ تھے۔ حضور گھوڑوں کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ بالکل تصویر ہیں۔ اور باڈی گارڈ میں ایسے خوبصورت جوان تھے کہ آدمی دیکھا کرے۔ نماز کے بعد حضور عالی سفارت کے علاقے میں تشریف لے آئے۔ یہ حصہ محل کے ساتھ ساتھ ایک گزرگاہ سے لگا ہوا ہے۔ اور سفیروں کے لئے ازراہ عنایت دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ آپ اور اُنکے معزز مہمان جاتے ہیں۔ اثنائے گفتگو میں مسٹر فتز ماریس نے کہا کہ کبھو کبھی بعض خاص لوگوں کو سلطان ملاقات کے لئے یاد فرماتے ہیں بشرطیکہ خود بدولت تھکے ہوئے نہوں۔ ورنہ پھر کسی اور وقت پر ملاقات منحصر رہتی ہے۔ ہنوز یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ سلطان کی طرف سے ایک اہلکار آئے۔ اور کہا کہ خود بدولت نے یاد فرمایا ہے۔ یہ ارشاد سُنکر فتز ماریس حضور کو اپنے ہمراہ اس طرف لے چلے۔ جہاں سُلطان کے ساتھ ملاقات ٹھہری تھی۔ اس گزرگاہ کے آخر میں محل اور اس علاقے کو متصل کر دیا تھا۔ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ جہاں سے یہ دونوں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے۔ اور ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اس کمرے میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور بڑا کمرہ تھا۔ جو دروازے میں سے اچھا سجا ہوا نظر آتا تھا۔ تھوڑی دیر میں سُلطان تشریف لائے جنہیں دیکھکر فتز ماریس صاحب نے اشارہ کیا کہ سلام کرو۔ حضور نے جھککر سلام کیا۔ بہت ضعیف معلوم ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ قدم اُٹھا کر قریب آئے۔ کسی قسم کا یونیفارم زیب تن تھا۔ تلوار لگی ہوئی تھی۔ جب بالکل قریب آگئے۔ تو حضور کا تعارف ہوا۔ خود بدولت نے ہاتھ بڑھایا۔ حضور نے دونوں ہاتھوں میں آپ کا ہاتھ لیکر بوسہ دیا پھر آنکھوں کو لگایا۔ حضور کے مودبانہ سلام سے بظاہر بہت خوش ہوئے۔ پھر پوچھا

ٹرقوں اور شربتوں سے تواضع کی اندرونی صفائی کا ذکر بھی کرنا ممکن ہے۔ آئینہ جیسے
مکان اور جسم۔ یہاں سے کشتی میں سوار ہو کر مکانوں کے قریب قریب چلے۔ کوئی آدھ
گھنٹے بعد ایک عالیشان مکان پر عطیہ پہنچی۔ یہ محل مصطفےٰ پاشا کا سمندر کے کنارے
واقع ہے۔ یہاں یعنی قندلی میں توفیق بیگ کرزئی کا مکان ہے۔ بہت سلیقے کا
خوبصورت اور بڑا مکان ہے۔ خاتونیں اپنے بال فرنچ وضع سے بناتی ہیں۔ اور لباس
بھی علیٰ ہذا القیاس۔ زیور کا استعمال نام کو نہیں۔ تمام خانمیں فرنچ میں گفتگو کرتی تھیں
لیکن جب عطیہ نے گفتگو کا سلسلہ چھیڑا تو معلوم ہوا کہ دنیا کی معلومات بہت ہی محدود
ہے۔ تعلیم تو ہے۔ لیکن آپس میں میل جول بہت ہی محدود ہے۔ انکی زندگی کا طرز
ایسا ہے کہ زمانہ حال کی باتوں سے کم واقف ہیں۔ یہاں جو بات ہے۔ سو فیشن کی ہے۔
اور اس کی پابندی کا خیال بے انتہا ہے۔ اب ترک بیبیوں سے ملنے کا موقع ضرور ملیگا۔

یہاں کا بازار یعنی "چارشی" بھی تاریخی چیز ہے۔ پرانے زمانے سے اس قسم کے بازار
کا رواج ہے۔ کوئی سات ہزار دکانیں موجود ہیں۔ جن میں کل تاجروں کا بیش بہا مال محفوظ
ہے۔ یہاں رستوں پر سپاہیوں اور دربانوں کے کپڑوں پر زرین کام خوبصورت کیا ہوا
نظر آتا ہے۔ کیا عمدہ لباس دکھائی دیتے ہیں۔ اقسام کے لباس یہاں عام طور پر مروج
ہیں۔ مجھے یہاں کی بھیڑ دیکھنے میں بہت مزا آتا ہے۔ شاید اب یہاں کی بدبو کی ناک
کو عادت ہو گئی ہے۔

۴۔ ستمبر ۱۹۰۸ء | آج نہایت مصروفیت کا دن گزرا اور بہت سی باتیں کہنے کی ہیں۔ وقت
معینہ پر حضور تیار ہو گئے۔ اتنے میں مسٹر فتزمارس آئے اور حضور کو اپنے ہمراہ لے گئے
واپسی پر حضور نے یہ کیفیت بیان کی کہ پہلے صدر اعظم سے ملاقات ہوئی۔ وہاں پہنچے

کہ کہاں سے آئے۔ جواب یورپ سے۔ کتنے روز یہاں ٹھہرو گے؟ جواب کوئی دو تین ہفتے! حضور نے کہا کہ مَیں خود کو بہت خوش نصیب سمجھتا ہُوں کہ آپ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے کا شرف خدا تعالیٰ نے دیا۔ اور آپ سے شرف نیاز بھی حاصل ہُوا۔ یہ کم خوشی کی بات نہیں ہے۔ جس وقت میری رعایا یہ بات سنے گی۔ یقین ہے کہ نہایت خوش ہو گی۔ کہ امیر المومنین کا دیدار نصیب ہُوا۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں بھی تم سے ملکر بہت ممنون اور خوش ہُوا۔ پھر امیر المومنین نے ایک چمبرلین کی طرف اشارہ کرکے حضور سے فرمایا۔ آپ کو کچھ کام ہو۔ کچھ دیکھنا ہو تو ان سے کہنا۔ یہ سب انتظام کر دینگے۔ اس کے بعد ملاقات ختم ہو گئی۔ اُسی طرح پھر حضور نے سلام کیا۔ اور بغیر پیٹھ دکھائے آپکی حضوری میں سے دروازے کی طرف چلے۔ آپ بھی مشایعت کے لئے تقریباً دروازے تک تشریف لائے اور مُسکراتے ہُوئے وداع کیا۔ جس وقت باہر آئے تو فتنز مارس نے کہا کہ آپ سے سُلطان بہت خوش ہُوئے ہیں۔ کیونکہ ان کا دستور ہے کہ جب حقیقت میں خوش ہوتے ہیں۔ تب ممنونیت کا لفظ برتتے ہیں۔ ممنون کا لفظ تو حضور نے بھی سُنا اور سمجھے۔ فتنز مارس ہیں سال ہُوئے ٹرکی میں ہیں۔ اور غضب کے ہوشیار ہیں۔ بلکہ سفارت برطانیہ میں ان ہی کی ذات سے سب کام چلتا ہے۔ نہایت محظوظ ہو کر حضور دو بجے واپس آئے۔ یہ بھی ایک شوق خدا تعالےٰ نے ان کا پُورا کیا۔

شام کو نشان تاش گئے۔ یہ دولما باغچہ (سلطان عبد العزیز کے تعمیر کردہ محل) کے پیچھے ایک ذرا سا ٹیلا ہے۔ جہاں ایک مختصر سا کھلا میدان بھی ہے۔ وہاں اکثر خانمیں سیر کے لئے آتی ہیں۔ شہر کا یہ حصّہ امیروں کا مسکن ہے۔ بڑی بڑی حویلیاں بنی ہوئی ہیں

دیئے تھے۔ ان میں سے توفیق بیگ کا جواب آیا۔ بعد ازاں وُہ آپ بھی آئے۔ بڑے
لائق شخص ہیں۔ اور اُنکی رفتار و گفتار پسندیدہ ہو۔ اُن کی بہن سے عطیہ کسی وقت
جا کر ملیگی۔ ہم کو خیال بھی نہیں تھا جس وقت مادموزل نے رقعے دیئے کہ ہم کو ان کا
کام پڑیگا۔ ہم تو سمجھے ہوئے تھے کہ مسٹر جیرآرڈ کے ذریعے سب ملاقاتیں ہو جائینگی لیکن
واقعی وُہ رُقعے کام آئے۔ کیونکہ یہاں یہ لوگ بھی مُسلمانوں کو زیادہ ناخوش کرتے ہوئے
ہچکچاتے ہیں۔ بیبیوں کے پردے کا بہت لحاظ رکھنا پڑتا ہو۔ اس واسطے یہ خطوط
خاتونوں سے ملاقات کرنے میں واقعی کام آرہے ہیں۔

۳ ستمبر ۱۹۰۸ء | بھائی نے دُوسرے ہوٹل کا انتظام کیا۔ کیونکہ یہاں کے کھانے
سے ہم بالکل بیزار ہو گئے تھے اور آرام بھی کسی قسم کا نہیں تھا۔ شکر ہے کہ رخصت
ہو رہے ہیں۔ وُہ ہوٹل یہاں سے سوا گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ یہ ہوٹل نیا بنا ہو۔
اور اس کا مالک ارمنی ہے۔ سُنتے ہیں کہ ٹرکی اور مصر کے شہزادے اس میں فروکش
ہوتے ہیں۔ خدا کرے اچھا ہو۔

دس بجے ایک رہنما کے ہمراہ یہاں کا عجائب خانہ دیکھنے گئے۔ وہاں کوئی
چیز خاص طور پر قابل ذکر نہیں ہو۔ ہاں صرف ایک چیز دلچسپ ہو یعنی سکندر کی قبر۔
گو وُہ بھی یقینی نہیں۔ تعمیر نہایت عمدہ ہو۔ سنگ مرمر کا تابوت ہے جس پر نقش و نگار
کیا ہُوا ہے۔ اسکندر اعظم گھوڑے پر سوار ایرانیوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ یہ عمدہ
تصویر اُبھری ہوئی ہے۔ تمام جنگ کے قصّے کو نقش کر دیا ہے۔ اِن مورتوں کے
ہاتھوں میں شاید بھالے اور تیر کمان ہونگے۔ جواب گم ہو گئے ہیں۔ ان قبروں کے
ملنے کا قصّہ یہ ہو کہ ایشیائے کوچک میں کسی جگہ پر ایک شخص کنواں کھود رہا تھا۔ دفعۃً اندر

توکسی حبشی ملازم نے بہ ادب لیجا کر ایک کمرے میں ٹھہرایا۔ سیگار پیش کیا۔ بعد میں قہوہ دیا گیا۔ اس خور و نوش کے اثنا میں وزیر اعظم تشریف فرما ہوئے۔ خاصے سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ سلام علیک اور مزاج پرسی کے بعد بہت سی اُدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں حضور نے موقع پاکر انکی بیبیوں سے ہماری ملاقات کا ذکر چھیڑا۔ اُنہوں نے بخوشی اس بات کو مان لیا۔ دیکھیں اب خانموں سے ملنے کا کب موقع ہوتا ہے۔ گفتگو کا سلسلہ چلا تھا کہ سُلطان کی طرف سے حکم آیا۔ کہ خود بدولت نے یاد فرمایا ہے۔ بس فوراً ملاقات کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ صدر اعظم آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ دستوری حکومت کی وجہ سے وزیر اعظم بنائے گئے۔ ورنہ اوروں کیطرح یہ بھی شہر بدر تھے۔ بعد ازاں وہاں سے مسٹر فنز نارس سلاملک کا کر و فر دکھانے لے گئے۔ یلدز سرائے کی طرف چلے۔ حضور نے نماز کے لئے خاص جوتے خرید رکھے تھے۔ اور ساتھ رکھ لئے تھے۔ سفارت برطانیہ کے بڑے دالان میں یہ لوگ گئے۔ یہاں بہت سے امیرانِ دولت جمع تھے اور محل سُلطانی کے بھی بہت سے افسر موجود تھے۔ حضور ان لوگوں کی شان اور ہیبت کی نہایت تعریف فرماتے ہیں۔ گرمیوں کی وجہ سے لباس سادے "ڈرل" (ڈبل زین) کے تھے۔ جاکر تھوڑی ہی دیر بیٹھے ہونگے کہ مسجد میں لے جانے کے لئے ایک ایڈیکانگ آئے۔ انکے اشارہ پر یہ چاروں بعجلت گئے۔ ایک خاص جگہ ہے۔ جو غیر ملکوں کے معزز مسلمانوں کے لئے معین ہے۔ وہاں لے جا حضور کو آگے بڑھا دیا۔ اور ہمراہیان پیچھے رہے۔ خود بدولت اپنے علاقے میں رونق افروز تھے بہت جلد نماز ختم ہوگئی۔ ذرا سا خطبہ پڑھا گیا۔ بعد ازاں سُلطان المعظم تشریف لائے۔ اس وقت ایک شاہزادے ساتھ تھے۔ اور جب گئے تو وزیر اعظم بھی ہمراہ رکاب تھے۔

گر گیا اس وقت یہ تمام قبریں اس کو نظر آئیں۔ اُس نے فوراً خبر دی اور حمید بیگ جوان اشیاء کے ماہر ہیں۔ فوراً خاص آگبوٹ کر کے بر موقع پہنچے اور تمام خزانہ اُٹھا لائے یہ بہت ٹھیک کیا۔ ورنہ یہ چیزیں بھی اسی طرح ناپید ہو جاتیں۔ جس طرح اور دوسری عمدہ عمدہ پرانی یادگاریں غیروں کے ہاتھوں میں چلی گئیں۔ یہ نایاب خزانے حاصل کرنے کے لیئے چار ملین تک دینے کو بعض سلطنتیں تیار ہیں۔ لیکن اب ترکوں کو خود شوق ہوا ہے۔ تو دوسروں کے ہاتھ کیوں فروخت کرتے۔ کاش یہ جوش کچھ پہلے اُبھرا ہوتا۔ تو سینکڑوں نادر چیزیں اوروں کے قبضے سے بچ رہتیں۔ خیر پھر بھی غنیمت ہی۔ اس بڑی عمارت کے پڑوس میں سلطان عزیز کی بنائی ہوئی بارہ دری ہے۔ جس میں ترکی صنعت و ہنرمندی کے چند پرانے نمونے رکھے ہوئے ہیں۔ اس سب مجموعے میں ایک محراب نہایت عمدہ ایرانی اینٹوں کا بنا ہوا ہے جو بے نظیر چیز ہے۔ یقین ہی کہ اب اس عجائب خانے کو نئی روشنی والے ترک خوب ترقی دینگے۔ سیر کرنے کے بعد آ کر خوب کھانا کھایا۔ پھل تو اس قدر اعلیٰ اور اتنے کم داموں میں ملتے ہیں کہ فقیر بھی شکم سیر کھا سکتے ہیں۔

عطیہ توفیق بیگ کے یہاں انکی والدہ اور بہنوں سے ملنے گئی تھی۔ بڑی اُلفت سے یہ لوگ پیش آئے۔ مگر توفیق بیگ کے ہاں جانے سے پہلے وہ فخریہ خانم آفندی یعنی مرحوم حسیب پاشا کی لڑکی کے یہاں گئی (یہ وُہ خاندان ہی جس سے والدین کو نہایت درجہ خصوصیت اور محبت تھی اور ان ہی کے بڑے محل میں میں پیدا ہوئی تھی) بڑی ہی اُلفت سے عطیہ کے ساتھ فخریہ خانم آفندی پیش آئیں۔ مگر کل مکان کی آرائش اسباب اور لباس میں مشرقی ٹھاٹھ رہا ہی نہیں۔ سب فرنگیوں کی وضع اختیار کرلی ہی۔ ہاں محبت کا کیا پوچھنا ہے۔ تواضع ان پر ختم ہے۔ یہ مشرقیت بھلا کہاں جا سکتی ہی۔ عمدہ

تمام شہر میں چراغاں کا انتظام ہو رہا ہے۔ وہ تو ہم نے دیکھا اب اسٹیم لانچ کا بندوبست کیا ہے۔ تاکہ اس میں بیٹھ کے باسفورس میں سیر کرتے ہوئے دو رویہ دیکھ سکیں اور اپنا لانچ ہو کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔ یہ روشنی جو ہونے والی ہے سو ہر سال ہوتی ہے جلوس ہمایوں کی خوشی کے موقعہ پر شہر روشن ہوتا ہے۔ اس سال بڑی اُمید اور یقین تھا کہ نہایت عمدہ ہوگی۔ کیونکہ سلطان کے لئے لوگوں کے دلوں میں جوش بھرا ہوا ہے۔

۱۰ ستمبر ۱۹۰۸ء جلسات کا کھانا کھایا۔ اور گاڑیوں میں شہر کی سیر کرتے ہوئے اس بندرگاہ پر پہنچے۔ جہاں سے لانچ میں سوار ہونا تھا۔ تمام شہر میں کم و بیش چراغان کی دھوم تھی آتشبازی اُڑ رہی تھی۔ لوگ خوشی کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ ہر ٹوٹے پھوٹے قطعے پر "پادشاہم چوق یشا" طرح طرح سے لکھا ہوا تھا۔ مرحوم سلطان عبدالعزیز کا محل۔ دولما باغچہ کے باہر سے گزرے۔ لب سمندر ہے۔ حرم محل کی دیوار پاؤ میل تک پچاس فیٹ کی بنی ہوئی ہے۔ پورا قید خانہ ہے۔ اب ان محلاتِ شاہی میں شہزادگان قیام پذیر ہیں اور آزادی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ورنہ پہلے تو نظر بند یا دوسرے لفظوں میں مقید تھے۔ افسوس کہ کوئی محل ہم نہ دیکھ سکیں گے۔ کیونکہ اب مشغول ہیں۔ اس لئے کوئی جا نہیں سکتا۔ نہیں معلوم ٹوٹے پھوٹے تختوں پر سے گزر کر کیونکر صحیح و سلامت کشتی میں پہنچے۔ حضور کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اندھیر گھپ کہیں کچھ سوجھتا بھی مشکل سے تھا۔ کوئی دو ڈھائی گھنٹے تمام باسفورس کی سیر کی۔ ایسا پُرلطف نظارا دیکھا کہ مشکل بھول سکیں گے۔ خدا تعالیٰ نے اس ملک کو خوب مالا مال کیا ہے۔ شب کو عجیب اثر ہوا۔ کیونکہ رات کی تاریکی میں چراغان کی روشنی سے میلا پن تو مفقود ہو گیا۔ صرف ایک نظر فریب منظر نمایاں تھا۔ چاند اور تارے کس کس وضع سے جھاڑوں کے درمیان منور ہو رہے تھے۔ سلطان کی دو صاحبزادیوں کے

محلوں پر نہایت پُرسلیقہ روشنی تھی۔ اور خدیو مصر کے محل پر بھی "بادشاہم چوق لیشا" اس قدر خوشخط لکھا ہوا تھا کہ واہ واہ۔ ایسی خوبی سے یہ تیار کیا تھا کہ اردگرد کے اندھیرے میں معلق الفاظ دکھائی دیتے تھے۔ گویا ہوا میں ہوں۔ پیاری بہن جان۔ آپ سے سُنا تھا کہ مسجدوں پر شہر رمضان میں اسی وضع سے روشنی کرتے ہیں۔ کچھ کچھ وقفہ کے بعد ان تحریروں کی روشنی کے رنگ بدلتے تھے۔ کبھی سُرخ۔ کبھی سبز۔ کبھی سُنہری۔ یہ چیز سب سے بڑھ کے مجھے پسند آئی۔ مگر لوگوں کی زبانی سُنا کہ اس سال معمول سے بہت کم چراغان ہوا۔ دونوں کناروں پر روشنی تھی مگر پہاڑ کے اوپر تک نہ تھی۔ ہم نے اگلے سالوں کی کیفیت دیکھی نہ تھی جو موازنہ کر سکتے۔ اس لئے جو کچھ دیکھا ہم کو تو بہت پسند آیا۔ اس سے بہتر موقع باسفورس سے استنبول دیکھنے کا کبھی نہ ملتا۔ میوہ خوری کرتے رہے۔ اور چراغان کا حظ لوٹا۔ ہوا کے لطیف ہونے کی وجہ سے اور بھی کیفیت رہی۔ ہزارہا لوگ آگبوٹوں اور کشتیوں میں سیر کر رہے تھے۔ بعض لوگ تھے۔ جن کو بہاؤ کے خلاف جانا کار عظیم تھا۔ اُنہوں نے ہم سے امداد طلب کی تو ہمارے لانچ کے پیچھے انکو باندھ لیا۔ بیچارے بہت خوش ہوئے۔

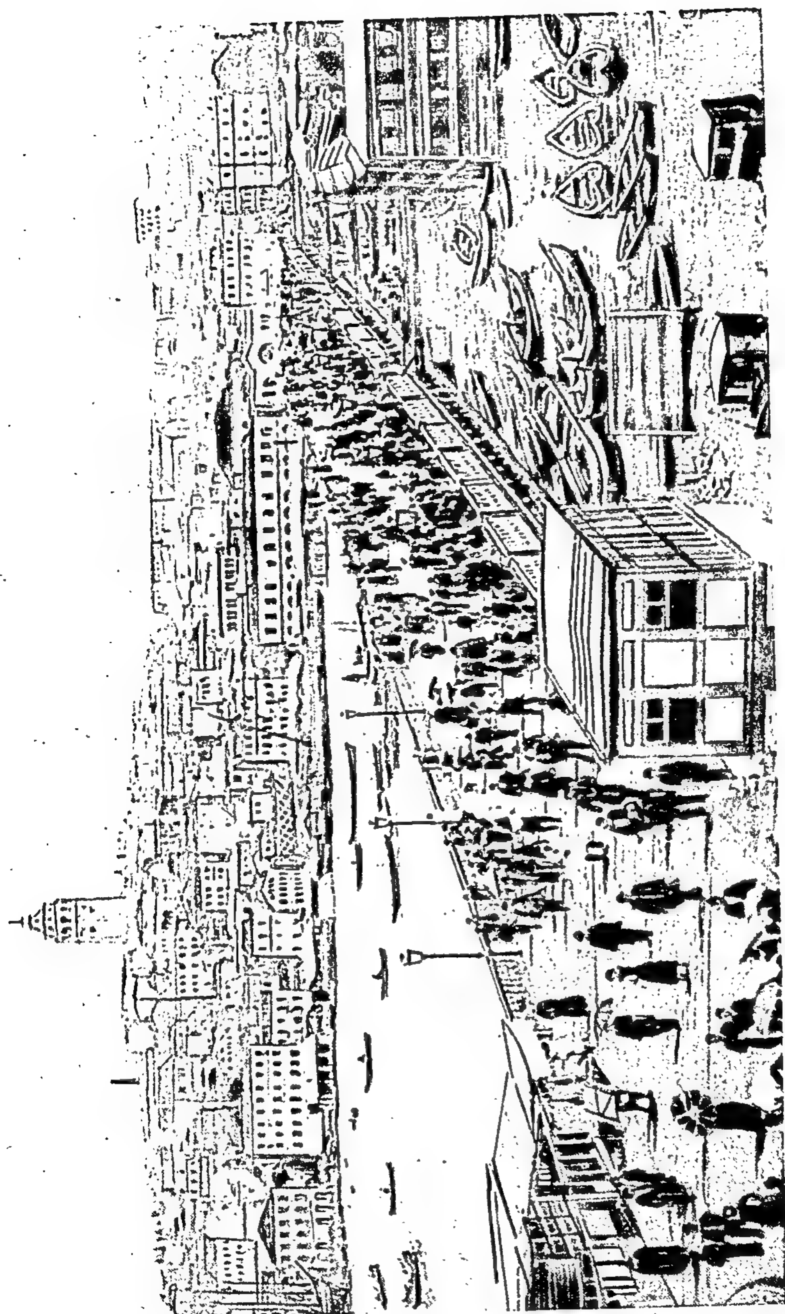
آج صبح ایک درزن آئی تھی۔ جس سے نئی طرز کا چارشف مَیں نے بنوایا۔ آجکل واقعی بڑی خوبصورتی سے چارشف تیار کرتے ہیں۔ نقاب اکثر سیاہ دبیز کپڑے کی ہوتی ہے۔ سیاہ چارشف پہننا بہت ہی وضعداری سمجھی جاتی ہے۔

سر جیرارڈ لاوتھر نے حضور کو سوا چار بجے بلایا تھا۔ سلا ملک کے متعلق سب طے ہوا۔ انکے سیکرٹری مسٹر فرنمارس جُمعے کو سوا گیارہ بجے آکر اپنی ہمراہ لیجا ئینگے۔

شب کو حضور نے قہوہ خانے میں لذیذ کھانا کھایا۔ خاصتاً انگور کا پلاؤ جو ولا نہایت پسند آیا۔ انشاء اللہ کل ہمارے لئے بھی آئیگا۔ مادموزل ہیرل نے چند معرفتی رُقعے

چھوٹی کوئی بڑی کوئی کم صاف کوئی ایسی ویسی موجود ہیں۔ یہ چارشی چھت دار ہے اور روشنی روشن دانوں سے اندر آتی ہے۔ اس میں سینکڑوں بانکی ترچھی گلیاں ہیں جہاں بھول بھلیاں کی طرح پھرنا ہوتا ہے۔ یہاں بھی صفائی کا خدا حافظ ہے نفیس اور اعلیٰ چیزیں بھی فروخت ہوتی ہیں۔ اگرچہ دوکانوں کی حیثیت ہرگز بھی نہیں۔ ہم تو آدھے خواب میں چل رہے تھے۔ کہیں حسینائیں تول تول کر پھونک پھونک کر قدم دھرتی تھیں۔ کوئی سودا کوئی دکاندار کو آڑے ہاتھوں لے رہی تھی۔ کسی کے ساتھ اپنا کل خاندان تھا۔ کوئی تنہا راج کر رہی تھی۔ ہمارے جسم پر جو چار شف تھے اُن کا اب تقریباً رواج نہیں ہے۔ مگر اتنا تو دیکھا کہ عذر نقاب اب بھی قدرے باقی ہے۔ یہ سب سماں دیکھ کے الف لیلیٰ کے قصوں کا خیال آگیا۔ کتنا دلچسپ اور دلکش ملک اور وضع ہے۔ اگر ذرا صاف شہر ہوتا۔ تو بس عجب پسندیدہ ملک ہوتا۔ ہاں یہ بات ہے کہ مکانوں کی اندرونی حالتوں کی بیحد ثناخوانی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اِس کا بھی تجربہ ہو جائیگا۔ پیاری بہن جان آپ نے یہاں کی غلاظت کا جو ذکر کیا تھا اسی کے مطابق پایا کچھ شاید زیادہ ہی ہو مگر کم تو نہیں۔

ہم کو کچھ جواہرات دیکھنے کا شوق تھا۔ سو ایک پُرانے وانہ کے جان پہچان جوہری کارابیٹ نامی کو ڈھونڈھ نکالا اور وہ اپنے چچازاد بھائی کی دُکان میں لیگیا۔ استنبولی تراش کی الماس کی بالیاں دیکھیں نہایت خوبصورت اور بناوٹ بھی بہت ہی مرغوب۔ یہاں یہ رواج ہے کہ کسی ایک دُکان میں بیٹھو۔ اور جو کچھ دیکھنا منظور ہو۔ تو دلال لے آتے ہیں اور اس طرح خریداری ہوتی ہے۔ سُنتی ہوں کہ دوپہر کے کھانے کے بعد سلطان المعظم کی حرم سرا سے بھی حسینائیں آتی ہیں اور سودا لیتی ہیں۔ البتہ اُن کے



اب ترکی کو دیکھو۔ حریت کا تمغہ لگائے اترا رہا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہنوز صرف بینتیس دن کا نونہال ہے۔ آئندہ بہت سی امیدیں دستوری حکومت سے وابستہ ہیں مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کے ارمان نکل رہے ہیں۔ اس سے خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے دو مہینے بعد پہلی پارلیمنٹ بیٹھے گی۔ اس وقت یہ لوگ گریک ارمنی وغیرہ اقوام کو بھی امور سلطنت میں دخل دینے دینگے۔ قانون کی بھی بڑی بڑی مجالس ہر طرف بیٹھ رہی ہیں۔ اصلاح اصلاح کا شور ہے۔ پردہ چادر شف نقاب چند روز بعد صرف قصّوں میں رہ جائیگا۔ سلطان کے بھانجے پرنس شہاب الدین جو کئی سال سے خفا ہو کر پیرس میں بیٹھے تھے۔ وہ کل اپنے والد کی لاش کو لے کر آ رہے ہیں۔ ان کے والد نے خیال کے تھے۔ اور وہ جلا وطنی میں انتقال پا گئے۔ تو لڑکے نے قسم کھائی تھی کہ لاش کو ہرگز استنبول نہ لے جاؤنگا جب تک کہ وہاں اصلاحات وغیرہ نہ ہونگے۔ اب اتنے سال کے بعد یہ بات ہوئی تو کل لاش کو لا رہے ہیں۔

پیلیس ہوٹل پیرا میں کل سے مقیم ہیں۔ سنتی ہوں کہ یہاں کا بہترین ہوٹل یہ ہے۔ اس قدر میلا کچیلا پرانا ہے کہ الٰہی توبہ! کھانا بھی بس خدا حافظ۔ اور دام بڑھے ہوئے اتنے کہ نہ پیرس میں نہ لندن میں۔ ضرور تبدیل کر ڈالینگے۔ کاظم بیگ نے کہا تھا۔ کہ ایک شخص نے شہر آپیا میں نیا ہوٹل بنایا ہے اور عمدہ موقع پر قائم ہے۔ اس لئے اگر پسند آیا تو وہیں چل کر ٹھہریں گے۔ ہوٹل کے پڑوس میں عام باغ ہے وہاں شام کو خوب باجے بج رہے تھے۔ لوگوں کی جمگھٹ بھی خوب ہوئی۔ سنتی ہوں کہ رات کو تقریریں ہوئی تھیں۔ رات کو آسائش تمام سو رہے۔ اور صبح کو شہر گردی کے لئے نکلے۔ رستوں کی غلاظت اور ناہمواری انتہا درجہ کی۔ واقعی شہر کی حالت دیکھ کس قدر صدمہ مجھے ہوا

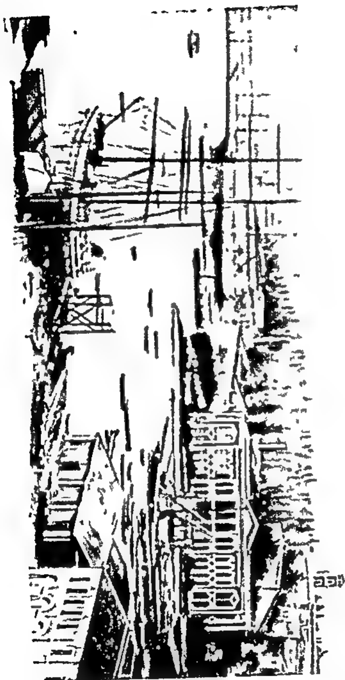
ہمراہ غلام اور کنیزیں ہوتی ہیں۔ خدا کرے کسی روز ہم بھی دیکھ سکیں۔ یہاں خوب دیر تک بیٹھے۔ اچھی اچھی چیزیں دیکھیں۔ پھر قہوے سے تواضع کی۔ قہوے کا شرف استنبول کو فی الواقع ہے۔ یہاں جیسا کہیں نہیں بنتا۔ عجیب لذت خوشبو اور لطافت ہوتی ہے۔

پھل کے متعلق کیا لکھوں۔ شاید دنیا کے کسی حصہ میں اتنا عمدہ اور سستا پھل نہیں ہوتا ہوگا۔ تمام مصنوعی کاشت کے پھل اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ انگور کس قدر عمدہ ہوتے ہیں۔ اور انجیر پر ایک قسم کا ابر چھایا ہوا اور شیرہ سے پُر۔ میری تو یہ حالت ہو کہ دن بھر پھل کھایا کرتی ہوں۔ ان پھلوں کو دیکھ کر دوگنا چوگنا شوق تازہ ہوتا ہے۔ خربوزہ کی لذت کیا کہوں۔ سبحان اللہ جل شانہٗ۔ ترکاری بھی بس عجیب۔ پُر ذائقہ ہوتی ہو۔ تمام یورپ کے سفر میں ایسے پھل اور ترکاری دیکھی ہی نہیں۔ یہ ممکن ہو کہ اب ان چیزوں کا موسم ہو۔ اس وقت شاید نہ ہوگا۔ پا جا بڑی لذیذ چیز ہے۔ نشاستے کے درمیان پنیر یا قیمہ بھرا ہوا اور چلغوزے بھی ہوتے ہیں۔ یہ روٹی تنور میں تیار ہوتی ہے۔ کھانے پر ہم نے بڑے شوق سے کھائی۔ بس کمی ہے تو گھی کی۔ یہاں مینڈھے کی چربی کا گھی اکثر استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے ایک قسم کی ناپسند بو آتی ہو۔ سفارت برطانیہ سے سکرٹری حضور کے پاس آیا تھا۔ یہ قرار پایا ہو کہ جمعہ کو حضور سلاملک دیکھنے کے لئے تشریف لے جائینگے۔ ہمارے لئے ناممکن ہو۔ کیونکہ مسلمان بیبیاں کبھی بھی سفیر کے باکس میں یا یوں بھی کہیں بیٹھ کے تماشا ہی نہیں کرسکتیں سوائے اپنی اپنی گاڑیوں کے۔ سر جیرارڈ لوتھر سے بھی ملنے کا عنقریب انتظام ہوگا جواہرات وغیرہ بھی باسانی دیکھ سکیں گے۔

دل جوش سے اُبھر رہا تھا۔ لیکن یہ خیال عجیب رنج پیدا کرنے والا تھا۔ کہ والد مرحوم کے زمانہ قیام میں ہم اس سرزمین میں آ نہ سکے اور وہ اپنی حسرت اپنے دل میں لئے ہوئے دنیا سے وداع ہو گئے۔ افسوس!

کنارے پر سر بفلک گنبد و عمارات دکھائی دیئے۔ تھیراپیا میں سب سے بڑی عمارت برطانیہ کا سفارت خانہ ہے۔ سفید ہونے کی وجہ سے سب سے اوّل وہی دکھائی دیتی ہے۔ جس وقت ہمارا اگبوٹ داخل ہوا۔ ناخدا نے حضور سے دریافت کیا کہ کون پھریرا اُڑاوں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ کوئی خاص پھریرا اُڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تب اُس نے ترکی نشان چڑھایا۔ پہاڑوں کے دونوں طرف قلعہ بندی ہے۔ وہاں سے فوج کس طرح خوشیوں کے نعرے مار رہی تھی اور ہمارے جہاز سے جواب مل رہا تھا جب تک جہاز رُکا نیوں ہی شور کرتے رہے۔ دستوری حکومت کی خوشی میں تمام قوم آپے سے باہر ہو رہی ہے۔ یہ جہاز جس پر ہم سوار تھے۔ رومانیا کا ریاستی سٹیمر تھا اور جس کمرے میں ہم تھے اس میں وہاں کے ولیعہد اور ولیعہد بیگم نے سفر کیا ہے۔ مجاریہ کے شہزادے وغیرہ بادشاہوں نے بھی اس میں سفر کیا ہے۔ ناخدا نے ہماری بہت خاطر کی اور خلق سے پیش آیا۔ چونگی وغیرہ کے جھگڑے کی وجہ سے فوراً جہاز سے اُتر نہ سکے۔ اس لئے کھانا وہیں کھا لیا۔ لذیذ تھا اور ترکی انگور اور شفتالو کھا کے دل خوش ہو گیا۔ اور قہوہ پی کر تو پورا لُطف پیدا ہوا۔ کاظم بیگ کے متعلقین ان کے استقبال کے لئے آئے تھے۔ اس جوان لڑکی سعوت خانم کی مسرت اور جوش قابلِ دید تھا۔ ان کے دو جوان لڑکے بھی آئے اور کس ادب اور شائستگی سے اپنے والد سے ملے ہیں۔ قرائن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ عالی تبار لوگ ہیں۔ گاڑی میں جو بیبیاں آئی تھیں وہ بُرقعہ پوشاکیں پہنے

ہی۔ تعجب ہوتا ہی کہ ہم یورپ میں ہیں۔ یا کسی پانسو برس کے پرانے میلے کچیلے شہر میں آتے ہیں۔ افسوس! جس وقت سے ہم بندرگاہ پر اترے۔ ہر دم یہی اُمید رہی کہ آگے چل کر شاید بہتر سڑکیں اور راستے نمودار ہونگے مگر ہوٹل تک یہی کیفیت جاری رہی۔ اور آج بھی وُہی سماں نظر آیا۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ بڑے بڑے کتوں کا لڑنا بھڑنا بس آفت عظیم ہے۔ سب کوڑا کرکٹ جب سڑک پر پھینکا جائے تو تعفن اور غلاظت کا ہونا بدیہی بات ہے۔ اگر گاڑی میں بیٹھو تو اس قدر ہچکولے لگتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ ناہموار راستوں سے بھلا اور کیا اُمید ہوسکتی ہے۔ نئی پارٹی کا جی جلے اور دستوری حکومت طلب کریں تو کونسی عجیب بات ہی۔ نووارد کے لئے خاصی آزمائش گاہ ہی۔ خصوصاً اُن لوگوں کے لئے جو بعض خاص مقامات یا یورپ سے آئے ہوں۔ یہ تجربہ ناگفتہ بہ ہے۔ ایک پل پر سے گزرے۔ جس کا ہر ایک تختہ ہلتا تھا۔ گویا کسی بوڑھے شخص کے دانت ہیں جو ابھی گر جائینگے۔ سنتی ہوں کہ اس پل کی دائمی مرمت ہوا کرتی ہے۔ ایک تختہ جب ہل ہل کے نکل جاتا ہے۔ تو دوسرا لگا دیتے ہیں۔ تاکہ لوگ پانی کی نذر نہ ہو جائیں۔ سچ کہتی ہوں رونا آتا ہے۔ خدا نے خوبصورتی ایسی بخشی ہی کہ کسی اور شہر کو نصیب نہیں۔ اور انسان کی جہالت قابل غور ہی کہ کس بے دریغی اور بے پرواہی سے پیش آئے ہیں۔ یہاں کے باشندے کس قدر تنومند۔ قوی ہیکل۔ تندرست۔ گٹھے ہوئے اور مضبوط معلوم ہوتے ہیں اور خوش شکل لوگ ہیں۔ شائستگی میں فرانس کا اثر نمایاں ہی۔ بعض بعض جگہ نان اور کباب کی اور دوسری بھی طرح طرح کی اغذیہ لطیف کی کیا عمدہ خوشبوئیں آتی ہیں۔ اچھی بُری سڑکوں گلیوں اور کوچوں سے گزر کر آخر بڑے بازار چارشی میں پہنچے۔ وہاں کوئی چار چھ ہزار دکانیں کوئی



ہوئے تھیں۔ اور ایک سات فیٹ اونچا دیوہیکل خواجہ سرا کئی ملازم وغیرہ ان کے ہمراہ تھے۔ امیرانہ ٹھاٹھ نظر آتا تھا۔ وہ لوگ جلد چلے گئے۔ اور ملنے کا وعدہ کیا ہے۔ الیوں سے ملنے کا اتفاق ہو تو یہاں کی خانگی زندگی سے کچھ واقفیت ہو سکتی ہے۔ ہمارے واسطے برطانیہ کے سفارت خانے سے ایک کواس آیا تھا۔ جس نے سب طرح کی امداد دی اور جلد ہی ہم بھی روانہ ہو گئے۔ باسفورس کے دونوں طرف چراغان کا انتظام ہوا ہے۔ کل شب کو تمام کنارے روشن ہونگے۔ چاند ستارے کس خوبصورتی سے بنائے ہیں اور "پادشاہم چوق یشا" کمان۔ گنبد وغیرہ پوری مشرقی وضع سے بنائے ہیں۔ حقیقت میں ایسے وقت پر ہمارا آنا ہوا ہے۔ جب کہ اسلامی سلطنت گویا کروٹ بدل رہی ہے۔ سلطان نے دستوری حکومت قائم کرکے اپنے آپ کو ہر دلعزیز بنا لیا ہے۔ ان کے طرز حکومت کے باعث لوگوں کو انکی صداقت پر بالکل بھروسہ نہیں رہا ہے۔ کیونکہ پہلے بھی ایک دفعہ پارلیمنٹ قائم کرکے اپنے قول کو نہ نباہا۔ اس وقت سلطان نے سب باتوں کو قبول کر لیا ہے۔ اس واسطے ینگ پارٹی بہت خوش ہے اور ہر سمت اصلاحات کو عمل میں لانے کے لئے جوانان سعادت مند مستعد ہیں۔ یہاں لوگوں کا غصہ اتنا سلطان پر نہیں ہے۔ جتنا کہ انکے مشیروں پر ہے۔ اس پینتیس سال کی حکومت میں کیا کچھ بدعنوانی نہیں ہوئی۔ اور ہزار ہا جانیں ناحق بھینٹ چڑھیں وہ الگ اس بات کو بھلا آسانی سے بھول سکتے ہیں؟ اور یہ آتش جو بھڑکی ہوئی ہے۔ کسی اور طرح سے بجھ نہیں سکتی۔ ان کے بھائی رشاد آفندی جو اتنے سال نظر بند تھے۔ ان کو ابھی آزادی ملی ہے۔ سلطان نے انکو کھانے کو بلایا تھا۔

رات کو کھانے کے کمرے میں یہ صاحب اور دو جوان بی بی موجود تھے۔ بی بی بالکل برہنہ دونوں نے الگ میز پر بیٹھ کے کھایا تو کیا شکل سر ہاتھ لگایا۔ اس بی بی نے بال بہت ہی سلیقے سے بنائے تھے۔ اور کھلے سر بیٹھی تھیں۔ جلد کھا کر چلے گئے۔ آخر دس بجے ہم کانسٹنزا کے سٹیشن پر اترے۔ یہاں سے اسٹیمر میں سوار ہونا تھا سب انتظام خاص طور پر بہت ہی عمدہ ہوا تھا۔ اگبوٹ کا کپتان خود لینے کے لئے آیا۔ اور اس کی رہنمائی میں ہم چلے۔ اگبوٹ کے نیچے کے سالون میں لیجا کر بٹھایا عمدہ چھوٹا سا بیٹھنے کا کمرہ اس کے ساتھ ایک طرف سونے کا کمرہ اور تمام لوازمات سب چیزیں۔ فرنیچر۔ پردے وغیرہ کس قدر اچھے! جہاز میں بھی اتنی راحت ہو سکتی ہے۔ ہمارے لئے یہ نیا تجربہ تھا۔ اس کے علاوہ تین کمرے اور تھے جنمیں سے ہر ایک میں دو دو پلنگ تھے۔ سب چیزوں پر بیشتر مخمل منڈھی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کی راز جوئی کبھی ملتی نہیں۔ جہاں یہ سنا کہ ہندی رئیس جا رہے ہیں۔ آدمیوں کے منھ بند ہو گئے۔ اس بات سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ خیر ہم تو کس قدر تکان سے چور تھے کہ بہت جلد سونے کی تیاری کر دی۔

۲۱۔ اگست ۱۹۰۸ء | رات بھر سمندر میں تلاطم موجود تھا۔ مگر اتنا نہیں جو ناگوار گزرے۔ صبح خوب دیر کر کے اٹھے۔ اور آرام سے تیار ہو گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ترکی صاحب جو ریل میں ہمسفر تھے ان کا نام کاظم بیگ ہے۔ انہوں نے اس سالون اور کیبن کا حق ہماری خاطر چھوڑ دیا تھا۔ ورنہ وہ پہلے سے انتظام کر چکے تھے۔ مگر ناخدا نے اُن سے کہا کہ ہندی رئیس جا رہے ہیں۔ اگر آپ معمولی کمرے میں تشریف لیجائیں۔ اور ان رئیس کو کیبن

حیرت معلوم ہوتی ہے کہ اس بادشاہ نے اتنے تھوڑے عرصے میں کس قدر تعمیر کروایا ہے۔ باغ عامہ میں فوارے چلتے ہیں اور رات کے وقت جب اس میں طرح طرح کی روشنی کیجاتی ہے تو نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اس شہر میں پانی اتنا ہے کہ سب طرح کا کھیل کر سکتے ہیں۔ افسوس کہ عطیہ دنیا میں کس قدر دیر سے آئی۔ کہ اس نے بہت ہی کم دیکھا۔ ایک لطیفہ سناتی ہوں دنیا کے لوگ بھی عجیب ہیں۔ چراغ ملازم سے معلوم ہوا کہ ایک عورت نے اس کے چہرے کو ہاتھ لگا کر دیکھا کہ اس کا سیاہ رنگ چھٹتا ہے یا نہیں۔ گویا یہ مطلب تھا کہ ہم نے ایسے سیاہ لوگ دیکھے ہی نہیں ہیں۔ کس قدر شرارت کی بات ہے۔ تب چراغ نے اور بھی چہرہ آگے کر دیا۔ تاکہ جی بھر کر اپنا اطمینان کرلے اور واقعی اس عورت نے کئی بار آزمایا۔ تو چراغ نے اس سے کہا کہ ابھی کیا دیکھتی ہو پکا رنگ ہے۔ کچا نہیں ہے جو اس طرح اُتر جائے۔ اس سرگزشت پر اور چراغ کے بیان کی وضع پر ہم اس قدر ہنسے کہ کیا بیان کروں۔

پیاری آپا جان! اس خط کے ساتھ تازہ لیونڈر آپ کے واسطے بھیجتی ہوں کیونکہ آپ کو یہ خوشبو پسند ہے۔

رات کو بروقت تمام اسباب گیا۔ اور ہم بھی اسٹیشن پر پہنچے۔ یہاں ملازموں کی مودبانہ وضع ہے۔ گویا فرشتے سلام کرتے ہیں۔ جہاں جاؤ وہاں اسی طرح مودب پولیس وغیرہ سب قرینے اور شائستگی سے کھڑی تھی اور اورینٹ ایکسپریس ٹرین میں سوار ہوئے۔ اس میں پہلے درجے کے سوا اور درجہ ہے ہی نہیں۔ ہمارے علاقہ میں چار کمرے ہیں۔ جن میں آٹھ بستر ے۔ اس میں سفر کرنا واقعی عیش ہے۔ دن کو

وہ شہزادیاں برائے نام عہدہ دار نہیں ہوتیں - بلکہ کسی موقع پر لشکر کے ساتھ ضرور جانا پڑتا ہے - قواعد اور اس قسم کے موقعوں کے لئے انکو ہر قسم کی سواری کی تعلیم دیجاتی ہے۔ اسی ہال کی زمین پر نرم بھوسہ تقریباً ایک فٹ بچھا ہوا تھا - تاکہ گھوڑوں کو ہر قسم کی آواز کی عادت ہوجاتے - بڑے بڑے نقارے - اور کلیں جن کی بہت بڑی آواز ہو موجود ہیں - غرض بڑی دلچسپ جگہ ہے - پھر ایک جگہ قہوہ پیا - سیر کو گئے - واپسی کے وقت ایک راستے سے آئے جو دنیا میں تقریباً سب سے خوبصورت راستہ گنا جاتا ہے۔

۲۶ - اگست ۱۹۰۸ء | عطیہ تندرست ہوکر آگئی - کچھ اس کا تھوڑا سا احوال لکھتی ہوں
یہاں میں کسانوں کی جھونپڑیاں صاف شفاف ہیں - اور انکی کھڑکیوں میں سفید لیس کے پردے اور پھول کے گملے لٹکے ہوئے ہیں - انگور کی بیلیں جھونپڑوں پر چڑھی ہوئیں - چھوٹا سا باغ - اس میں طرح طرح کے پھول لگے ہوئے - اور کچھ پھل کے درخت جو اس قدر لدے ہوئے کہ کشمیر کو یاد دلاتے ہیں - یہ بیچارے اپنے مختصر شوق کو کس طرح پورا کر کے کیسے خوشحال ہوتے ہیں - جس عورت کو دیکھو یا تو سفید کشیدے کاڑھتی ہوئی دکھائی دیگی یا لیس بناتی ہوئی نظر آئیگی - بے شغل یا بیکار ہرگز یہ لوگ نہ بیٹھینگے - عطیہ کہتی ہے - ان غریب عورتوں کا نظارہ بڑا موثر ہوتا ہے - واقعی عمدہ تربیت ہے - خصوصاً سن رسیدہ عورتیں عجیب چالاک ہوتی ہیں - ہر جھونپڑی کے باہر گویا دربان بنکر کرسی بچھا کر بیٹھتی ہیں - دانت ندارد - جلد زرد - چہرے پر جھریاں - بالکل کملائی ہوئی - پھر تنومند - کوئی پھل چن رہی ہے - کوئی کپڑے دھو رہی ہے - کوئی ڈبل روٹی پانی میں ڈبو کر نرم کر کے کھا رہی ہے - اور عمر بھی شو

ہوئے تھے۔ غاشیہ تھولیں وغیرہ وغیرہ سامان تھا۔ نم کے موتیوں کا سیاہ۔ امیر تمزا کے لئے کسی سلطان کی طرف سے نیچے موتیوں کی جھالر والا ساز ہدیہ آیا تھا یہی چیز سب سے اعلیٰ درجہ کی تھی۔ ترکوں نے ایک وقت میں وئینا کے اطراف میں محاصرہ کر لیا تھا۔ اور تقریباً قابض ہو گئے تھے۔ گر پھر بازی پلٹی۔ ان کے بڑے بڑے افسروں کے ریشمی خیمے یہاں موجود ہیں۔ کیا اچھی بناوٹ اور وضع ہے۔ مجھے پسند آئی۔ بعد اس کے بندوق خانے میں گئے۔ نہ معلوم کتنی ہزار بندوقیں وہاں رکھی ہوئی ہیں۔ لکڑ ہارا کی بھی کئی قسم کی بندوقیں وغیرہ تھیں۔ آسٹریا میں شکار بہت ہے۔ اور یہاں کے بادشاہ بڑے شوقین ہیں۔ سانبر کے بڑے سینگوں کو ملا کر چھوٹے چھوٹے سٹول بنائے ہیں۔ جنکے اوپر شکار کا چمڑا چڑھا ہوا تھا۔ اچھا خیال ہے۔ شکار کے سینگوں کو مختلف وضع سے کام میں لیا ہے۔ کسی شہزادے کا پھٹا ہوا لباس رکھا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ ایک بڑے سانبر نے سینگ گھسا دیئے تھے۔ اس کا سر بھی وہاں رکھا تھا۔ حقیقت میں یہ لوگ کس کس طرح سے یادگاریں محفوظ رکھتے ہیں۔ شائد ایسے بڑے بادشاہ پر اس قسم کا واقعہ گزرنا بھی قابل یادگار بات ہوگی۔ اور بڑے سانبر کے سینگ دیکھ کر تعجب معلوم ہوا۔ دریافت کرنے سے خبر ملی کہ ایک درخت کی موٹی کھال میں نیچے کی چھوٹی نوک سالم گھس گئی تھی۔ اور وہاں اٹک رہا تھا جبتک شکاریوں نے اُسے رہائی دی۔ ایک اور بھی زیادہ عجیب تھا۔ پتلے سے درخت کے تنے میں سانبر نے اپنے سینگ مارے غصے کے بھونک دیئے ہونگے۔ اس لکڑی کے ٹکڑے کے ساتھ سینگ کو رکھا تھا۔ کیا عجیب اس جانور کا غصہ ہوگا۔ فرانس اور یہاں میں بہت فرق ہے۔ وہاں جمہوریت کے باعث ہر شخص مساوات میں ڈوبا ہوا ہے

کی منقش الماریاں جن میں شیشے لگے ہوئے ان میں تمام سلطے سارے کے کام کے خاص خاص رسوم اور تاجپوشی کے وقت پہننے کے لباس رکھے ہوئے تھے۔ اور بیچ میں الماریاں تھیں جن میں اصلی صلیب کا ٹکڑا۔ ہنگری کا عجیب ہلکے کم دام نگوں اور خراب موتیوں سے جڑا ہوا تاج۔ ایک نہایت عمدہ جوہر دار تلوار جس پر خوشخط نصرٌ من اللہ وغیرہ لکھا ہوا ہے۔ قبضے پر الماس جڑے ہوئے ہیں۔ اور نیام بھی جواہرات سے مرصع ہے۔ دمشق کی ساخت معلوم ہوتی تھی۔ ہمیشہ تاجپوشی کے وقت یہی تلوار شاہ کے ہاتھ میں دی جاتی ہے۔ ہر بات میں یہاں ترکوں کا اثر صاف عیاں ہے۔ تمام زمرد اور الماس کا سٹ (طقم) اسی طرح یاقوت اور الماس کا طقم۔ موتی کی کنٹھیاں بھی تھیں اچھے جواہرات گرپے انتہا نہیں اور لاجواب بھی نہیں۔ ایک سونے کی طشتری ہے۔ اس کو بڑی حفاظت کے ساتھ ان جواہرات کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے۔ ہندوستان تو خالی ہو گیا ہے۔ لیکن پھر بھی ہمارے یہاں کے راجاؤں کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ دن رات سونے میں کھاتے ہیں اور سوتے ہیں اور حقیقت میں کچھ نسبت نہیں۔ ہاں ان لوگوں کی دولت اور چیزوں میں عیاں ہے۔ مثلاً فنونِ لطیفہ۔ عمارات۔ شہر وغیرہ وغیرہ۔ مگر جواہرات میں کوئی نسبت نہیں۔ ایک لمبے کمرے میں نپولین کے بیٹے شاہ روم کا گہوارہ رکھا ہوا ہے۔ جب وہ پیدا ہوا۔ اس وقت پیرس کی رعیت نے یہ ہدیہ دیا تھا۔ عمدہ چیز ہے۔ چاندی سے بنا ہوا ہے۔ اس پر سنہری ملمع کیا ہے۔ مگر بہت ہی ہنرمندی کا کام جیسے ذ سامان آرائش کا ہونا فرض ہے۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ آسٹریا کے خزانے میں کیوں داخل ہوا۔ یہاں سے فراغت پا کر اصطبل دیکھا۔ جو

برس سے اوپر ہی اوپر اور بال سیاہ۔ عطیہ کہتی ہے کہ ایسی ایسی بڑھیاں دیکھیں کہ حیران رہ گئی۔ گویا جوانی کو دوبارہ بلا رہی تھیں۔ اس شہر کا نام عمرستان رکھنا چاہیئے۔ مدت معینہ عطیہ نے پلانیئے میں ختم کی اور پیرس ہوتی ہوئی ہم سے آملی۔ شکر ہے۔

پیاری اماں جان۔ یہاں تو مبارک ایام کس طرح سے چلے جا رہے ہیں۔ اور ہم افسوس کہ فرائض ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ خدا معاف کرے۔ بہت ہی دشوار معلوم ہوتا ہے۔ آج سے پانچویں روز ہم استنبول پہنچیں گے۔ اور دیکھا چاہیئے کہ کب چلنا ہوتا ہے۔ میں تو اسی سے حیران ہوں۔ دل واقعی اچھلتا ہے۔

| ۲۹۔ اگست ۱۹۰۸ء |

عطیہ کی ہم سفر پرائما ڈانا[1] جس نے پیرس سے یہاں آنے تک بڑی خاطر کی تھی۔ اُسے چار نوشی کو بلایا تھا۔ ان کی وضع لباس آفتابی اور طرز میں بھی کوئی ہلکا پن نہیں ہے۔ دل پسند ادا تھی۔ افسوس کہ عطیہ ان کے سبب ہمارے ساتھ سیر کو نہ جا سکی۔ میں بھائی کے ہمراہ مختلف چیزیں دیکھنے گئی تھی۔ پرنس لفن شٹائن کا خانگی دستی تصویروں کا مجموعہ اور عجائبات دیکھنے گئے۔ کم چیزیں ہیں۔ مگر عمدہ استادوں کی بنائی ہوئی۔ رافائل ٹیشن وغیرہ کے اعلیٰ نمونے موجود تھے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ خوب دیکھا۔ مالک بڑے مالدار ہیں۔ لیکن صحت خراب ہونے کی وجہ سے کبھی شادی نہیں کی۔ نہ معلوم ان دونوں کے انتقال کے بعد یہ بے نظیر ذخیرہ کہاں جائیگا۔ فولاد پر میوزک کے نوٹس کندہ یہ عجیب چیز دیکھی۔ وہاں سے چلکر ایک راستہ سے آئے۔ کہ اکثر نامی عمارتیں دیکھ لیں۔ ان میں سے ایک گرجا بھی ہے۔ کسی وقت کسی بادشاہ پر ایک خونی نے حملہ کیا تھا۔ مگر بچ گئے۔ یہ چرچ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر بنایا گیا ہے۔ اکثر عمارتیں بیس پچیس سال کے اندر کی بنی ہوئی ہیں۔ ایک یونانی وضع کی بہت خوبصورت عمارت ہے۔

[1] کسی تھیٹر کی سب سے نامور قاصہ یا ایکٹرس کو پرائما ڈانا کہتے ہیں۔ لغوی معنی اول خاتون کے ہیں۔

دیتا تھا۔ اتنی شفاف تھیں۔ مصر کی مومیائی کے بھی نمونے تھے۔ مگر وہ تو خیر
رات کو رعد و برق اور تھوڑی تھوڑی بارش ہونے سے ہوا میں اچھی خنکی
پیدا ہو گئی۔ ابھی بھی ابر محیط آسمان ہے۔ بارش کے دنوں میں یہاں یعنی ان تمام شہروں
میں جہاں لکڑی کی سڑکیں ہیں۔ گھوڑوں کی خرابی ہوتی ہے۔ رات کو ظلم کا عجیب
وحشیانہ طور دیکھا جس سے میرا خون جوش میں آ گیا۔ آمنیبس کا غریب لاغر گھوڑا پھسل کر
گر گیا۔ اسکو اُٹھانے کے لئے بھوسہ اور کمبل ڈال دیا۔ مگر وہ بار بار گرتا تھا اور پھر اُٹھایا
جاتا تھا۔ آخر کار مظلوم گھوڑا اڑنے لگا۔ مگر بے درد کوچبان نے اُسے پھر جوتا اور
ہانکنے لگا۔ کس قدر ڈر ڈر کر وہ قدم ڈالتا تھا کہ دیکھ کر رحم آتا تھا۔ بھلا غریب
بے زبان اپنا دُکھ کیونکر بیان کر سکے۔ یہاں تو یہ ہوا۔ ذرا ہوٹل سے دُور
ایک اَور گھوڑے پر بھی بالکل یہی ظُلم اس کا مالک کر رہا تھا۔ ایسی ایسی بیدردی
کی داستانیں بیسیوں پیش نظر ہو گئیں۔ تہذیب کا دعوےٰ تو ان قوموں کا بہت
شدّ و مدّ کے ساتھ ہے۔ اور مشرقی قوموں کو دُنیا بھر کے جنگلی اور وحشی کہتے ہیں۔
لیکن میں جانتی ہوں کہ شایستگی کے پردے میں جتنے شدید اور مکروہ ظلم ان ممالک
میں ہوتے ہیں۔ اِتنے تو مشکل سے کسی اَور کو سوجھتے ہونگے۔ بات اصل میں یہ ہے
کہ تہذیب پردہ داری کے طریقے بھی سکھاتی ہے اور جہالت پردہ دری کو روک
نہیں سکتی۔ ورنہ انسان کی طینت سب جگہ وُہی ہے۔ ہاں جن پر خدا کی خاص عنایت ہے
اور جو اچھے لوگ ہیں انکی اَور بات ہے۔ باقی اللہ اللہ خیر صلّا۔

یہاں کا کھانا لذیذ ہے۔ چاول پکانا اچھا جانتے ہیں۔ زعفرانی چاول۔ مرغ
پلاؤ۔ ککڑی اور تیز مرچوں کا اچار بھی لذیذ ملتا ہے۔ اِس سے ایک گونہ تسکین ہے۔

اور یہاں شخصی حکومت کی وجہ سے ادب و قواعد کا بہت خیال ہے۔ وہاں تو سب یکساں ہیں۔ کوئی کسی سے بڑھا چڑھا نہیں ہے۔

آجکل ذرا گرم اور چمکتی دھوپ نکلتی ہے۔ وہاں سے نکلتے وقت حضور نے اہلکاروں سے ہاتھ ملایا۔ تو یہاں کے رواج کے مطابق فوراً ہاتھ چوم لیا۔ ان کا شکریہ ادا کرکے ہم گاڑی خانے میں گئے۔ اوپر کی منزل میں چھوٹی بڑی کوئی سو گاڑیاں رکھی ہوئی ہیں۔ تاجپوشی کے موقعے کی گاڑی پر رفائل مصوّر کی تصویروں کی نقل کی ہوئی ہے اور چھت پر تاج بنایا ہوا ہے۔ اس وقت وہ سفید آٹھ گھوڑے جوتے جاتے ہیں۔ کوچبان نہیں ہوتا۔ صرف سوار گھوڑوں پر بیٹھتے ہیں۔ اور ایک بالکل سیاہ گاڑی دیکھی۔ جسے بادشاہ یا بادشاہ بیگم کی موت کے وقت کام میں لاتے ہیں۔ ایک دوسری بڑی سرخ گاڑی دیکھی۔ جو شہزادے اور شہزادیوں کے انتقال کے وقت کام میں آتی ہے۔ یہ انوکھا رواج دیکھا کہ غم کے وقت سرخ گاڑی استعمال ہو۔ الگ الگ موقعوں مہمانوں وغیرہ وغیرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ گاڑیاں تھیں۔ ماریا ٹیریزا کے وزیر کانٹز کی عجیب وضع کی گاڑی بھی موجود ہے۔ سب قسم اور وضع کی گاڑیاں ازمنہ ماضی و حال کی موجود ہیں اور سب کو بہت اچھی حالت میں رکھا ہے یہ بات قابل تعریف ہے۔ اس کے بعد اس جگہ گئے۔ جہاں شہزادے شہزادیوں کو سواری سکھلائی جاتی ہے۔ ایک سمت پر ایک اونچا تخت یا جو کچھ بھی سمجھ لے۔ اس پر تماشے کے لئے بادشاہ آکر بیٹھتے ہیں۔ اور ملاحظہ فرماتے ہیں۔ برابر باجے کے ساتھ سواری سکھلائی جاتی ہے۔ اور سواری کا پورا فن داؤ پیچ سب کچھ بتاتے ہیں۔ آسٹریا اور جرمنی کی شہزادیاں لشکر میں کرنل اور جنرل کا عہدہ رکھتی ہیں

نفاست پسند اور لطیف خیالات کی بی بی ہوگی۔ جنہوں نے یہ سب اپنے شوق و ذوق سے
بنوایا۔ لکڑی کے ورقوں کو اس طرح جوڑا ہے۔ کہ انکی قدرتی نقوش کی ملاوٹ سے ایک
خاص طرح پیدا ہوگئی ہے۔ تصویریں سفید کاغذ پر بنی ہوئی ہیں۔ غرضیکہ نہایت درجہ
محظوظ ہوئے۔ افسوس ہے کہ ان جگہوں کے کارڈ فروخت نہیں ہوتے۔ محل کے
بعد باغ کی خوب سیر کی۔ درختوں کی تراش عجیب تھی۔ بڑے بڑے درختوں کو
دیواروں کی طرح یکساں تراشا ہے۔ جن میں جابجا محرابیں بنائی ہیں اور محرابوں کے
درمیان سنگ مرمر کی تمثالیں۔ اسی طرح دونوں طرف دیواریں بنائی ہوئی تھیں۔
سینکڑوں سال کی متواتر محنت کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کامل حالت کو پہنچنے کے
لئے ایک زمانہ چاہیئے۔ ایک بلندی پر بارہ دری ہے۔ جہاں سے باغ محل
وغیرہ کا عمدہ نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ کوئی دو ڈھائی گھنٹے پھر پھرا کر ہوٹل واپس گئے

۲۳۔ اگست ۱۹۰۵ء

آج دوسرا عجائب گھر دیکھنے کو گئے تھے۔ اس وزصرف
ایک ہی دیکھا تھا۔ یہاں نقشی تصویروں کا بڑا مجموعہ ہے۔ ملکہ ماریا کی یہاں بھی
ایک خوبصورت یادگار ہے۔ چار کونوں پر ملکہ کے زمانے کے نہایت نامی سپہ سالار
گھوڑوں پر سوار ہیں۔ درمیانی چوکھٹ کے ستونوں پر وزیروں کی مورتیں اور
ان کے زمانے کے بڑے بڑے واقعات کی ابھری ہوئی تصویریں بنائی ہیں۔
اور ستون کے اوپر بیچ میں آپ ملکہ بیٹھی ہوئی ہے۔ کل مورتیں برنج کی ہیں۔ اور
چوکھٹ اور ستون کے اطراف میں سنگ موسیٰ کے آٹھ گول ستون ہیں۔ مختصر یہ ہے
کہ یہ یادگار اس قدر خوبصورت اور کمالیت کی ہے کہ دیکھ کے جی خوش ہوا۔
موجودہ بادشاہ نے اس ملکہ کی یادگار بیس سال ہوئے بنائی تھی۔ اس عجائب خانے کا

وہاں سے قریب ہی۔ بیچ میں میدان ہی۔ اور اطراف میں عمارت۔ ان چیزوں کا کیا انتظام ہی۔ چوکیدار اور ملازمین سب وردیوں میں کھڑے تھے۔ بہت ہی شاندار مودبانہ وضع سے بالکل جھک کر سلام کیا۔ دو اہلکار ساتھ ساتھ چلے۔ پہلے گھوڑے دکھائے۔ لمبی عمارت جس کے دونوں طرف تھان بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں عجیب سفید آٹھ گھوڑے تھے۔ جن کی دم زمین تک آتی تھی۔ اور یال بھی نہایت خوبصورت تھی۔ یہ صرف بادشاہ کے کام میں آتے ہیں۔ اور شاہی اصطبل میں انکی پیدائش ہوتی ہی تاکہ ہمیشہ عمدہ جانور ہوں۔ یہ مقام باوجود صفائی کے بدبو سے بھی خالی نہ تھا۔ آخر جانوروں کی صفائی کہاں تک ہو سکے۔ بیشمار سبزی اور سفید جوڑیاں دیکھیں۔ ایک اور عمارت میں آٹھ سیاہ گھوڑے دیکھے۔ جو شاہی موت کے وقت کام آتے ہیں۔ اور معمولی وقتوں پر اصطبل کا اسباب گھاس دانہ وغیرہ سب چیز لاتے ہیں۔ تاکہ نکمّے رہکر بگڑ نہ جائیں۔ انکی پیدائش بھی شاہی اصطبل میں ہی ہوتی ہے۔ بعد ازاں اور تمام گھوڑے دیکھے جو ولیعہد۔ شہزادگان اور شہزادیوں کے کام میں آتے ہیں۔ جملہ دو سو تعداد ہوگی۔ نوکر بڑے مودّب۔ دوہرے ہو ہو کے سلام کرتے تھے۔ زمین پر باریک ریت سے نقش کئے ہوئے تھے۔ اور جب اوپر کی منزل پر چڑھے تو دیکھا۔ کہ سیڑھی پر قالین بچھا ہوا ہے۔ یہ دیکھکر متعجب ہوئے۔ پھر اس کا بھید کھلا۔ کہ خاص حضور کی خاطر یہ انتظام ہوا تھا۔ ایک اہلکار ذرا زیادہ درجے والے دکھائی دیتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ واقعی بڑے اہلکاروں میں سے تھے۔ اوپر چار کمرے تھے۔ جو تمام عمدہ گھوڑوں کے ساز و سامان سے بھرپور تھے۔ آٹھ آٹھ گھوڑوں کے طقم سونے کے کام کا۔ دیواروں پر بہت ہی خوبی سے اوپر سے نیچے تک لٹکا ہوئے

ہیں دنیا بھر کے الگ الگ قسم کے پتھر رکھے ہوئے تھے ۔ الماس سے لیکر ہلکے سے ہلکے دام کے پتھر میٹیورز (یعنی آسمان سے جو تارے ٹوٹتے ہیں وہ بھی) میں تو انکے دیکھنے میں بالکل محو ہو گئی ۔ کیا رنگ اور کیا ڈھنگ ۔ نہ معلوم ایسے قدرت کے نمونے کہاں سے جمع کیے ہیں ۔ اور ایک ایک کا غذ ۔ سبحان اللہ جل قدرتہٗ ۔ بعضے گارنٹ بالکل سوئیوں کے گچھے معلوم ہوتے تھے ۔ مگر اُن کی چمک الماس جیسی تھی بہت سے ایسے بھی دیکھے جو بالکل سفید ریشم کا لچھا معلوم ہوتے تھے اور واقعی ویسے ہی نرم ۔ اوپل کیسے کیسے رنگ کے لاکھوں نمونے رکھے ہوئے تھے گلابی نمک کے بڑے بڑے چوکھونٹے ٹکڑے کوئی چھ فیٹ لمبے اور ڈھائی فیٹ چوڑے اور ایک چوکھونٹا ستون آٹھ فیٹ لمبا اور دو فیٹ ہر طرف سے سفید نمک کا تراش کر رکھا ہوا تھا ۔ علاوہ بریں اور بہت سے نمونے کے نمک کے ٹکڑے بالکل انسان کی عقل کام نہیں کرتی ہے ۔ میں تو کرسٹل کی بناوٹ پر دنگ رہ گئی ۔ انواع و اقسام کے نمونے موجود ہیں ۔ جن میں سے بعض قد میں خوانچے اور کشتیوں کے برابر ہیں ۔ آسمان سے گرے ہوئے اولے ۔ پتھر اور دھاتیں نرالے رنگ و شکل کے دیکھے ۔ دنیا میں جو بڑی سے بڑی چیز ہے وہ شاید اسی عجائب گھر میں موجود ہے ۔ یہ سب دیکھتے دیکھتے ایک کونے میں موتیوں کا بے نظیر گلدان دیکھا ۔ جس میں پھولوں کا ایک گلدستہ تمام و کمال جواہرات کا بنا ہوا لغضب تھا ۔ مگر کوئی پتھر نہیں تھا ۔ جو اس میں موجود نہو ۔ کیا صناعی ہے کہ گویا سچے پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا ہے ۔ بعینہٖ قدرت کی نقل جواہروں میں کی ہے ۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ملکہ ماریا ٹریزا نے یہ گلدستہ اپنے شوہر کو ہدیہ دیا تھا ۔ لاثانی خیال اور بے مثل نمونہ ۔ اس کو سدا بہار گلدستہ کہیں جس کو خزاں نہیں پہنچی

اور قیام گاہ پر واپس آگئے۔ ایک عجیب رواج یا وہم پرستی کی مثال دیکھی۔ ایک خشک درخت کا تنہ فولاد کی پٹیوں سے جکڑا ہوا دیکھا۔ جس پر ہزاروں میخیں جڑی ہوئی ہیں۔ رہنما سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شہر میں جتنے لوہار کام کرنے کو آتے ہیں ان پر پہلے فرض ہے کہ اس درخت کے تنے میں ایک میخ ٹھونکیں۔ دو سال سے یہ عجیب رواج جاری ہے اور اس زمانے سے یہ ستون موجود ہے۔ اس کی وجہ خاص کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں۔ شکر کہ عطیہ پرسوں شام کو آتی ہے اس کا آنا بہت غنیمت معلوم ہوگا۔ خدا اس کو تندرست رکھے اور آرام سے آجائے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

۲۵۔ اگست ۱۹۰۸ء | آج کھلونوں کی دکان میں گئی تھی۔ تین منزلیں صرف بچوں کی کھلونوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان کے لئے تو گویا یہ مکان جنت تھا۔ جب اس قدر اقسام کی چیزیں نظر آتی ہیں تو پسند کر کے خریدنا بہت ہی مشکل امر ہے ٹھیک دو گھنٹے اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر چکر لگا کر بہت سا کچھ پسند کر لیا آسٹریا اور جرمنی کے کھیل تمام دنیا میں فروخت ہوتے ہیں۔ بہت ہی بڑی تجارت کھلونوں کی ہوتی ہے۔

انگریزی سفارت کے ذریعے شاہی زیورات اور اصطبل دیکھنے کا انتظام ہو گیا ہے۔ اس لئے تین بجے ہم چلے۔ شاہی خزانے کی جگہ پر پہنچے۔ پہرہ داروں اور خزانچیوں نے باادب سلام کیا اور اشارے کے موجب ہم اندر داخل کئے گئے۔ زینے کے ذریعے بالاخانے پر پہنچے۔ وہاں بھی نگہبان کھڑے تھے۔ جملہ تین کمرے ہیں۔ ایک مستطیل اور دو مربع۔ جنہیں تمام شاہی لباس اور مذہبی پوشاک پردے صلیب وغیرہ رکھی ہوئی تھی۔ داخلی کے مستطیل کمرے کی دیواروں پر چوطرفہ عمدہ اخروٹ کی لکڑی

محل دیکھ کر ایک اچھی سڑک سے ہم گذرے۔ جس پر دو رویہ درختوں کی قطار اُگی ہوئی ہے۔ ایک جگہ سے چلے جو بوادی بولون سے مشابہت رکھتی تھی۔ گاڑی میں جُتنے والے گھوڑوں کو دُلکی چلنا بہت ہی اچھا سکھاتے ہیں۔ یہ اسٹرین لوگوں کا خاص شوق ہے۔ ہم واپس آرہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جوڑی وکٹوریا میں جُتی ہوئی موٹر کی روش سے بڑھ کر ہمارے پاس سے ہوا کی طرح گذر گئی گھوڑوں کو ایسی زبردست باقاعدہ تربیت دیتے ہیں کہ کسی حالت میں فضول طریقے سے پویہ نہیں چلتے۔ بالکل صاف دُلکی چلتے ہیں۔ مگر پھرتی ایسی کہ بلائے مبرم۔ ہر سال شرط ہوتی ہے۔ اس سال یہی جوڑی جو ہم نے اتفاقیہ دیکھ لی۔ دوڑ میں اوّل آئی تھی۔ شہر بہت ہی باقرینہ لکڑی کی سڑکیں بنی ہوئی ہیں۔ جو نہ لندن میں نہ یقین نہ پیرس میں دکھائی دیں اور خوبی یہ کہ سفید براق۔ اکثر راستے چوڑے ہیں۔ جن پر پُر رو منقش عمارتوں کا ہجوم نظر آتا ہے۔ نزاکت کا نام نہیں بلکہ بہت ٹھوس وضع کی تعمیر ہے۔ ایک ایسی چیز دیکھی جس کا ذکر میں نے پڑھا تھا جس کے دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ بے حد بڑے لوہے کے ستون شہر میں جابجا روشنی کے لئے لگائے ہوئے ہیں۔ جن پر ایک ایک بڑا روشنی کا گولا نصب کیا ہے۔ گولے کے نیچے کی طرف سے ستونوں کے اطراف میں لوہے کی جالی دار ٹوکری بنی ہوئی ہے۔ جس میں پھول اُگائے ہوئے تھے۔ کس قدر خوبصورت چیز ہے۔ تمام شہر گویا سجا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ رواج نہایت لطیف ہے۔ کرایہ کی گاڑیاں اکثر جوڑی جُتی ہوئی ہوتی ہیں۔ ٹرام۔ بس۔ وغیرہ اُور شہروں جیسی ہیں۔ لیکن موٹر کم نظر آتی ہے۔ عموماً عورتیں شکیل ہوتی ہیں۔ فیروزہ رنگ آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت۔

اندرونی حصّہ بہت زیادہ مزین ہے اور سنہری کام بھی معقول کیا ہوا ہے ہر رنگ کے
سچے اور بناوٹی سنگ کی عالی شان کمرے بنائے ہوئے ہیں۔ کیا سجاوٹ ہے کہ
واہ واہ۔ ایک خوبصورت زینے کو طے کر کے نقاش خانہ دیکھا۔ اس کا پورا بیان
غیر ممکن ہے۔ روشنی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا ہے جس سے تصویروں کی رونق
دو بالا ہو جاتی ہے۔ نہ معلوم کتنے کمرے ہزارہا نایاب تصویروں سے بھرے ہوئے
ہیں۔ کسی نے اس ذخیرہ کی نسبت لکھا ہے کہ یہاں بھی لوور وغیرہ سے کچھ کم اچھی
تصویریں نہیں ہیں۔ ہاں یہ بات ہے۔ کہ آسٹرین لوگوں نے اس کا اشتہار نہیں
دیا ہے۔ اس لئے دنیا اُن کی بابت بہت نہیں جانتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ
نقاشوں کی رائے اس بات کا ثبوت دے سکتی ہے۔ ہم بھلا کیا جانیں۔ نیچے
کے کمروں میں شاہی خزانے کی ہزارہا بیش بہا چیزیں موجود ہیں۔ شہنشاہ نے
یہ خوب کیا ہے کہ اپنے خزانے کی چیزیں یہاں رکھی ہیں۔ گرا اپنا پورا حق قائم
رکھا ہے اور ایسا اقرار نامہ ہے کہ ان میں سے ایک چیز بھی کوئی فروخت نہیں کر سکتا
ہے۔ اس طرح رکھنے سے صاف بھی رہتی ہیں۔ اور رعیت کو دیکھنے کا بھی موقع
ملتا ہے۔ بیسیوں کمرے شاہی اشیا سے معمور ہیں سلح خانہ۔ زرہ بکتر۔ خود
وغیرہ سے پانچ چھ کمرے بھرے ہیں۔ اسی طرح جواہرات سونے۔ چاندی۔ ہاتھی
دانت اور قسم قسم کے عقیق اور دوسرے پتھروں کے قیمتی خوشنما برتن۔ گلدان
آبخورے وغیرہ جن پر جڑاؤ کام کیا ہوا ہے۔ قدرتی کرسٹل (بلور) کے بڑے
بڑے خوان کروڑہا روپیوں کا مال جو سب شاہی ملک ہے۔ اور جس پر بادشاہ کا پورا
حق ہے۔ سب چیزیں آئینہ جیسی صاف تھیں۔ فولاد کی چیزوں میں تو منہ دکھائی

ہم ٹرین سے اُترے۔ دیکھتے ہیں کہ کک کے گماشتے کے عوض ایک ہوٹل کا مہتمم موجود تھا۔ جس نے کہا کہ مجھے کک نے بھیجا ہے۔ تاکہ پرنس اور پرنسس کو ہوٹل تک بآرام پہنچادوں۔ یہاں تو اس درجہ ہجوم تھا اور ٹھٹھ کے ٹھٹھ آدمیوں کے کہ خُدا کی پناہ۔ یہ خاص عنایت ہم لوگوں کو بے چین کرنے کے لئے تھی۔ یہاں بھی کسٹم (چونگی) کے افسر آئے۔ اور چونکہ وُہ واقف تھے کہ ہم کون ہیں۔ بآسانی سب طے ہو گیا۔ اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کی اور ہم ہوٹل چلے۔ اثنائے راہ میں رات کی سیاہی کے درمیان شہر ستھرا اور عمارتیں عالی شان دکھائی دیں۔ کمرے اچھّے ہیں۔ کھانا بڑے شوق ذوق سے کھایا۔ پانی نہایت پاکیزہ اور اچھا تھا پوچھنے سے معلوم ہوا کہ پینے کے لئے بہت دُور ایک آبشار سے ریل کے ذریعہ کئی گھنٹوں میں آتا ہے۔ آسٹرین لوگوں کو اپنے پانی پر بڑا ناز ہے۔ فی الحال یہاں جنیوا سے بھی کم سردی ہے۔ تکان کی وجہ سے نیند نے خوب غلبہ کیا۔ اب کل تک خُدا حافظ۔

۲۱- اگست ۱۹۰۸ء صبح کو جلد فارغ ہو کر سیر کے لئے نکلے۔ کچھ خریداری کی۔ پھر سینٹ سٹیفن نامی گرجا کو دیکھا اس کا مینار نہایت عمدہ وضع سے بنایا ہے۔ لنڈن کے وسٹ منسٹر آبی۔ اور پیرس کے نوٹرڈام سے بہت بہتر ہے۔ بعد ازاں ایک اور گرجا دیکھا۔ پھر جہاں پر ملکہ الزبتھ تھیں۔ وُہ مقام دیکھنے چلے۔ یہ کیپوچن چرچ ہے۔ جس میں ایک سو بتیس افراد خاندان شاہی کے مدفون ہیں۔ بڑے بڑے صندوقوں میں لاشیں رکھی ہُوئی ہیں۔ کوئی تانبے کا ہے کوئی روپہری کوئی برنجی۔ ماریا تھیریزا جو تاریخ میں مشہور ہیں اور جو ماری آنتوانت کی والدہ تھیں انکی نہایت عمدہ یادگار اور تابوت ایک بڑے کمرے میں تھا۔ اطراف میں اُن کے

موزوں ہوگا۔ حیرت ہے کہ پتھروں میں مختلف رنگ کیسے پیدا کئے ہیں۔ دنا تکل سی ایک
تصویر بنی۔ لیکن وہ بات کہاں۔ خیر خانہ آلۂ خوردبین سے بہتر دکھائی دی۔ شاہی جواہرات
دیکھنا پیر تک ملتوی کیا۔ شام کو ایک قہوے خانے میں کافی پی کر ملیا شتر بزا کے مشہور محل
شلاس دیکھنے کو شان برن گئے۔ اب بھی بادشاہ موسم گرما میں اکثر یہاں رہا کرتے ہیں
اس محل کی وضع تو خیر۔ مگر ان میں دو کمرے بے نظیر تھے۔ جو قابل ذکر ہیں۔ ایک چھوٹا گول
قسم کا کمرہ جس میں ملکہ موصوفہ اکثر کھانا کھاتی تھیں۔ تمام کام سفید اور سنہری تھا۔ اس کے
درمیان میں عمدہ عمدہ چینی روغنی سنہری اور سیاہ لکڑی کے تختے اور خوبصورت نیم
قرینے سے دیواروں میں جڑے ہوئے تھے اور انکے کناروں پر منقش سنہری حاشیہ تھا
چھت بھی ملتی جلتی ہے۔ نادر خیال اور سلیقہ ہے سبحان اللہ ہر تختے کے اطراف میں
حاشیہ کے بعد چھوٹے چھوٹے طاقچے ہیں۔ جن پر چینی کے آسمانی رنگ کے چھوٹے چھوٹے
گلدان رکھے ہوئے ہیں۔ فرنیچر بھی موزوں ہے۔ یہ کمرہ تمام و کمال نہایت خوبصورت اونچی
وضع کا ہے کہ کہیں اس کے جوڑ کا دکھائی نہیں دیا۔ ایک اور کمرہ بھی اپنی جگہ انوکھے پن کا نمونہ
تھا۔ تمام دیواریں امہوگنی کی (جو ایک قسم کی سرخ لکڑی ہوتی ہے) اور اس پر جیسے پیانو وغیرہ پر
باریک لکڑی کے ورق چسپاں کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کل دیواروں کو مہاگنی کے ورق
سے بنا کر اس پر سنہری ڈھلے ہوئے نقش تھے۔ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ کچھ بڑے کی دیواریں
ہیں۔ جن پر سنہری کام کیا ہوا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ جا بجا ہندی رنگین تصویریں جیسے
شاہنامہ وغیرہ کے پرانے قلمی نسخوں میں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس سنہری آرائش میں
جڑی ہوئی تھیں۔ حقیقت میں بیان کرنا مشکل ہے۔ نہ معلوم اس شوقین ملکہ نے کہاں سے
کاریگر پیدا کئے ہونگے اور کہاں سے ایسا بے نظیر خیال آیا ہوگا۔ کس قدر

میں آئے کہ جب ریل کے چلنے میں کوئی سوا گھنٹہ باقی تھا۔ پہلا کام یہ کیا کہ آپ لوگوں کو خط لکھے اور عجیب و غریب کارڈ مختلف لوگوں کو روانہ کئے۔ ہم منتظر ہی تھے کہ مسٹر زنگک کا آدمی آیا اور خبر دی کہ حضور کا ڈبہ تیار ہے۔ چلئے! ہم بآرام تمام سونے کے ڈبے میں داخل ہو گئے۔ اور جہاں تک ممکن تھا آرام کیا۔ یہانتک کہ صبح صادق ہو گئی۔ رات میں کئی واقعات گزر گئے۔ ڈبہ بدلا گیا۔ پھر ٹرین میں لگایا گیا۔ سوس آسٹریا کی سرحد پر پہنچا تا پڑا کہ ہم لوگ بغیر محصول کے جا سکتے ہیں۔ یہ سب کام دوسروں نے انجام دیا۔ ہم کو کچھ تکلیف نہ ہوئی۔ کل لائن پر خبر ہو گئی تھی اس لئے پولیس نہایت ادب سے پیش آئی۔

۲۰۔ اگست سنہ ۱۹۰۶ء | صبح آٹھ بجے دوسرے ڈبے میں سوار ہو گئے۔ ساڑھے گیارہ بجے کھانا کھایا۔ پہلے سے اچھی میز سجی ہوئی تھی۔ عمدہ پلاؤ کھانے کو ملا۔ جس کا ذائقہ اب تک یاد ہے۔ سب سے اول یہی ملا۔ ترکی پلاؤ جو پیاری بہن جان! آپ پکاتی ہیں گھی سے تربتر۔ بس اسی کی لذت تھی۔ جی خوش ہو گیا۔ راستے میں ایک جگہ سے ہم گذرنے لگے۔ تو بہت سردی معلوم ہوئی۔ جب ڈبے سے باہر دیکھا تو یہ گل کھلا پایا کہ ایک خوبصورت جھیل کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے پہاڑ برف سے ڈھنپے ہوئے تھے۔ جنکی ٹھنڈک ہوا میں آمیز ہو رہی تھی۔ ان پہاڑوں پر نظر پڑتے ہی وجد میں آ گئی۔ ایسا دلفریب منظر تھا کہ سوئٹزرلینڈ بھی جی سے اتر گیا۔ کیسے شاندار پہاڑ۔ درخت۔ وادیاں اور دریا کہ آدمی دیکھا کرے گھنٹوں تک ہماری ریل ایک دریا کے پہلو سے گزر رہی تھی۔ اور اطراف میں بڑے بڑے پہاڑ اپنی خوبی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ سبزہ زار کا تو کچھ ٹھکانا ہی

سُنہری بال۔ مگر نازک اندام نہیں سُنتی ہُوں کہ بیبیوں کے لباس وغیرہ کیلئے فیشنیبل جگہ پیرس کے بعد وئینا ہے۔ دُکانیں اچھی رچی ہوتی ہیں۔ شیشے کا سامان بہت عمدہ ملتا ہے۔ ہندوستان میں جو بلوری کانچ کی چوڑیاں ملتی ہیں۔ وُہ زیادہ تر آسٹریا کی بنی ہُوئی ہوتی ہیں۔ ہم کو اب تک بلوری چوڑیوں کا پتہ نہیں ملا۔ سُنتی ہُوں کہ خاص ہندوستان کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ یہاں چاول کھانے کا بہت رواج ہے۔ عمدہ پُلاؤ رات کو بھی ملا تھا۔ اسباب لیجانے کی گاڑیاں جن میں جوڑی جوتنے کے لئے بیچ میں ایک ڈنڈا ہوتا ہے۔ تاکہ دو گھوڑے دو طرف جُتیں۔ مگر بسا اوقات صرف ایک طرف ایک گھوڑا جُتتا ہے۔ اور ایک طرف خالی۔ عجیب معلوم ہوتا ہے۔ دُوسرا تماشا یہ دیکھا کہ باربرداری گاڑی کے ایک جانب آدمی جُتا ہُوا۔ دُوسری جانب ایک بڑا کُتا۔ دیکھ کر بہت ہی ہنسی آتی ہے۔

۲۲۔ اگست ۱۹۰۸ء گیارہ بجے کے قریب عجائب خانے میں گئے۔ ایک بیحد بڑا چوک باغ میں بنایا ہُوا ہے۔ جس کی دو طرف خوبصورت عمارتیں ہیں اور درمیان میں ماریا تھریزا کی یادگار ہے۔ وسط میں وُہ آپ بیٹھی ہیں۔ اور چار طرف پُورے قد کے چار سوار موجود ہیں۔ دُوسری جانب بھی عمدہ عمدہ چیزیں ہیں۔ تمام برنج کا بنا ہُوا ہے۔ نہایت گراں بہا چیز ہوگی۔ عجائب خانے کے دو حصے ہیں۔ ایک میں کائنات کی عجائبات ہیں اور دُوسرے میں لاجواب دستی تصویریں ہیں۔ ہم پہلی عمارت میں گئے۔ کہتے ہیں کہ ایسا مجموعہ دُنیا میں کہیں نہیں ہے۔ جن میں سے ہم پہلے گزرے۔ وُہ بہت بڑے چھ کمرے تھے۔ ان

۱۹ سولہ بچوں کے چھوٹے بڑے تابوت رکھے ہوئے تھے۔ عجیب موثر جگہ تھی۔ تمام
احوال جو میں نے پڑھے تھے۔ وہ سب ذہن میں آگئے۔ اور دل بے ساختہ
افسردہ ہوگیا۔ یہ ملکہ آسٹریا کی تاریخ میں بڑی نامور گذری ہے اور خود حکمران تھیں
انکے صندوق کے گرداگرد نہایت عمدہ برنجی بُت نصب تھے۔ پھر ملکہ الزبتھ کے
صندوق کے نزدیک گئے اِس پر پھول چڑھائے ہوئے تھے۔ جنیوا میں سات
آٹھ سال پیشتر ماری گئی تھیں۔ پڑوس میں آرچ ڈیوک رودالف کی قبر ہے جس نے
اپنی والدہ کی ایک سہیلی کے عشق میں خودکشی کی تھی۔ اس بات کو کوئی بیس سال کا
عرصہ گزر چکا ہے۔ فی الحال شہنشاہ پہاڑوں میں ٹھنڈی ہوائیں کھاتے ہیں۔ اگر
یہاں ہوتے تو ضرور ملاقات ہو جاتی۔ سُنتے ہیں کہ ہفتہ عشرہ میں آئینگے۔ جب
یہاں کا موسم آغاز ہوگا۔ اُن کی غیر حاضری میں ہر کسی کو محل دکھایا جاتا ہے۔
ساڑھے تین بجے نکل کر محل شاہی ملاحظہ کرلیا۔ سب محل پھر کر دیکھا۔ سوائے
خانگی احاطہ کے جو غیروں کو نہیں دکھایا جاتا ہے۔ بیرونی دکھاؤ سنگین عمارت ہے۔
سب ملاکر وُہ اثر پیدا ہُوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ ہے بہت بڑا محل۔ چند گھڑیاں
نہایت عمدہ اور گراں بہا تھیں۔ ایک گھڑی دو سو برس کی پرانی جنیوا کی بنی ہوئی
تھی۔ اس کو تیسرے برس کُنجی دینی پڑتی ہے۔ وقت کی خوب سچی ہے اور درست
چلتی ہے۔ یہ عیاں ہو کہ اس زمانے میں بھی جنیوا کی گھڑیاں مشہور و معروف
تھیں۔ دو تین کمروں میں بہت حظ آیا۔ ملکہ ماریا تھیریزا کے تھے۔ اس وقت
کا پلنگ اور تمام فرنیچر۔ بڑے بڑے جاپانی صندوق کپڑے رکھنے کے لئے
کس قدر اچھے تھے۔

کے جلاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اتنے اوپر ہوا میں رطوبت نہیں ہوتی۔

دس بجے کے قریب ہم گاڑی میں سوار ہوئے اور ڈیڑھ گھنٹے کی لطیف سیر کے بعد گول دے مانٹے یعنی پہاڑ کے اگلے حصے تک پہنچے۔ یہ جگہ ساڑھے چار ہزار فیٹ بلند ہے۔ اس کے دونوں طرف عظیم الشان سنگی پہاڑ ہیں جنکی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ ہر بلند مقام پر مسافرخانہ موجود ہے۔ جہاں گاڑی یا خچر کے ذریعے رسائی ہوسکتی ہے۔ جتنا شوق ہو اور جہانتک جانا ہو گائڈ کی رہنمائی میں جاسکتے ہو۔ رہنما بالکل معتبر ہیں۔ کیونکہ وہ تجربہ کار ہوتے ہیں۔ اور نوآمد کے لئے انکی امداد ضروری ہے۔ ہمارے پاس تو صرف اتنا وقت تھا کہ ایک گہری نگاہ ڈالدی اور چل دیئے۔ کیا کیا قدرت کے نمونے ہیں۔ جن کے بیان سے عقل قاصر ہے۔ بہت اشتہا کے ساتھ لنچ کے وقت شاموٹی آئے۔ تین بجے واپس چلینگے۔ شاموٹی کو خدا حافظ کہا۔ بڑی دلچسپ جگہ۔ خوب قدرتِ کاملہ کے نظارے سے دل بہلایا گاڑی میں بروقت سوار ہوکر دلکش نظارے دیکھتے ہوئے واپس چلے۔ راستے میں ایک گھوڑا بیمار ہوگیا تھا۔ مگر شکر ہے کہ سنبھل گیا۔ ہنوز یہ حادثہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ایک گروہ عورتوں کا دکھائی دیا۔ جنہوں نے کوچبان کو اشارہ کرکے گاڑی کو رکوایا۔ ہم حیران ہوئے۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک عورت ایک چھ برس کے بیہوش بچے کو لئے ہوئے ہے اور کوچبان سے اتنی اعانت طلب کر رہی ہے کہ اسے ٹرین تک پہنچا دے۔ ہم کو اس کی داستان سنکر رحم آیا۔ اور اسے گاڑی میں آنے کی اجازت دی۔ اور سٹیشن تک لے چلے۔ اس کی سرگذشت یہ ہے کہ یہ عورت مارسیلز کی رہنے والی ہے۔ اس کا بچہ بیمار ہوگیا۔ تو شاموٹی تبدیلِ آب و ہوا کے لئے لے آئی

نہیں۔ اس میں شک و شبہ نہیں کہ نہایت زرخیز ملک ہے۔ گیہوں اور انواع و اقسام کے اناج سے کھیت بھرے ہوئے۔ ترکاری اور پھل سے باغات لہلہاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ شفتالو سے درخت لدے ہوئے انگوروں کا تماشا قابلِ دید تھا۔ گلابی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ آلو اقسام کے اور مختلف رنگوں کے درختوں کی زیبائش ہو رہی تھی۔ علاوہ بریں باقی ماندہ زمین پر خوبصورت چھوٹی چھوٹی عمارتوں نے منظر کے لطف کو دوبالا کر دیا تھا۔ بہت سے جنگل ترکیب کے ساتھ انسانی ذہانت کے نتیجے دکھائی دیئے جب حسبِ معمول ایک سٹیشن پر ٹرین رکی میں نے چپکے چپکے مسافروں کی آمد و رفت کو دیکھا۔ اتنے میں ایک لڑکا آئس کریم ملائی کی برف فروخت کرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ ذرا گرم وقت تھا۔ اس لئے دل چاہا کہ لوں پھر چکھا ئی کر معلوم کیسی ہوگی۔ آخر بطور آزمائش ایک طشتری خریدی۔ اور سچ ہے کہ دل خوش ہوگیا۔ دینے کی وضع جاننے کے قابل ہے۔ کاغذ کی صفائی دار مستطیل طشتری جس میں ایک ویفر یعنی ہوائی ہبین بسکٹ اور ایک ویفر کی لمبی نلکی۔ ویفر ہی کے کٹورے میں دو ٹکڑے برف کے۔ آفرین ہے ان لوگوں پر کہ کیسی کامل چیزیں بناتے ہیں یعنی کاغذ کی طشتری کے سوا سبھی کھانے کا تھا۔ وہ نلکی خاصی طرح چمچی کا کام دیتی تھی۔ حضور نے بھی بڑے شوق سے کھائی اور دل سے دعائیں دیں۔ صفائی کی انتہا ہے۔ اسی لئے ایسی لنفیس اور خوش ذائقہ معلوم ہوئی۔ اسی طرح ایک بڑھیا کے پاس سے انگور خریدے۔ کس صفائی سے کاغذ میں باندھ کر ہم کو دیئے۔ صفائی ہی تو اصل چیز ہے۔

ہمارے صبر کا خاتمہ ہونے کو تھا کہ اتنے میں ونیس آگیا۔ شکرِ خدا۔

جُتی ہُوئی تھی۔ بڑی خوشی سے سوار ہو کر چالیس منٹ میں واپس آئے۔ حضور بھی سیر کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ وُہ بھی آ گئے۔ اور طرفین نے اپنے تجربے بیان کئے۔ رات کو ہم پھر سیر کے لئے گئے تھے۔ شہر بجلی کی روشنی میں اس قدر خوبصورت اور جگمگا رہا تھا کہ سُبحان اللہ! جھیل کے کنارے ہونے سے دوہری روشنی معلوم ہوتی ہے۔ پانی میں عکس گر کر دو ناچوگنا لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا سونے پر سوہاگہ تھوڑی دیر میں بڑا صاف بے غبار چاند پہاڑ کے قریب سے نکل آیا اور شہر پر چاندنی نے کھیت کر دیا۔ اس وقت کا سماں سوائے شاعر یا مصوّر کے کون بیان کر سکتا ہے۔ ہماری زبانیں فرطِ اثر سے رُک گئیں اور اُس کی قدرتِ کاملہ کو شوق کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ بس صرف اسی قدر کیا۔ اور تو کچھ کر نہ سکے۔ آج ذرا موسم گرم ہے شاید بارش ہو۔ یہ تمام مؤثر چیزیں بس کافی نہ تھیں جو سامنے کے کنارے پر آتشبازی چھُٹنے لگی۔ بس اس چیز نے تو جنیوا کو بالکل دُولہن بنا دیا۔

۱۵۔ اگست ۱۹۰۸ء لنچ کے بعد ایک روز کے سفر کے لئے ہم لوگ نکلے تا کہ شامونی کی سیر کر آئیں۔ آسمان پر ابر تھا اور کچھ کچھ بوندیں بھی پڑ رہی تھیں نہایت عُمدہ کشمیر کے نمونے کا منظر دیکھتے ہُوئے شامونی پہنچے۔ یہ مقام تقریباً ساڑھے تین ہزار فیٹ بلند ہے۔ اور بستی ڈھائی ہزار آدمیوں کی ہے مگر ہوٹلوں کی انتہا ہی نہیں۔ جس ہوٹل کا انتظام کیا تھا۔ اس کا مینیجر موجود تھا۔ اس نے ہوٹل پر پہنچا دیا۔ اس ہوٹل کا موقعہ بہت ہی عُمدہ ہے۔ سامنے باسان کا نہایت بڑا برف کا پہاڑ ہے۔ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے تک برف پڑی ہُوئی ہے۔ ہم یہاں سے پندرہ منٹ میں برف پر پہنچ سکتے ہیں۔ یہ برف کا پہاڑ سات سے دس ہزار

یہاں اس کا بُرا حال ہوگیا اور اس طرح ہم سے ملاقات کا اتفاق ہُوا۔ اسے ریل پر چھوڑا۔ وہاں تک آتے آتے بچہ بھی ہوش میں آگیا۔ غرض خوب ہی سیر کر کے نو بجے واپس ہوٹل پر آئے۔

ایک جگہ پر ایک شاعر اپنے کہے ہُوئے اشعار پیانو کے ساتھ گا رہا تھا۔ آخر میں اُس نے یہ کیا کہ وہیں بیٹھ کے نظر لیانہ اشعار خود کہے اور فوراً پیانو کے ساتھ بہت ہی لطیف وضع سے گائے۔

۱۹۔ اگست ۱۹۰۷ء | آج ہم جینوا کو چھوڑ دینا چلے۔ انشاء اللہ کل شام کو پہنچینگے۔ عطیہ کی میعادِ علاج ختم ہونے کو ہے۔ اب اس کی طبیعت بھی اچھی ہے۔ امید ہے کہ دُنیا میں اس سے ملنا ہوگا۔

پیارے عزیزان! ڈیڑھ بجے ٹرین میں سوار ہُوئے اور ساڑھے آٹھ بجے زورک پہنچے اور سب سے اوّل یہ کام کیا کہ کھانے سے فراغت پائی۔ جو سنیشن ریسٹورنٹ پر عمدہ والا سٹیشن نہایت عالیشان ہے۔ کھانے کے بعد آرکسٹرا بہت اچھا سُنا۔ کوئی سو کے قریب سازندے بجاتے تھے۔ بہت ہی دل خوش کن میوزک تھا۔ زورک سوئٹزرلینڈ کے بڑے شہروں میں سے ہے۔ دو لاکھ کی بستی ہے اور یہ بھی جھیل پر واقع ہے۔ بہ سبب رات کے ہم کچھ دیکھ نہ سکے۔ لیکن عمدہ روشنی ہونے کی وجہ سے اتنا تو امتیاز کر سکے کہ منتظم شہر ہے۔ جینوا سے زیادہ عالی شان کوٹھیاں نظر آئیں۔ ایک دوکان میں پوسٹ کارڈز خریدے۔ کاش میں کچھ بیان کر سکوں کہ پوسٹ کارڈ کی دوکان کے کیا معنی ہیں۔ لاکھوں ہی دھرے ہُوئے تھے۔ اور ہر چیز کے جس کا کہ آدمی خیال کرے خوب سیر کر کے ایسے وقت پر سٹیشن کو رننگ رُوم

شوق کے لئے تازیانہ بن گئی اور بھائی کے ساتھ سیر کے لئے نکلی۔ پانچ گھنٹہ ٹرین کے چلنے میں تھا۔ جب ہم دونوں نکلے۔ تھوڑا حصہ گاڑی میں طے کیا۔ تھوڑا حصہ ٹرام میں۔ بعد ازاں اُسی پہاڑ پر چڑھنے والی ٹرین میں ایک گھنٹے میں چار ہزار فیٹ کی اُونچائی پر چڑھے۔ اِن پہاڑوں پر چڑھنا تو بس کھیل ہے۔ سوئیس لوگوں نے کیا عمدہ ریلوے بنائی ہے۔ یہاں ریل بجلی سے چڑھتی ہے۔ جس قدر گاڑی اوپر چڑھتی ہی اُسی قدر قدرت کی عجیب کیفیت نظر آتی رہی۔ ہر ایک چیز آئینے جیسی دکھائی دیتی تھی۔ مونٹ بلانک برف سے ڈھکا ہوا سفید بُراق عجیب و غریب اثر پیدا کر رہا تھا۔ وُہ چہرہ جس کے متعلق لکھ آئی ہوں۔ وکٹر عمانویل[1] کا کہلاتا ہے۔ وکٹر ہیوگو میری غلط فہمی تھی۔ اچھا نظر آتا تھا۔ پہاڑ پر چڑھنے کے بعد وادی اور گاؤں کا نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ وُہ بلگام سے اِتنا ملتا جلتا تھا کہ تعجب معلوم ہوا۔ البتہ اُونچائی اِن پہاڑوں کی بہت زیادہ ہی۔ چوٹی پر پہنچے۔ تو ایک سوئیس عمارت قہوہ خانے کی صُورت میں موجُود تھی۔ وہاں ہم ذرا ٹھہرے اور نظارے کی خُوبی کا لُطف اُٹھایا۔ مونٹ بلانک اور اس کے حدود نہایت عُمدگی سے دکھائی دیتے تھے۔ بلکہ تقریبًا تمام سلسلہ اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ مَیں کیا بیان کروں۔ سچ کسی بھی ایسی جگہ جاتے ہیں تو دوہری تہری خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کہ کاش آپ لوگ بھی عزیزانِ من یہاں ہوتے۔ ایسی قدرت کے نمونے کو دیکھ کر زبان بند ہو جاتی ہی یہ عین خوش قسمتی تھی کہ ایسا صاف بے غبار دن نکلا تھا۔ قہوہ خانے میں چاء پی اور منظر کا مزا لُوٹا۔ چھوٹی ریل میں ہمارے ہم سفر

---

[1] اٹلی کے ایک بادشاہ کا نام ہے۔

یہاں اس کا بُرا حال ہوگیا اور اس طرح ہم سے ملاقات کا اتفاق ہُوا۔ اسے ریل پر چھوڑا۔ وہاں تک آتے آتے بچہ بھی ہوش میں آگیا۔ غرض خوب ہی سیر کر کے نو بجے واپس ہوٹل پر آئے۔

ایک جگہ پر ایک شاعر اپنے کہے ہُوئے اشعار پیانو کے ساتھ گا رہا تھا۔ آخر میں اُس نے یہ کیا کہ وہیں بیٹھ کے ظریفانہ اشعار خوب کہے اور فوراً پیانو کے ساتھ بہت ہی لطیف وضع سے گائے۔

۱۹۔ اگست ۱۹۱۱ء | آج ہم جینوا کو چھوڑ وِینا چلے۔ انشاء اللہ کل شام کو پہنچ گیے۔ عطیہ کی میعادِ علاج ختم ہونے کو ہے۔ اب اس کی طبیعت بھی اچھی ہے۔ اُمید ہے کہ وینا میں اس سے ملنا ہوگا۔

پیارے عزیزان! ڈیڑھ بجے ٹرین میں سوار ہُوئے اور آٹھ بجے زورک پہنچے اور سب سے اوّل یہ کام کیا کہ کھانے سے فراغت پائی۔ جو سٹیشن رسٹورانٹ پر عُمدہ ملا سٹیشن نہایت عالیشان ہے۔ کھانے کے بعد آرکسٹرا بہت اچھا سُنا۔ کوئی سو کے قریب سازندے بجاتے تھے۔ بہت ہی دل خوش کن میوزک تھا۔ زورک سوئٹزرلینڈ کے بڑے شہروں میں سے ہے۔ دو لاکھ کی بستی ہے اور یہ بھی جھیل پر واقع ہے۔ بسبب رات کے ہم کچھ دیکھ نہ سکے۔ لیکن عُمدہ روشنی ہونے کی وجہ سے اتنا تو امتیاز کرسکے کہ منتظم شہر ہے۔ جینوا سے زیادہ عالی شان کوٹھیاں نظر آئیں۔ ایک دوکان میں پوسٹ کارڈز خریدے۔ کاش میں کچھ بیان کرسکوں کہ پوسٹ کارڈ کی دوکان کے کیا معنی ہیں۔ لاکھوں ہی دھرے ہُوئے تھے۔ اور ہر چیز کے جس کا کہ آدمی خیال کرے خوب سیر کر کے ایسے وقت پر بستر کو دیکھنا نعم

فیٹ تک اُونچا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے بھی ہیں۔ یہ سب شاموَنی سے ملے ہُوئے ہیں۔ کُہرے کی وجہ سے منظر چھپا ہُوا ہے۔ اُمّید ہے کہ کل صبح تک آسمان صاف ہو جائیگا۔ اور ہم کچھ دیکھ سکینگے۔ شاموَنی وُہ شہر ہے جہاں مسافر آ کے رہتے ہیں اور وہاں سے مونٹ بلانک پر جاتے ہیں۔ دور دور کی بہت خطرناک آزمائش ہے۔ دور رہنما کی ہدایت سے برف کو طے کرتے ہیں۔ بڑی مشکل سے برف میں راستہ کاٹتے ہُوئے قدم پھُونک پھُونک کر دھرتے ہُوئے چڑھتے ہیں۔ یہ تو ہمین برف پر چڑھنے والوں کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں بطور سیر لوگ آ کے دریائے برف پر جاتے ہیں۔ جو یہاں سے تقریباً اور تین ہزار فیٹ کی اُونچائی پہ ہے۔ اس موسم میں پہلی دفعہ وہاں تک ریل بنی ہے۔ بالکل آرام سے سوا گھنٹے میں پہنچکر برف کے دریا پر چل سکتے ہیں۔ کیا سہولت اِس زمانے میں ہے اور خوبی تو یہ ہے کہ وہاں ایک ہوٹل بھی ہے جس میں کل آسائش کا انتظام ہے۔ اگر ہو سکا تو ہم بھی ضرور جاینگے۔

۱۲۔ اگست ۱۹۰۸ء | رات کو بھائی سینو میٹو گراف (یعنی چلتی پھرتی تصویروں) کا کھیل دیکھنے گئے تھے۔ باوجودیکہ بارش خوب ہو رہی تھی۔ کہتے ہیں کہ جو لوگ مونٹ بلانک کی چوٹی پر چڑھتے ہیں۔ اُنکی سرگزشت پُوری طرح سے دکھائی۔ اس خوبی سے دکھایا کہ گویا اصل معاملہ دیکھ رہے ہوں۔ سُنتی ہوں کہ خاص تصویر لینے کی غرض سے یہ لوگ گئے تھے۔ اور اب ایک دو فرانک میں سب نظارہ بیٹھے بٹھائے دکھائی دیتا ہے۔ مَیں مارے نیند کے نہ گئی۔ اب افسوس ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ مونٹ بلانک پر چڑھنے والے اپنے چہروں کو ایک خاص قسم کا رنگ لگاتے ہیں۔ کیونکہ ہوا اتنی خشک ہوتی ہے کہ آفتاب کی کرنیں بہت تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں اور مانند آتش

جو قابلِ دید چیزیں تھیں وُہ سب شام کو دیکھ لیں۔ کیونکہ یہاں کچھ بہت دیکھنے کا نہیں ہے۔ لیک لیمان پر یہ شہر واقع ہے۔ اور دُوسرے بھی تمام شہر اسی جھیل کے متصل ارد گرد موجُود ہیں۔ وادی رُون میں سے نکل رُون دریا بھی اسی جھیل میں شامل ہو جاتا ہے اور جنیوا کے شہر میں سے گزر کر بڑے سمندر میں مِل جاتا ہے۔ یہ دریا نہایت بڑا ہے اور پانی کا زور بہت ہے۔ ایک بہت بڑا سانچا عین ندی میں نصب کیا ہے۔ کیونکہ پانی کا بہاؤ اِتنا زبردست ہے کہ اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے پنکھے دار چکر پھرتے ہیں اور ان چکروں کے ذریعہ اوپر کے بڑے سانچے کام کرتے ہیں۔ یعنی پانی اوپر کھنچ آتا ہے۔ اور اوپر چڑھتے وقت چھنکر تمام شہر میں نل کے ذریعہ سے یہی پانی پہنچتا ہے۔ اِس طرح تمام کام پانی ہی کرتا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ ہم نے یہ عُمدہ انسانی حکمت کا نمونہ دیکھ لیا۔ باہر سے ایک شیشوں کی عمارت ہے جو دریا کے اندر بنی ہوئی ہے اس کے نیچے جالی میں سے پانی جاتا ہے۔ اندر گئے تو حیران رہ گئے۔ کہ نہ ڈھونہ پاس کوئلوں کی سیاہی تک بھی نہیں۔ اِتنی صاف کہ دنگ رہ گئی۔ اس کا مستقل خرچ تقریباً کچھ نہیں۔ چھ چھوٹے انجینیر تعینات ہیں۔ جن کا کام یہ ہے کہ سانچے کو صاف رکھنا روغن ڈالنا۔ پانی کا بہت زور ہو تو کم کرنا وغیرہ۔ مجھے یاد نہیں کہ پیشتر اس قسم کی چیز میں نے اِتنی صاف ستھری دیکھی ہو۔ تمام فولاد مثل آئینے کے چمکتا ہے۔ زنگ کا نام نہیں۔ ہاں خرچ اس وقت ہوتا ہوگا جب کوئی حصہ گھس جاتا ہوگا اور پھر اُسے بنانا پڑتا ہوگا۔ اس وقت البتہ روپیہ صرف ہوتا ہوگا۔ اس کا چھوٹا سا خاکہ بنا کے رکھا ہوا ہے۔ جسے دکھا کے اگر شوق ہو تو تمام ترکیب سمجھا دیتے ہیں۔ سُنتی ہوں کہ یہاں کا بجلی کا سانچہ بھی قابلِ دید ہے۔ اِس میں بھی کچھ ملتی جُلتی حکمتوں سے کام لیا ہے۔

دو مشرقی وضع کے آدمی تھے۔ اور اُن کے زر و زیور سے عیاں تھا کہ مرفہ الحال ہیں۔ اب جو موقع آیا تو بھائی نے اُن سے باتیں کیں۔ معلوم ہوا کہ ایک مصری ہے۔ اور ایک عرب ہے۔ ان کو شاید جاننے کا شوق تھا کہ ہم کون ہیں۔ بہر حال طرفین نے اپنا اپنا اطمینان کر لیا۔ ان میں سے ایک کو انگریزی آتی تھی اور دُوسرے کو فرینچ۔ کہا ہے کہ اگر مصر آؤ تو ضرور ہم سے ملنا۔ بھائی نے اُن سے وعدہ لیا ہے کہ کل ہوٹل آئیں۔ سر سید احمد خاں (بانی علیگڈھ کالج) کے متعلق بہت کچھ پُوچھتے تھے۔ وہاں ایک شیشے کی الماری تھی۔ اس میں نگاہ پڑی تو دیکھا۔ بہت سے رنگ کے پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ اِس میں سے ایک قدرتی پہلو دار مجھے پسند آیا۔ اور میں نے خریدا۔ خوبصورت چیز ہے۔ اس قہوہ خانے کا مالک اس کی جورو اور لڑکی نگہبان ہیں۔ بہت ہی اچھے غریب لوگ ہیں۔ ہر شام کو جب ہوا صاف ہوتی ہے۔ تب خوب کماتے ہیں۔ کیونکہ نظارہ بینی کو لوگ آتے ہیں۔ ہم لوگ ایک گھنٹے بعد واپس آئے۔ مجھے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ جن جگہوں کے لئے ذوق شوق سے بارہا پڑھتے رہے۔ انہیں دیکھنا نصیب ہوا۔ ایسی جگہیں دیکھ کر خدا کی خدائی اور وحدانیت کا ثبوت اور بھی زور و شور سے واضح ہوتا ہے۔ ؎

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

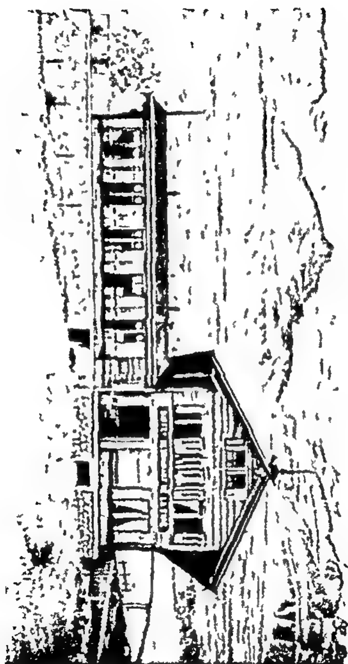
آتے وقت ٹرام بہت ہی معمور تھی۔ اس واسطے ہم نے گاڑی کی جستجو کی۔ قہوہ خانے کے مہتمم نے تار دیا اور پندرہ منٹ میں گاڑی موجود ہو گئی۔ ہم تو حیران رہ گئے کس عجلت سے آئی واہ واہ! اور ہمارا کام بن گیا۔ عُمدہ لینڈو میں جوڑی

اس پر آفتاب کی روشنی ایسی وضع سے گرتی ہے کہ بالکل طلائی معلوم ہوتا تھا۔ خوب ہُوا کہ اس پہاڑ کو دیکھنے کا موقع مل گیا۔ کیونکہ اکثر یہ ابر میں غائب رہتا ہے۔ ٹیری ٹٹ سے جنیوا تک عجیب نظارے دیکھتے ہُوئے چلے آئے۔ مگر اب بھی میرا خیال ہے کہ مانٹریو اور اس کے اطراف کا جیسا خوبصورت حصّہ کوئی نہیں ہے۔ آگبوٹ میں ہم نے باتصویر چھوٹی چھوٹی کتابیں خریدیں۔ جس میں سے کچھ اپنے خطوں میں شریک کرتی ہُوں۔ کہ آپ لوگوں کو حظ آئیگا۔ جنیوا اچھا شہر ہے۔ آبادی کوئی لاکھ کی ہوگی۔ یہ شہر خصُوصاً گھڑیوں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں زیادہ سردی ہے۔ سامنے کو (لب دریا پر) پھرنے کو گئے تھے۔ ان شہروں میں یہ بات تو ہے کہ ہمیشہ وقت گزارنیکی جگہیں اور تماشا گاہیں موجُود ہیں۔ جہاں دو گھڑی جی بہلا سکتے ہیں۔ یہاں زیادہ ٹھہرنے کا قصد نہیں ہے۔ بلکہ پیر کو انشاء اللہ تعالیٰ ویَینا جائینگے۔ مونٹ بلانک ایک سمت سے خوابیدہ انسان کے چہرے کا جیسا نظر آتا ہے۔ جو وکٹر ھیوگی (فرانس کا ایک مشہور شاعر) کے چہرے سے پُوری مشابہت رکھتا ہے۔ یہ بات ایک صاحب نے ہمیں دکھائی۔ فی الواقع بہت ہی نمایاں مشابہت ہے۔ اگر پہاڑ کے نقشے کو دیکھیں۔ تو چوٹی پیشانی کا آخر حصّہ معلوم ہوتی ہے۔ اور بائیں طرف چہرے کی حدود معلوم ہوتی ہیں۔

| ۱۲۔ اگست ۱۹۰۸ء | رات بھر بآرام تمام سو گئے۔ اور صبح کوئی ساڑھے نو بجے

بھائی اور میں محل کے لئے گھڑیاں خرید لائے۔ تین یا چار اچھے ملے۔ دو جیبی گھڑیاں ہیں۔ ان میں سے ایک جو میں نے اپنے لئے خریدی ہے۔ چوتی سے بھی شاید کچھ کم قد ہوگی۔ اس کا سانچہ بہت عمدہ ہے۔ اس واسطے گراں قیمت ملی۔

یہاں جواہرات کی چیزیں ایسی ہی ہوئی دیکھیں کہ پیرس سے کم نہیں۔



یہ نعمت میسّر ہو سکتی ہے۔

یہاں کُتّے بہت بڑے بڑے دکھائی دیتے ہیں۔ بے اختیار پیار آتا ہے۔ طبیعت کے بہت غریب۔ بالکل بھیڑ بکری کی طرح۔ آنکھیں بھی بہت ہی ملائم اور نرم ہوتی ہیں۔

لوگ بہت ہی کسرتی سُرخ و سفید با اخلاق ہنرمند ہیں۔ اب چاہتی ہُوں کہ یہاں کے گھوڑوں کی تھوڑی خوبیاں بیان کروں۔ یہ بڑے قد کے گول مضبوط تیز قدم جانور ہوتے ہیں۔ پہاڑ پر چڑھنا ان کے لئے کھیل ہے۔ ایک بڑی لینڈو میں ہم پانچ آدمی سوار ہُوئے تھے۔ مگر ان گھوڑوں پر آفرین ہے کہ کس آسانی سے ہم کو چڑھا دیا منظر کا مزا لوٹتے ہُوئے کوئی سوا گھنٹے میں ڈھائی سو فیٹ چڑھ گئے۔ جھیل کے کنارے خوبصورت مانڑلو۔ ویوی۔ ٹیری ٹٹ وغیرہ وغیرہ شہر بسے ہُوئے جن کے نازک مکان عجیب بہار دیتے ہیں اور نظارے کی خوبی کو دس حصّے بڑھا دیتے ہیں۔ سامنے گریانت کا پہاڑ ایک سمت دان دومیڈی کی سفید چوٹیاں۔ نیچے کیطرف گابیوں۔ کو۔ اور سب سے پیچھے روشردی نے ہر ایک اپنی وضع میں لاثانی۔ راستے کس احتیاط سے کاٹے ہیں کہ نہ جنگلوں کو خراب کیا ہے نہ منظر کی خوبی میں فرق آیا ہے۔ مٹی کا رنگ بالکل کھریا جیسا سفید ہے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے ہری گھاس ہی دکھائی دیتی ہے جس پر دُنیا بھر کے رنگوں کے پھُول جو کس محنت اور مشقت سے ہم اپنے باغوں میں جاڑے کے موسم میں لگاتے ہیں تب کہیں جاکر اُگتے ہیں۔ وُہ یہاں بے محنت اُگے ہُوئے ہیں۔ قدرتِ خدا یا داتی ہے جابجا سرو کے جنگل دکھائی دیتے ہیں۔ انکی کتنی قسمیں ہوتی ہیں۔ کوئی سفید۔ کوئی

ہم رات کو یہاں کے کرسال (تفریح خانہ) میں گئے تھے۔ بہت اچھی عمارت ہے۔ اندر ہر قسم کے کھیل تماشے ہوتے ہیں۔ میوزک بھی ہوتا ہے۔ ایک میز پر تمام قمار بازو کے بُت اور کعبتیں نظر آئے۔ سُنتی ہُوں کہ شوقین مزاج اس کا خوب حظ اُٹھاتے ہیں۔ ہمارے پہنچنے تک کئی چھوٹے چھوٹے کھیل ہو چکے تھے۔ مگر ہم نے جو دیکھے وُہ بھی کم نہیں۔ پیرس کی چھوٹی کمپنیاں موسم پر اطراف و جوانب کے شہروں میں گشت لگاتی رہتی ہیں۔ ناچ خوب تھا۔ کوئی پچاس لڑکیاں گلابی لباسوں میں سراپا ملبس طرح طرح سے ناچتی تھیں۔ سٹیج مصنوعی گلابوں اور دُوسری قسم کے پھُولوں کے گجروں کی مہروں سے بہت خوبصورت بنایا تھا۔ ایک وضع ناچ کی عجیب تھی۔ کوئی بیس لڑکیاں خوبصورت لباسوں میں ناچنے لگیں اور ناچتے ناچتے پیچھے پھریں تو دیکھتے ہیں کہ عورتیں غائب غلّہ ہوگئیں اور انکی جگہ مرد نمایاں ہو کر ناچنے لگے۔ بالکل اپنے ہاں کے بہروپیوں کا سوانگ یاد آگیا۔ مگر بڑی خوبی اور صفائی سے مرد بھی بنے تھے۔ دونوں حالتیں خوب تھیں کبھی مرد کبھی عورت جیسا دو رُخا کپڑا۔

دو آدمیوں نے کاغذ سے بہت اچھا کھیل کیا۔ چار پانچ رنگ کے کاغذ لیکر ایک "رومال" بنایا اور پھر اُس کو پھاڑ ڈالا۔ اور بیچ میں سے پکڑ کر لپکا تو رنگا رنگی زینہ بنا۔ ساتھ ہی اس کا جوڑی دار ایک اور شعبدہ کر رہا تھا۔ ایک بڑا کاغذ لیا اور آنکھ پر پٹی باندھی اور اس کاغذ کو تہ کر کے پھاڑنے لگا۔ کوئی دس دقیقہ تک پھاڑا کیا۔ بعد میں کھولا تو عُمدہ جالی دار ٹیبل کور (میز پوش) تیار تھا۔ اِس کے بعد کچھ کسرت کا دَور رہا۔ چبوترے پر جا کر ہم نے خوب شربت پیا اور تازہ دم ہو گئے۔

۱۴۔ اگست ۱۹۰۸ء | صبح سے کوئی خاص کام نہیں کیا۔ مطلع کی صفائی ہمارے

ہم سیر کے لئے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مضبوط بڑھیا اور ایک شخص خوب لڑ رہے تھے۔ عورت کی پیشانی سے خون جاری تھا۔ اور مرد کو بھی عورت نے کچھ کم زخمی نہ کیا تھا۔ اُن کے قریب ایک صاحب اور بی بی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے ان دونوں کو الگ کیا۔ مگر بہت مشکل ہوئی۔ اس کا اثر ہم پر بہت خراب ہوا۔ ہم تو سمجھے تھے کہ یورپ ان ناشائستگیوں سے آزاد ہے۔ مگر انسان کی فطرت میں جو باتیں ہیں وُہ بیشک تربیت سے کم ہو سکتی ہیں۔ لیکن مٹنا غیر ممکن ہے۔

۹۔ اگست سنہ ۱۹۰۸ء حضور سے رخصت ہو کر (کیونکہ وُہ تشریف نہ لائے) سٹیشن پر گئے۔ اور اس عجیب ٹرین میں سوار ہو کر سب سے اُونچے حصّے میں پہنچے۔ سوا گھنٹے میں ساڑھے چھ ہزار فیٹ بلندی پر قدم رکھا۔

گلیون تک تو اسی سیدھی ریل میں گئے۔ وہاں اُتر کر اس دُوسری عجیب ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ اس گاڑی کو ریک اینڈ پینن کہتے ہیں۔ اس کے دونوں طرف معمولی پاٹے ہوتے ہیں۔ اور بیچ میں ایک تیسرا پاٹا دانت والا ہوتا ہے۔ جس میں تمام وقت ایک قسم کی کھٹا مٹی بھرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ تاکہ پھسل نہ جائے۔ جُوں جُوں بلندی پر چڑھتے گئے۔ منظر کی خوبی بڑھتی گئی۔ مگر بعض مقامات پر کہرا بھی پڑتا ہوا دیکھا ہوا میں نہایت درجہ خُنکی پیدا ہو گئی۔ درخت۔ منظر۔ پھول۔ تمام کشمیری سامان تھا۔ صرف یہ فرق کہ یہاں جو شہر ہیں۔ نفیس اور خوبصورت عمارات سے معمور ہیں۔ اور اس کے برعکس کشمیر میں غلاظت خانے موجود ہیں۔ ورنہ منظر کی خوبی نہ معلوم کس میں زیادہ ہے۔ یہاں ہر عمدہ جگہ ایک شاہانہ ہوٹل بنا دیا ہے۔ جہاں سب طرح کا آرام مسافروں کو مل سکتا ہے۔ ان باتوں کا سچا عیش ان ملکوں میں ہے۔ سفر کرنا ایک لُطفِ عظیم ہے۔ کسی

عطیہ کے متعلق اچھی خبریں پلابمئے سے آتی ہیں - وُہ لکھتی ہیں کہ یہ جگہ مختلف
امراض کے لئے شفا بخش ہی - دُور نزدیک سے امیر آتے ہیں - اور اکثر اچھے ہو کر
جاتے ہیں - لکھتی ہی کہ اس جگہ کو پہلے جن لوگوں نے ڈھونڈھا وُہ رومن لوگ تھے -
قُدرتی آبشاروں کی خاصیت کو انہیں لوگوں نے جانچ پڑتال کر کے سمجھ لیا - کوئی
پچاس سے زیادہ ایسے گرم پانی کے آبشار ہیں - جو اندرونی امراض کے لئے مجرّب
ثابت ہو چکے ہیں - اس شمار سے کوئی دو ہزار برس پہلے ان چشموں کو ایسے ڈھب سے
بنایا ہے کہ شدید طوفان یا بارش میں بھی ایک آبشار کا پانی دُوسرے آبشار سے نہ ملے
اس بات کی احتیاط کے لئے جس وضع سے بند باندھے ہیں آج کے زمانے میں
بھی اس پر کوئی اصلاح نہیں کر سکتے ہیں - بلکہ حیران ہیں - عطیہ لکھتی ہے کہ میں نے
یہ سب علاقے بچشم خود دیکھے لکھتی ہی کہ کائی جم گئی ہے - پتھر گھس گئے ہیں - مگر اب تک
ایک پتھر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا - حال کے زمانے میں ڈاکٹروں نے سب پانیوں کا
امتحان کیا اور سب کو الگ خاصیت کا پایا - واقعی کمالیت سے رومن لوگوں نے
تمام آبشاروں کو علیحدہ رکھکر پابند کیا ہے - دُوسرے یہ بھی لکھتی ہی کہ اس چھوٹی سی جگہ
یعنی پلابمئے میں بھی پُوری فیشن کی پابندی چلی جاتی ہے - گویا بیمار بھی فیشن سے ہوتے
ہیں - اور اچھے بھی فیشن کو مدّ نظر رکھ کر - علیٰ ہذالقیاس ہر بات میں فیشن کے دلدادہ
اور گرویدہ ہیں - جب تک جان ہے تب تک فیشن کی آن ہی - مگر اس وضع خاص
کے دلدادہ گروہ میں بھی بعض کار گزار بیبیاں نہایت عمدہ دستکاریاں کرتی ہوئی
دکھائی دیتی ہیں - اچھے اچھے لباس پہنے ہوئے ہنسی مذاق کرتی ہُوئی - غرض یہ
کہ عمدہ نظارا دکھائی دیتا ہے - اب میں پھر اپنا تجربہ بیان کرتی ہُوں - جنیوا میں

چُپ چاپ اور پُرامن رہتا ہے۔ یہ موسم زیادہ بلند مقامات کی سیر کا ہے۔ ہم لوگ بالکل غیر معمولی موسم میں آئے ہیں لیکن مَیں تو اپنی قسمت پر شاکر ہُوں۔

۶۔ اگست ۱۹۶۱ء | رات بھر تھوڑی تھوڑی بارش رہی۔ صُبح کو چاروں طرف کہرا اُڑتا دکھائی دیا۔ ہَوا میں خنکی ہے۔ عطیہ۔ الحمدللہ۔ خاطر خواہ ترقی کر رہی ہے۔

بارش ہُوا اور کہرا خوب بھر گیا ہے۔ ہوٹل کے مہتمم اس ہَوا اور سماں پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ بھائی نے پُوچھا کہ کیا تم لوگوں کو یہ ہَوا پسند آتی ہے تو کہتے ہیں۔ ہاں بہت اچھی ہے"۔ اور ایک دو روز اسی طرح ہَوا رہی تو بلند مقامات کے ہوٹلوں سے مُسافر دوڑ کر نیچے چلے آئینگے۔ تب ہماری چاندی ہی چاندی ہوگی۔ اِس لئے یہ ہَوا ہم لوگوں کو پسند آتی ہے!! غور کیجئے کسی کی شادی اور کسی کا غم! ہر ایک کو اپنے مطلب سے کام ہے۔ اگر ایسی ہَوا رہی تو کومو پر رہنے کا خیال چھوڑ دینا ہوگا۔ یہاں گلاب بہت ہی عُمدہ قد و قامت اور رنگ ڈھنگ کے خوشبودار ہوتے ہیں۔ کلیاں تو ایسی ہوتی ہیں کہ دِل کی کلی کھل جاتی ہے۔ پتّے اور ڈنڈیاں سُرخ۔ سامنے کے چبوترے پر ایک بڑا درخت ہے۔ جس پر نہایت بڑے بالکل موم جیسے سفید پھول لگتے ہیں۔ پھُول کی وضع اتنی خوبصُورت ہے کہ مَیں کیا تعریف کروں۔ خوشبو بھی دلاویز۔ پتّے بڑے بڑے سبزی رنگ کے ہوتے ہیں۔ شام کو گاڑی میں سوار ہو کر خوب لمبی سیر کر کے آئے۔ مانترو وغیرہ کے تمام چھوٹے چھوٹے شہروں میں گزرے ایک سڑک ہے جو کنارے کے قریب سے گزرتی ہے۔ شہر اور پہاڑوں کا اچھا منظر دکھائی دیتا ہے۔ یہ جتنے شہر ہیں اُن میں بیسیوں ہوٹل چھوٹے بڑے عالیشان اور شاہانہ طرز کے بنے ہوئے ہیں۔ گویا یہ کہنا چاہیئے کہ ہوٹلوں کا شہر ہے۔ اس

گوبھی کے رنگ کا۔ کوئی گہرا سبز۔ کوئی ہلکا دھانی۔ کوئی نگینہ جیسا۔ کوئی جھالر جیسا۔ ایک قسم بالکل برما کی عمارتوں سے مشابہ ہے ( ) یعنی کسی قدر اس خاکہ کے نمونہ کا۔ خدا تعالےٰ نے جتنی عمدہ چیزیں تھیں تو سب اس ملک کو عطا کی ہیں۔ مختلف مقامات پر آبشار اور جھرنے بہہ رہے ہیں۔ جنکی سریلی آواز سے ہم بیخود ہو رہے تھے۔ گاڑی کی سڑک کے اوپر بجلی کی ٹرام ہے بجلی تو ان لوگوں کے لئے کھیل ہے۔ یہ بھی معقول اونچائی تک چلی جاتی ہے جس کے اوپر ایک ہوٹل ہے۔ جس کو ہوٹل دی نارسس (نرگس ہوٹل) کہتے ہیں۔ کیونکہ بعض موسم میں لاکھوں نرگس کے پھول اطراف میں ہوتے ہیں۔ یہاں تک ہم پہنچے۔ مگر ان گھوڑوں کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کچھ چڑھائی چڑھے۔ گئے تو گھوڑے پر نیچے۔ سبحان اللہ! عجب قدرت خدا نظر آئی ہے۔ آتے وقت خوب پیدل چلے۔ کھانے کے وقت ٹھیک واپس آئے۔

۱۲۔ اگست ۱۹۱۰ء | حسب مقررہ تاریخ کے بعد اس مقام کو چھوڑ کر بہت آرام سے اگبوٹ کا سفر کرتے ہوئے جنیوا آ پہنچے۔ اثنائے سفر میں منظر کا مزا خوب لوٹا۔ یہاں ہم ہوٹل دی لا پارک میں مقیم ہیں۔ بندرگاہ سے بالکل قریب ہے۔ ٹیری ٹیٹ کے اعلیٰ ہوٹل کے بعد یہ بالکل پسند نہیں آتا۔ یہ ہوٹلوں کا شہر نہیں ہے صرف ایک اس سے کسی قدر بہتر ہے جو آجکل بھرا ہوا ہے۔ وہاں جگہ نہ ہونے کے سبب یہاں قیام کیا۔ یہاں سے مونٹ بلانک کا (جو الپس کی مشہور چوٹی ہے) اچھا نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ اور جھیل کا بھی۔ اگبوٹ سے ہم نے اس پہاڑ کو نہایت عمدہ طور سے دیکھا۔ تمام الپس کے پہاڑوں سے اونچا ہے اور برف سے بالکل سفید ہو رہا ہے۔

اور اسی کے سہارے چڑھتا اُترتا ہے۔ تاکہ پھسلے تو بھی اٹکا رہے۔ فوراً نیچے نہ چلا جائے۔ ہر لحظہ پہیوں کو فولاد کے ہُوک یعنی آنکڑے پڑتے ہیں۔ بیس سال ہُوئے بنی ہے۔ پُورا پُورا حفاظت کا انتظام ہے۔ آگے خدا کی مرضی۔ کہتے ہیں۔ کہ اس عرصے میں کبھی کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ ایسے کاموں میں سوئیس لوگ بڑے ہوشیار ہیں۔ یہ ریل کس طرح چڑھتی اُترتی ہے۔ اس کا نقشہ یہاں موجود ہے۔ گلیوں ہوٹل سے اطراف کے مناظر نہایت عُمدہ دکھائی دیتے ہیں۔ گلیوں کے بعد دو درجے اور بلندی پر ہیں۔ جو کسی وقت جا کر دیکھینگے۔ فی الحال وہاں کے باغ کی خوب سیر کی۔ نہایت عُمدگی سے پھُولا پھلا ہے۔ یہ باغ دیکھکر اپنے احمد گنج کے باغ کا خیال آیا اور حسرت ہُوئی کہ افسوس ترک باغبان مرگیا۔ ورنہ میرا بھی باغ اسی نمونے پر ہوتا۔ یہاں کے گاؤں میں تو کچھ دم نہیں۔ مگر باغ میں چھوٹی چھوٹی حکمتوں کو دیکھ کر عش عش کرنے لگی۔ سب دیکھ بھال کر اسی طرح ٹرین میں سوار ہو کر واپس ہوٹل پہنچے۔ اُترتے وقت بھی ذرا بے چینی نہ ہُوئی۔

۵۔ اگست ۱۹۰۸ء | ساڑھے تین بجے کے قریب اسی عجیب ٹرین میں گلیوں سے ایک اور بھی زیادہ بلند مقام کو پر گئے۔ مطلع ابر آلود تھا۔ یہاں کے لوگ فرانس والوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور تنومند معلوم ہوتے ہیں اور بڑے محنت کش ہیں۔ تین چار زبانیں یہاں بولی جاتی ہیں۔ کیونکہ سوئٹزرلینڈ کے چوطرف اور مُلکوں کی سرحدیں ملی ہُوئی ہیں۔ مثلاً جرمنی کی سرحد پر جرمن زبان بولتے ہیں۔ فرانسی سرحد پر فرانسیسی زبان بولی جاتی ہے۔ اور اس طرف کی سرحدوں پر الگ الگ بولی ہے۔ اس سبب سے یہاں کی زبان عجیب کھچڑی بنگئی ہے۔ اس مقام یعنی (Caux.)

بات کی تکلیف نہیں۔ نہ کچھ تیاری کرنے کی ضرورت۔ اٹھو اور چل دو۔ ایک مقام پر گائوں کا ریوڑ چرتے دیکھا۔ جن کے گلوں کی گھنٹوں کی خوش آئند آواز سنائی دیتی تھی۔ جو کانوں کو بھلی معلوم ہوتی تھی۔ افسوس کہ بوجہ اتوار اس قدر لوگوں کا ہجوم تھا کہ ان کی دو ٹرینیں بھری ہوئی اس قسم کی اوپر گئیں۔ رو تشر پر اُترتے ہی ایک اور اونچائی ہے۔ وہاں چڑھے مگر کہرے نے منظر کو بالکل پوشیدہ کر دیا تھا۔ اس واسطے حسب دلخواہ قدرت کا نظارا صفائی سے نہ دیکھ سکے اور بہت مایوس ہوئے۔ کیونکہ اسی اشتیاق میں یہاں آئے تھے۔ کسی نے چاء پی۔ کسی نے آرام لیا۔ پھر مَیں تو پھولوں کی تلاش میں نکلی۔ گل زیرہ۔ فراموشس مکن۔ بیوبیلز وغیرہ وغیرہ قسم قسم کی گھاس بھی جمع کر کے چلے۔ سب سے اونچی چوٹی پر ایک سوئس پہاڑی شخص۔ پھول کیشمو (ایک قسم کا ہرن) اور بھی الپس کی چیزیں فروخت کر رہا تھا۔ اس کے پاس سے ایڈلوائس کے پھول خریدے اور سوا گھنٹے کے بعد اسی ریل میں سوار ہو کر نیچے گئے بے شک خنکی سے دل بہت خوش ہوا تھا مگر منظر نہ دکھائی دینے کی مایوسی ساتھ لیکر آئے۔ کوئی چار گھنٹے میں ایسی بلندی پر چل کے آنا حیرت خیز ہے۔ اس زمانے میں ہر بات کی سہولت ہو۔ آن کی آن میں کہاں سے کہاں تک جا کر سیر کر آسکتا ہو جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کے ہر شہر میں ایک عمارت ہوتی ہے۔ جسے کرسال کہتے ہیں۔ یہ ایک خوبصورت عمارت ہوتی ہے جس میں کھانے کے بعد لوگ جمع ہوتے ہیں۔ دو گھنٹے عمدہ میوزک ہوتا ہے۔ کچھ کافی۔ بیئر وغیرہ بھی پیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایک ملنے کی جگہ سب کے لئے ہے۔ ہم وہاں جا کر میوزک سُنکر بہت خوش ہوئے۔ انگلینڈ میں پانچ شلنگ دیں تو بھی یہ میوزک میسر نہ ہو سکے اور یہاں اس آسانی سے ہر کسی کو

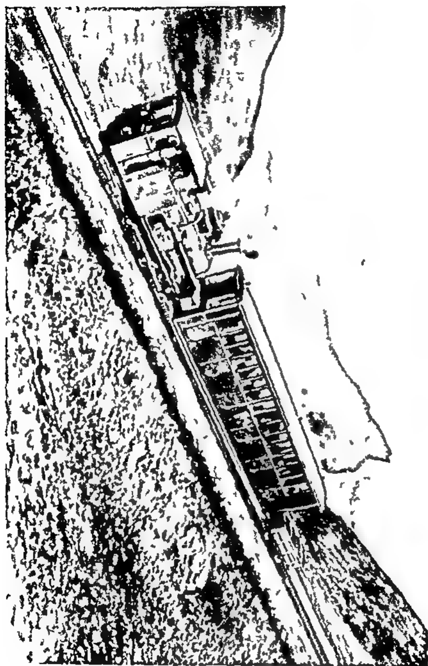
سے ظاہر ہے کہ لوگوں کی آمد و رفت بکثرت ہے۔ سُنتی ہوں کہ یہ خاصہ ذریعہ معاش کا ہے۔ اور ملکوں سے لکھو کھا لوگ آکر یہاں روپیہ چھوڑ جاتے ہیں۔ ہر ایک چیز مسافروں کے آرام و آسائش کے لئے بنی ہوئی ہے۔ علاوہ ان ہوٹلوں کے صاف ستھرے چھوٹے چھوٹے نہایت خوبصورت مکانات بنے ہوئے ہیں۔ یہ بھی بڑے بڑے ہوٹلوں کے متعلق ہیں۔ اگر کسی کو بڑے ہوٹلوں کی گڑبڑ ناپسند ہو تو ان میں قیام کر سکتے ہیں۔ کھانے پینے کا انتظام اپنا کرلیں۔ یا ہوٹل سے بندوبست کرلیں۔ غرض دلکش بنانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا ہے۔ یہاں کے لوگ اور ملک بہت غریب ہے لیکن ہنروری میں کسی سے کم نہیں۔ عمدہ سے عمدہ گھڑی یہاں بنائی جاتی ہے۔ لکڑی کی نقش کاری کے اعلےٰ نمونے تیار ہوتے ہیں۔ ہاتھی دانت کی صدہا چیزیں بنتی ہیں۔ مکانات چھوٹے چھوٹے خوش وضع بنے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں کم و بیش اس کی نقل کرتے ہیں۔ جنہیں ہوس کو ٹیج کہتے ہیں۔

کج بھائی اور میں مانٹریو جا کر خوب خریداری کر کے آئے۔ یہاں کے پہاڑوں میں سے طرح طرح کے عقیق اور لاجورد وغیرہ پتھر نکلتے ہیں۔ اس کے بہت خوبصورت زیور بنتے ہیں۔ بیان نہیں کر سکتی کہ کس نفاست سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں نے بھی یہ چیزیں خریدیں۔ بڑی دلکش اور لطیف چیزیں ہیں۔ ہاتھی دانت افریقہ سے آتا ہے۔ اس کے گلدان ایسے نادر بنے ہوئے دیکھے کہ سُبحان اللہ! ہاتھی دانت کے گلاب کے پھول گویا اپنی نقل کہ اصل کا دھوکا ہوتا ہے۔ اسی طرح گلابی مائل عقیق جس کا رنگ بہت ہی خوشنما ہوتا ہے۔ مشہور تمثالوں کی نقلیں بھی ہاتھی دانت کی بنی ہوئی نہایت عمدہ دیکھیں۔

یہاں پہنچتے ہی ہم نے ناشتہ منگوایا۔ نہایت لذیذ دو قسم کا شہد عمدہ روٹی۔ تین چار قسم کا خالص دودھ۔ کافی مکھن۔ بڑے شوق سے اور نہایت اشتہا کے ساتھ بڑی خوشی سے کھایا۔ کھانا بھی نہایت صاف ستھرا فرینچ وضع کا۔ صفائی کی وجہ سے شوق سے کھا سکتے ہیں۔ آرام لیا۔ سفر کے غبار کو دور کیا۔ پھر شلان کا محل دیکھنے گئے۔ جس گاڑی میں ہم گئے۔ اس کے گھوڑے بہت ہی عمدہ تھے۔ واقعی یہاں کے گھوڑے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ فرانس کے مریل گھوڑوں کے بعد انکو دیکھنا اچھا معلوم ہوا۔ خیر وہاں پہنچے اور اندر داخل ہوئے۔ یہ قلعہ بہت پرانا اور چھوٹا سا ہے۔ اس میں بونیوارد نامی ایک ریفارمر کو مدتوں تک اس کے چچازاد بھائی ڈیوک آف سیولئے نے قید رکھا تھا۔ کیونکہ اس نے ڈیوک کی مخالفت کی تھی۔ ایک طرف کا حصہ زمین پر ہے۔ دوسری طرف کا پانی میں۔ ہر ٹولی کے ساتھ دکھانے والی رہنما ایک عورت ہوتی ہے۔ تمام تاریخی واقعات وہ بیان کرتی تھی اور ہر کمرہ کو بتاتی جاتی تھی۔ باہر آ کے چھوٹی سی دکان میں سے کارڈز خریدے اور لکڑی کی چھوٹی چھوٹی چیزیں جن پر قلعہ کی تصویریں نقش کی ہوئی تھیں۔ نہایت صاف اور کم قیمت ہوتی ہیں۔ قلعہ جانے سے پیشتر ایک جگہ پر بہت اچھی چاپی۔ ہم نے دیکھا کہ تین پیالے رکھے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے کہ ہمارے ہوٹل کے مہتمم نے تار سے خبر دیدی تھی کہ پرنس آنے والے ہیں۔ ان کے لئے چار تیار رکھنا۔ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ ایسی عمدہ چار ملی کہ لنڈن چھوڑنے کے بعد کہیں نصیب نہ ہوئی تھی۔ قلعہ چھوڑ کے آگے بڑھے۔ راستے میں کئی چھوٹے چھوٹے قصبے اور گاؤں دکھائی دیئے۔ کوئی آٹھ دس ہیں۔ جنکی آبادی سولہ ہزار ہے۔ ان سب کا مجموعی نام مانٹریو ہے۔

جس کا تلفظ کو ہے) پر ایک عمدہ ہوٹل ہے۔ یہاں یہ بڑی خوبی ہے۔ کہ ایسے ایسے اونچے مقاموں
پر بھی آسائش گاہ موجود ہے۔ اس حکمت کی ریل گاڑی سے ہم چھبیس منٹ میں بآسانی پہنچے۔
اتنی بلندی سے نظارے کی کیفیت کا کیا پوچھنا ہے۔ یہاں کے ہوٹل میں تین سو کرے
ہیں۔ یہ جگہ دیکھ کے جی یہی چاہتا ہے کہ تھوڑے روز یہاں آکر رہیں سنتی ہوں
کہ مہاراجہ بڑودہ دو مہینے یہاں آکر رہے تھے۔ بجلی تو یہاں ایک کھیل ہے۔ تمام تر بری
پھول یہاں موجود ہیں۔ گلرگ کی طرح پھولوں کے بچھونے بچھے ہوئے ہیں۔ پائن کی صاف
خوشبو انسان کو بیخود کرتی ہے۔ سچ کہ لوگ عقلمند ہیں جو دور دراز سے دوڑ دوڑ کر آتے
ہیں۔ سب دیکھ بھال کر واپس آگئے۔ ٹرین کی رفتار گھوڑا گاڑی کی سی ہے۔ نیچے
آکر جی چاہا کر مانٹرو کا علاقہ دیکھ لیں۔ مگر بارش کی آمد نے روک دیا۔ اور کھانے
تک وقت چبوترے پر گزارا۔ خاصہ چھوٹا سا طوفان تھا۔ بوندیں بھی پڑنے لگیں مگر
چونکہ فاصلہ پر تھا۔ اس لئے ہم کو کچھ بہت احساس نہ ہوا۔ اب یقین ہے کہ صبح کوئی پہاڑوں
کی چوٹیاں برف سے سفید ہونگی۔ یہاں عجیب عجیب قسم کے سرو دکھائی دیتے ہیں۔
جی یہی چاہتا ہے کہ اپنے احمد گنج کے باغ میں اس کے پودے پہنچا دوں۔ رنگ اور
اُگنے کی وضع نرالی ہے۔ دل خوش ہوگیا۔ اگر تخم ہم پہنچ گئے۔ تو بہتر ہوگا سُنتی ہوں کہ
ماہ مئی میں گل نرگس اس قدر افراط اور خوبی سے اُگتے ہیں کہ ہزارہا لوگ صرف انہیں
دیکھنے کی تمنا میں آتے ہیں۔ آج اس قدر اعلیٰ درجے کی اور خوشبودار گلابی لگائی
کروا واہ۔ یہاں انواع واقسام کے کام بنتے ہیں۔ اس میں ہاتھی دانت کے
گلاب نہایت عمدہ بنائے جاتے ہیں۔ رات کو یہاں بہت ہی سنسان ہوتا ہے اور دن
کو اس وقت خوب چہل پہل ہو جاتی ہے جب ٹرین یا آگبوٹ یا ٹرام جاتی ہے ورنہ عموماً

پیرس و لنڈن سے بھی زیادہ آرام دہ اور خوش منظر یہ کمرے ہیں۔ اُن شہروں میں ایسے مناظر
قدرت کا ملنا بھی مشکل ہے۔ ہمارے علاقے میں دو دوہرے بیڈ روم ہیں۔ دو اکہرے
اور ایک گول کمرہ۔ اور ہر ایک کے مقابل چھوٹے چھوٹے دل پسند برآمدے ہیں۔
یہ جھیل جسے لیک آف جینوا یا لیک لیمن کہتے ہیں۔ نہایت بڑی ہے۔ اور مانٹرو
کے قریب تیری ٹے نامی جگہ پر تالاب کے کنارے کے قریب ہمارا ہوٹل واقع ہے۔
یہاں کے شہروں کی عجیب قطع اکثر چھوٹے چھوٹے گاؤں اس طرح بسائے ہیں کہ
جھیل کے بالکل کنارے پر ایک قطار چھوٹے بڑے مکانوں کی ہے۔ ان سے ذرا
بلندی پر ریل کی سڑک ہے۔ اس کے بعد اور اونچائی پر ایک اور سڑک ہے جس پر بجلی
کی ٹرام چلتی ہے۔ اور سڑک کے بعد اور زیادہ بلندی پر مکانات بنے ہوئے ہیں
اس قطار میں ہمارا ہوٹل بھی ہے۔ تو گویا اتنی بلندی پر ہے کہ مذکورہ بالا تمام چیزیں
اس کے نیچے ہیں اور سڑک کے اس پار ہوٹل کا ٹیرس یعنی چبوترہ ہے۔ جس کے
نیچے سے ٹرین اس حصے میں سے گزرتی ہے۔ تمام ہوٹل اور چبوترہ بجلی کی روشنی
سے روز رات کو چمک اُٹھتا ہے۔ بلکہ دن ہو جاتا ہے۔ جب جی چاہتا ہے اس
چبوترے پر چلے جاتے ہیں۔ باغات اور تالاب کا عمدہ نظارہ دکھائی دیتا ہے
جھیل کے چاروں طرف بڑے چھوٹے پہاڑ ہیں۔ ہمارے ہوٹل کی کھڑکی میں سے
داہنے ہاتھ کی طرف شہر مانٹریو تصویر کی طرح خوبصورت نظر آتا ہے۔ جو جھیل کے کنارے
سے شروع ہو کر کسی قدر بلندی تک بسا ہوا ہے۔ اس مُلک کے مکانوں کی وضع
خوبصورت ہوتی ہے۔ شہر مانٹریو کا عکس کنارے کے صاف شفاف بلور جیسے
پانی میں پڑتا ہے۔



روانہ ہوئی۔ اس سے جُدا ہونا بہت شاق گزرا۔ اس کے ساتھ ماں موزیل بھی لینے گئی ہی۔ اُمید ہے کہ اس کی صحت کو پورا فائدہ ہوگا۔ خدا اس کا نگہبان رہے۔

کچھ خریداری کی۔ جُوں توُں کر کے باقی کا دن ختم کیا۔ عطیہ کا بعافیت پہنچنے کا تار بھی آگیا۔ الحمدللہ۔

پیاری بہن جان! دُنیا میں پیرس بہشت ہی۔ مگر میرا خیال ہی کہ اپنا وطن جہاں اپنے عزیز ہوں سب بہشتوں پر فوق رکھتا ہے۔

یہ خیال دل کو اُبھارتا ہے کہ جو وقت بھی گزرتا ہے آپ لوگوں سے ملنے کی گھڑی نزدیک تر آتی جاتی ہے۔ ابھی سے دل میں ولولے پیدا ہونے لگے ہیں۔

۴۔ اگست ۱۹۰۸ء | صبح تمام اسباب بند کر دیا۔ رات کو دس بجے گاڑی میں سوار ہونگے۔ اب یہاں حقیقت میں دل نہیں لگتا۔ پانچ ہفتے گزر چکے۔ خوب دیکھا بھالا اور سیر کی۔ سوا بارہ بجے فاضل وشرام ملاقات کو آئے تھے۔ دُنیا بھر کی باتیں کیں۔ زنگبار کے سلطان کی ایجنسی انہی کے ذمہ ہے۔ اپنی تجارت بھی کرتے ہیں۔ زنگبار کے سلطان پچیس ۲۵ برس کے ہیں لیکن عجب وحشیانہ طبیعت ہی۔ اگرچہ تربیت یورپ میں پائی ہے۔ لیکن جبلی خصلتیں بھلا کہاں جا سکتی ہیں۔ جہاں دیکھو مسلمانوں کے نرالے ڈھنگ دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ کیسے رنج کی بات ہے۔

دو روز ہوئے ایک جوان تُرک ملنے آیا تھا۔ بھائی اُن سے ملے تھے۔ معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ کی حالت نہایت درجہ ابتر ہو رہی ہے۔ ایک گھڑی کا امان نہیں بلکہ خوف ہی کہ کہیں بلوہ نہ ہو جائے۔ اگر جلد یہ غبار فرو نہ ہوا تو وہاں چلنے کا خیال بہ مجبوری چھوڑ دینا ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تب تو مجھے بڑا رنج ہوگا کہ میں اپنے مولد

اور ان ہی قصبوں میں سے ایک میں ہمارا ہوٹل ہی۔ جس کا نام ٹیری کاٹے ہی۔ یہاں کی گائیں کیسی اچھی ہوتی ہیں۔ اور دُودھ بھی بہت ہی اچھا دیتی ہیں۔

عطیہ کا خط آیا۔ اُس سے اسکی خبر ملی۔ جس ہوٹل کا انتظام اُس نے کیا تھا وُہ ٹھیک نہ نکلا اور دُوسرا ایک اچھا مکان ہے۔ اس میں کمرہ لیا ہے۔ احاطہ بڑا ہی ڈاکٹر کو دکھایا اور علاج معالجہ شروع ہو گیا۔ ایک جگہ گرم پانی کا چشمہ ہے جس میں جابجا نل لگے ہوئے ہیں۔ وہاں ایک عورت گلاس لے کر کھڑی رہتی ہی۔ اس پا سے بہت تھوڑا پانی بیتی ہے۔ وُہ لکھتی ہے کہ ہر مرض کے لئے خدا پلا میجئے اور فرانس کے اطراف میں الگ الگ خاصیت کے چشمے جاری ہیں۔ جن کو بہت ہی خوبی اور صفائی سے با ترکیب نل کے ذریعہ سہولت کی غرض سے قریب لائے ہیں۔ جو عورت پانی پلاتی ہے۔ وُہ سرکار سے معین ہے۔ پینے والوں کو کچھ دینے کی ضرورت نہیں۔ کاش ہندوستان کے بعض مقامات کے گرم چشموں کا بھی ایسا ہی عمدہ انتظام ہو۔ کیونکہ کئی مقامات پر ہیں۔ گر اتنی غلاظت ہوتی ہی کہ کون وہاں کا فائدہ لے سکے۔ ہَوا کی بھی بڑی تعریف لکھی ہی۔ خدا فائدہ دیوے۔ آمین

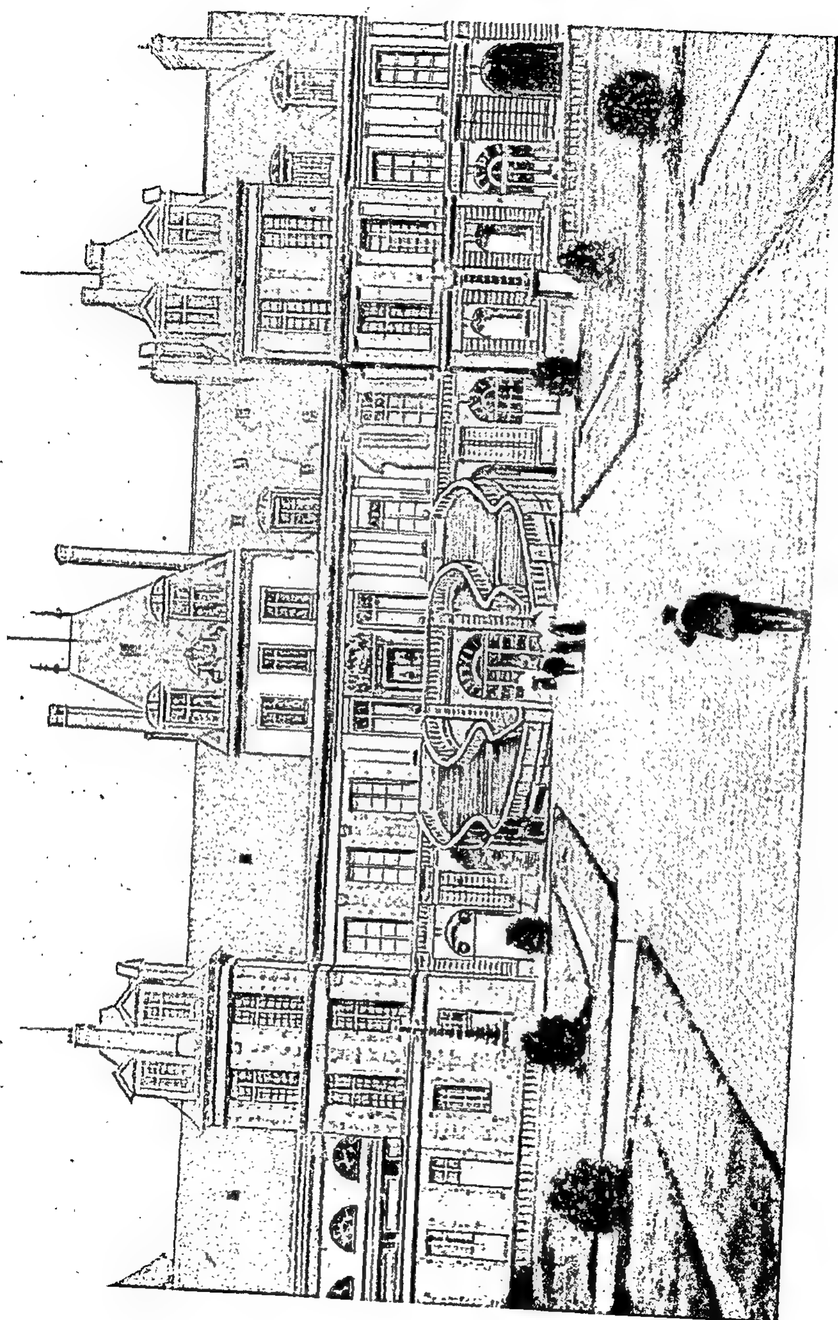
شام کو چار بجے کے قریب ہم سب اس عجیب صنعت کے نمونے یعنی ریلوے میں سوار ہوئے اور گلیوں پر چڑھتے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ٹرین کا بیان کس طرح کروں جو آپ لوگوں کی سمجھ میں آئے۔ بالکل سیدھی پہاڑ پر چڑھتی ہے۔ گر بیٹھنے والوں کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ڈبہ آڑا ہوتا ہے۔ لمبائی چوڑائی کی طرف اور چوڑائی لمبائی کی طرف۔ اس ڈبے میں ہر بیٹھک پر پانچ آدمی بیٹھتے ہیں۔ ایک ہی ڈبا چڑھتا ہے اور ایک ہی اترتا ہے۔ موٹی موٹی فولادی رسیوں سے آگے پیچھے بندھا ہوا ہوتا ہے

اب جھیل کا کچھ حال سناتی ہوں۔ جس رنگ کی روشنی پڑتی ہے۔ اسی کے مطابق عکس دکھائی دیتا ہے۔ کبھی سبز کبھی نیلگوں۔ کبھی پگھلا ہوا فیروزہ ایسی رنگ آمیزی کہ سبحان اللہ۔ ان تصویروں میں جو رنگ ہیں۔ ان میں ذرا بھر بھی مبالغہ نہیں ہے۔ آسمان کا عکس بلا کم و کاست گرتا ہے اور یہی حالت پیدا ہوتی ہے۔ جو تصویر میں ہے۔ بائیں جانب بھی بہت سی خوشنما چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ شاتو ہی شلان ایک بہت پرانا قلعہ ہے جسکی بابت بائرن شاعر نے اشعار لکھے ہیں۔ اس کا تفصیل سے ذکر پھر کروں گی۔ دور فاصلے پر ان دو میدی کا پہاڑ۔ جس کی بالکل دانت جیسی نوکیں ہیں۔ وہ بھی نظر آتا ہے۔ اس پر جابجا برف پڑی ہوئی ہے۔ سامنے گریانٹ کا پہاڑ ہے۔ جھیل کا تمام کنارہ متفرق آبادیوں سے پُر ہے۔ شہر جینوا ٹرین میں ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ اگبوٹ میں بھی یہ سفر ہو سکتا ہے۔ مگر چار گھنٹے لگتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ سفر نہایت دل پسند ہوتا ہے۔ ہمارا ارادہ اگبوٹ کی راہ جانے کا ہے اور ٹرین سے واپس آنے کا۔ ہوا نہ گرم ہے نہ سرد۔ جہانتک نگاہ پہنچ سکتی ہے۔ پائن کے جنگل بالکل سرسبز دکھائی دیتے ہیں۔ ایک حد تک کشمیر کے منظروں سے ملتے جلتے ہیں۔ اور پھل پھول بھی اسی طرح جنگلوں میں موجود ہیں۔ شفتالو۔ ندہ دالو۔ گلابی سیب وغیرہ وغیرہ سے درخت جھکے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ہر قسم کے پھول بڑے بڑے درختوں کی آڑ میں اُگے ہوئے ہیں۔ جہاں ذرا بھی خالی جگہ ملی۔ کسانوں نے انگور کے کھیت تیار کر دیئے جن پر ہزاروں خوشے لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہوٹل سے لگی ہوئی پہاڑی ریل ہے جو پیچھے کے پہاڑ پر چڑھتی ہے۔ گلیون کوئی بارہ سو فیٹ بلند ہے۔ آٹھ منٹ میں چڑھ جاتی ہے۔

کے دیدار سے محروم رہی۔ خدا کرے سب شر و فساد مٹ جائے۔

آج نہایت روشن اور سرد دن ہے اور دل خوش کن ہوا چلتی ہے۔ پانچ بجے موسیو آئے اور ہم سب بوادی ونسان دیکھنے گئے۔ یہ ایک اور جنگل پیرس کے بالکل دوسری جانب ہے۔ شہر سے اتنے قریب ایسے قدرتی ٹکڑے بھی رہنے دیئے ہیں۔ تاکہ لوگوں کے لئے تفریح کی جگہ ہو۔ گاڑی میں بیٹھ کر خوب سیر کی اور کھانے کے وقت واپس ہوٹل آئے۔ کھانا کھا کے بروقت سٹیشن پر پہنچے۔ اور خوبصورت پیرس کو الوداع کہا۔ یہ خیال ذرا افسردہ کر رہا تھا کہ یہاں کیسے کیسے اچھے لوگوں سے شناسائی ہو گئی تھی۔ اور کس طرح ہنسی میں وقت گزرا تھا۔ کئی دوست وداع کرنے کو آئے۔ سب کو خدا حافظ کہا۔ اور سوار ہو گئے۔ سلینگ برتھ لئے تھے۔ مگر یہ ویسے پُر آرام نہ تھے۔ جیسے مارسیلز سے پیرس آتے وقت لئے تھے۔ تو یہ وہ عجیب الپیدہ بنانے والی چیز تھی۔ اور یہ آرام دہ۔ نہ ویسے ہچکولے تھے نہ ویسے بند کر دم گھٹنے نیند تو کیا آ سکتی مگر آرام سے وقت کٹ رہا ہے۔

۳۔ اگست ۱۹۱۰ء صبح کے نو بجے اس جنتی مقام پر پہنچ گئے۔ میں کیا بیان کروں کہ کتنی دلفریب جگہ ہے اور مناظر قدرت کیسے ہیں۔ یہ کسی شاعر مزاج کا کام ہے کہ پورا پورا خاکہ اتار دے۔ اپنے کمزور قلم میں وہ روانی کہاں سے لاؤں۔ جو اس کی قدرتِ کاملہ کا بیان کر سکوں۔ یعنی وہ بیان جو میرے دل میں ہے جس کا پورا اظہار امر محال ہے۔ اس ہوٹل میں کمرے بہت عمدہ ہیں۔ بالکل نئے ڈھب کے فرنیچر سے سجے ہوئے ہیں۔ اور تمام رائج الوقت راحت رسانیوں کے سامان سے آراستہ۔ ہر کمرے کے ساتھ کل ضروریات کی اشیا مثلاً گرم پانی وغیرہ ہر وقت موجود



اِن تمام جگہوں کو دیکھکر یہ بھی خوشی پیدا ہوتی ہے کہ ہماری ریاست میں بھی خدا کے دیئے ایسے ایسے قدرت کے نمونے موجود ہیں جو بلا مبالغہ کم نہیں۔ بلکہ بعض درخت اور منظر یہاں سے بہتر ہیں۔ لیکن بڑا فرق یہ ہے کہ یہاں اُن کی نگہداشت ایسی ترکیب سے کی جاتی ہے کہ حالت اصلی سے دُگنی چوگنی رونق پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم پلیٹ فارم پر منتظر کھڑے تھے۔ کہ استنے میں کہا گیا کہ دُور ہٹ کے کھڑے ہو۔ ہم ہٹ گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک ٹرین جو اسّی میل فی گھنٹہ کے حساب سے جا رہی تھی۔ اِس طرح نظروں سے آن کی آن میں اوجھل ہو گئی کہ ہم کچھ سمجھے بھی نہیں کہ کیا ہوا بیشتر اس کے کہ ہم آگاہ ہوں۔ ٹرین کا نشان تک بھی غائب! اس ٹرین کو پیرس ایکسپرس کہتے ہیں۔ کاؤنٹ سے معلوم ہوا کہ یہ ٹرین سب سے زیادہ تیز چلنے والی ہے۔ اِس لئے اُس کے چلانے والے کے اعصاب پر اتنا زور پڑتا ہے کہ منزل مقررہ پر پہنچنے تک تین یا چار بدلے جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو دُور ہو جانے کو اس لئے کہتے ہیں کہ پہلے پہل جب یہ جاری ہوئی تو لوگ بے خیالی سے نزدیک کھڑے رہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی آدمی ہوا کی لپیٹ اور ٹرین کی کشش سے کھنچ کر پہیوں کے درمیان گر پڑے اور کٹ گئے۔ یہ سُنکر ہمارے مُنہ کھُلے کے کھُلے رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ اتنی سُرعت کے ساتھ ہلتی بہت کم ہے۔ کچھ دیر طرفین کے خدا حافظ کہنے میں لگی۔ بالآخر مہربان میزبانوں کا دل سے احسان مانتے ہُوئے ٹرین میں سوار ہو کر پیرس چلے آئے۔ بڑے خلیق لوگ ہیں۔ انکے برتاؤ سے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسوں کی جان پہچان ہے۔

یکم اگست ۱۹۱۱ء | صبح سے بڑی پریشانی رہی۔ پیاری عطیہ گیارہ بجے پلاٹ سے

مادام منٹیناں لوئی پانزدہم کی معشوقہ کا کمرہ دیکھا جس میں اعلیٰ دستکاری کے نمونے نظر آئے ۔ ماری آنٹوانٹ کا کمرہ جس میں عجب حسرت برستی تھی ۔ اس خیال سے کہ نہیں کس طرح دار پر چڑھایا تھا ۔

کتب خانے میں نپولین کا راضی نامہ دیکھا جس میز پر لکھا ہوگا ۔ اس میں مارے غیظ و غضب کے چھُری چبھو دی تھی جس کا گہرا نشان موجود ہے ۔ عجیب و غریب اشیا میں موتیوں کا جھاڑ دیکھا جس کی قیمت حال کے زمانے میں ایک ملین کیجاتی ہے ۔ اسی جھاڑ کے درمیان چھوٹے ناریل جتنا بڑا گیند موتیوں کا لٹکتا ہے ۔ بہت ہی نادر چیز ہے ۔ یہ کمرہ جس کی تصویر بھیجتی ہوں ۔ ہنری دوم نے ڈائنا دی پوائٹی کے لئے آراستہ کروایا تھا ۔ یہ انکی معشوقہ تھی ۔ ہر جگہ پر دونوں کے مونوگرام ملے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ ایک کمرے میں ایک چوکھٹا تھا ۔ جس میں ٹیپسٹری جڑی ہوئی ہے اور اس کے مقابل اسی کی ایک رنگین تصویر ہے ۔ ٹاپسٹری کا کمال سوچئے کہ دونوں چیزیں نقشی معلوم ہوتی تھیں ۔ اور ہم تو یہی سمجھے کہ دونوں دستی تصویریں ہیں ۔ اس کمالیت سے ٹاپسٹری بنائی ہوئی تھی ۔ کس غضب کا دستکاری کا نمونہ ہے جو سوائے گابلین کے روئے زمین پر اور کہیں نہیں بنتا ۔ نسلاً بعد نسلٍ خاندان کے خاندان اس ہنر کو کرتے چلے آئے ہیں ۔ جنکی قدر و قیمت ان ہی شاہان فرانس نے کی ۔ بہت ہی اعلیٰ درجے کی ٹاپسٹری دیکھنے میں آئی ۔ گابلین کے غالیچے بھی جابجا کمروں میں پڑے ہوئے دیکھے ۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے بادشاہوں نے اس محل پر بے شمار دولت خرچ کی ہے اور قیمتی اسباب اور آرائشی سامان سے اسے سجایا ہے ۔ افسوس کہ تماشائی ہاتھ لگا لگا کر برباد کر رہے ہیں ۔ ایک کمرے

آیا۔ عطیہ اپنی صحت کے لئے ہفتہ کے دن پلا بیے جاتی ہے۔ جہاں ڈاکٹر سیگان کی مشورت ہے کہ بھیجی جائے۔ بڑی قیل و قال کے بعد یہ مقرر کیا کہ عطیہ ایک معتبر بی بی کے ساتھ جائے اور علاج کرے۔ اس کو اس طرح بھیجنا مجھے بہت ناگوار معلوم ہوتا ہے مگر کیا چارہ خدا اس کی زحمت کو دور کرے۔ آمین۔ اور ہم اتوار کو انشاء اللہ تعالیٰ سوئزرلینڈ جائینگے۔ مادام دوسیون اور مادام دان پراگ کی مدد سے ایک لائق بی بی دستیاب ہوگئی ہیں جو عطیہ کے ساتھ جائینگی۔ خدا اس کو فائدہ بخشے۔ آمین۔ عطیہ کو اس جگہ اکیس روز رہنا ہوگا۔ یہ میعاد تمام ہونے کے بعد پیرس واپس آکر ڈاکٹر سیگان کو دکھانا پڑیگا جیسا سیگان خیال کرتا ہے۔ اتنا فائدہ ہوا تب تو بس ایک نسخہ دے دیگا۔ اور وہ ہمارے ساتھ جہاں ہم ہونگے شامل ہو جائیگی۔ انشاء اللہ۔ دعا ہے کہ حسب دلخواہ فائدہ ہو۔ پلا بیے میں اچھے ہوٹل میں دو کمروں کا انتظام کیا ہے۔ امید کہ عطیہ کو آرام ہوگا۔ عطیہ اور اگا سکر اوپیرا میں گئے ہیں۔ اس کی طبیعت ذرا سست تھی۔ ولیم ٹیل کا قصہ تھا۔ یہ وہ قصہ ہے جو پیاری اماں جان آپکے پاس رائل ریڈرز میں پڑھا کرتے تھے۔

پیرس میں کیا جوتے بنتے ہیں کہ دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ ابھی دو جوڑے میرے لئے آئے یہاں کے عمدہ جوتوں کی عادت ہو جائے تو پھر کہیں کے پسند نہیں سکتے شام کو ہم سب مسٹر وان پراگ کے یہاں چار نوشی کے لئے گئے تھے۔ رات کو مادام دوسیان نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ بی بی جو عطیہ کے ہمراہ پلا بیے جانے والی ہیں وہ بھی آئی تھیں۔ اچھی تجربہ کار معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں دیکھ کے ایک گونہ اطمینان ہوا۔ مادام کو میں نے ایک خوبصورت لیس کا ٹکڑا سعید احمد بیگم کے ستور کا دیا وہ اس ہندوستانی دستکاری کو پاکر بہت خوش ہوئیں۔ بڑی مددگار نیکدل بی بی ہیں۔

میں وُہ آئینہ دیکھا جو دُنیا میں سب سے پہلے بنایا گیا تھا۔ ایک میز دیکھی جو ایک ہی تنے سے گول کاٹی ہُوئی تھی۔ اس کا قطر کوئی آٹھ فیٹ ہوگا۔ وُہ درخت خدا جانے کتنا ہوگا جس میں سے یہ میز بن سکی! اس پر مجھے یاد آیا ہے کہ شانتیکی کے محل میں بھی ایک میز رکھی ہُوئی تھی۔ جو انگور کے تنے سے کاٹی گئی تھی۔ اس کا عرض تین بالشت اور طول ڈیڑھ گز ہے۔ دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ کہ وُہ کیا بیل ہوگی۔ جس کا یہ تنہ ہوگا۔ خوب پھر پھرا کر ہم لوگ محل کے اس حصّے میں آئے۔ جہاں لوئی فلپ (شاہ فرانس) نے پُورا ناٹک گھر بنوایا تھا۔ بادشاہ کے دیکھنے کی جگہ الگ ہے۔ شہزادوں کے لئے بھی درجہ بدرجہ نشستیں بنی ہُوئی ہیں۔ کہتے ہیں کہ صرف آٹھ دفعہ یہاں تماشا ہُوا۔ نپولین سوم کے وقت میں بھی تماشا ہُوا تھا۔ اس کے بعد بالکل بند ہوگیا۔ پھر نہ کھلا۔ اب بھلا کون کام میں لاسکتا ہے۔ شاہی شوق کا ایک نمونہ باقی رہ گیا ہے۔ کوئی دو ڈھائی گھنٹے کے بعد پھر ہوٹل واپس آئے۔ یعنی کاونٹس سکے ہاں۔ اس وقت کا ونٹ آ چکے تھے۔ بڑے خاندانی اور لائق شخص ہیں۔ اس جمہوری حکومت کے بالکل خلاف ہیں۔ محل کی بابت گفتگو نکلی۔ تو میں نے افسوس ظاہر کیا کہ سب لوگ ہاتھ لگا لگا کر خراب کرتے ہیں۔ تو جواب دیا کہ ہاں گورنمنٹ کو ان چیزوں کی ذرا بھی قدر یا پروا نہیں۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ سب برباد ہو جائے تو بہتر تاکہ شاہی نام و نشان مٹ جائے۔ اپنی شادی کا ذکر کرتے تھے۔ کہ لندن میں ہُوئی تھی۔ کیونکہ جمہوریت کی وجہ سے ہر ایک مرد موسیو اور بی بی مادام کہلاتی ہے۔ جو خطاب یافتہ لوگوں کو بہت ناگوار گذرتا ہے۔ کیونکہ سیکڑوں سال سے نسلاً بعد نسل خاندان میں خطاب چلے آئے ہیں۔ اب کس طرح چھوڑنا ممکن ہے۔ اگر عند یہاں ہوتا تو جبرًا

خدمت کے لئے ملازم رکھتے ہیں۔ تاکہ عمدہ عمدہ لباس پہن کر بیبیوں کے دلوں کو
اسیر کرلیں۔ قاعدہ ہے کہ اکثر ذرا اچھی شکل کی چنچل چلبلی عورتیں اس کام کے لئے پسند
کیجاتی ہیں۔ اور یہاں تک موزونیت کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جس لڑکی کے کالے
یا گہرے رنگ کے بال اور آنکھیں ہوتی ہیں۔ اس کو اس کی رنگت کو ابھارنے والی
وضع اور رنگ ڈھنگ سے لباس پہنایا جاتا ہے۔ بہت ہی کمال سے بال چہرے
کے بنائے ہوئے اور کمریں کسی ہوئیں۔ جوتیاں بھی عین فیشن کا نمونہ یعنی سراپا ایسا
کہ بے اختیار دل کو لبھائے۔ اور جھٹ پٹ حکم نافذ کیا جائے۔ جب ہم دیکھ
چکے تو ماؤموزل نے کچھ گٹ پٹ کی اور وہاں سے نکل گئے۔ بالکل ایک دلچسپ
تماشا گویا دیکھا۔ ہنسی ضبط کرنا مشکل تھا۔ وہاں سے نکل کر ایک اور اسی قسم کی دکان
میں گئے۔ ماؤموزل نے کہا کہ یہاں کچھ کم عمدہ لباس نہیں بنتے ہیں۔ لیکن قیمت
وہاں سے آدھی لیتے ہیں۔ یہاں بھی اسی طرح لے جاکر ایک عمدہ کمرے میں بٹھایا
جو بالکل کسی محل کے قابل تھا۔ ان باتوں میں یہ لوگ کتنا روپیہ صرف کرتے ہیں۔ یہاں
مہتممہ کے ساتھ ماؤموزل نے باتیں شروع کیں۔ اس نے اول تو بہت سے لباس
لالا کے دکھائے۔ بعد میں نے اپنا شوق ظاہر کیا کہ مجھے وہ خاص قسم کا لباس
دیکھنا ہے جس کا آجکل غضب کا شور ہے۔ یہ کہنے سے ایک لڑکی ویسا پہن کر
آئی۔ اس زمانے کی فیشن دار عورت کے جسم میں پیٹ کا حصہ گویا ہوتا ہی نہیں۔
خدا جانے کس طرح اور کیونکر اپنی ہیئت ایسے بنا سکتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا
جس لباس کا میں ذکر کرتی ہوں اُسے ٹینگرا کہتے ہیں۔ اس کی صفت یہ ہے کہ اتنا
چپکا ہوا لباس ہوتا ہے کہ جسم کی کل حرکت اچھی طرح نظر آتی ہے۔ جیسے مرغابیوں

۳۱۔ جولائی ۱۹۰۸ء آخر قسمت میں تھا کہ فانتان بلو بھی دیکھ لیں۔ سویرے کوئی دس
بجے بھائی۔ عطیہ۔ ڈاکٹر صاحب اور میں اس عجیب بلو کو دیکھنے کی ہوس میں نکلے۔
رات کو عطیہ نے کاؤنٹس دی پیریسی کو لکھا تھا کہ ہم لنچ آپ کے ساتھ کھائینگے۔ وہاں
پہنچکر ہم نے کھلوایا۔ تو فوراً بلوائے گئے۔ کاؤنٹس تھیں۔ کاؤنٹ کہیں گئے ہوئے
تھے۔ لیکن اُن سے معلوم ہوا کہ رقعہ نہیں پہنچا تھا۔ کس مدارات سے یہ بی بی پیش آئی
ہیں۔ اور ہم سب کو اپنا مہمان بنایا۔ یہ ہوٹل جہاں یہ لوگ قیام پذیر ہیں بالکل نیا بنا
ہوا ہے۔ عام ڈائننگ رُوم میں اچھا لنچ کھایا۔ نہایت درجہ خلیق اور ملنسار بی بی ہیں۔
لنچ کے بعد یہاں کا محل دکھانے کو لے گئیں۔ عطیہ کی طبیعت ذرا سُست تھی۔ اس
وجہ سے آرام کُرسی پر لٹا کر بارہ تمام جریدوں اور اخباروں کے انبار کے درمیان چھوڑا
بہت افسوس ہوا کہ عطیہ ساتھ نہ آسکی۔ یہ محل نہایت قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے۔ فرانس
اوّل کے زمانے میں بُنیاد پڑی۔ اس وقت کے بنے ہوئے حصوں کی دیواریں دس
دس بارہ بارہ فیٹ موٹی ہیں۔ اندرونی آرائش نہایت تعریفی ہے۔ ہنری چہارم اور
اسکے خاندان کے لوئی دوازدہم نے اور ترمیم کی۔ نپولین سوئم نے اور بھی افزائش کیں
اور بہت سا روپیہ صرف کیا۔ کئی مشہور تاریخی واقعات یہاں پر ہو گزرے ہیں مثلاً
نپولین اعظم نے جوزفین کو یہیں طلاق دی۔ اور آپ اسی محل میں شاہی حکومت سے
استعفا دیا۔ اس کے سوا بہت سے تاریخی وقوعات ہو چکے ہیں۔ ہر ایک چیز کی تاریخی
ماہیت سے کاؤنٹس بخوبی واقف تھیں۔ جس سے دوگنا چوگنا لطف آیا۔ لیکن اُن کو تو
یہی افسوس رہا کہ میں انگریزی سے اتنی شناسا نہیں جو پوری طرح سمجھا سکوں۔ اس کا جواب
تو یہ ہے کہ اتنی کارروائی کرسکتی تھیں کہ ہم اچھی طرح سمجھ سکے۔ کئی شاہی کمرے دیکھے۔

سان نزرمان (یہ ایک اور شاہی محل ہے) دیکھنے گئے۔ ایک گھنٹے کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا چبوترہ ڈیڑھ میل لمبا ہے۔ اور کس خوبی سے بنایا ہے۔ کہتے ہیں کہ جیسا یہاں سے منظر وغیرہ دکھائی دیتا ہے۔ ویسا اور کہیں سے نظر نہیں آتا ہے۔ یہاں بھی دیر سے پہنچنے کے باعث محل نہ دیکھ سکے بند ہو گیا تھا۔ پادلیاں ہنری کینز (ہنری چہارم کی بارہ دری) میں گئے۔ جو فی الحال قہوہ خانہ ہے۔ پہلے اس بادشاہ کا محل تھا۔ اس کا برآمدہ نہایت عمدہ ہے۔ اور پیر کا روز ہونے کی وجہ سے سوائے دس پانچ آدمیوں کے اور کوئی اس میں نہیں تھا۔ کھانا تازہ ہو کر باغ کی سیر پیدل کی۔ پہلے اس مشہور چبوترہ پر گئے۔ جہاں سے نادر منظر دکھائی دیا۔ اندرونی حصوں میں نہایت آراستہ باغ بنا ہوا ہے۔ یہاں کے جنگلوں میں بھی جابجا لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور قہوہ خانے آباد تھے۔ جس کا فائدہ یہ لوگ لئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے درختوں کے سائے میں بہت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ یہاں ایک بات دیکھی کہ ہر ایسے باغ میں کسی بڑھیا نے ایک چھوٹی سی خوبصورت دکان سجا دی ہے۔ جس میں بچوں کے لئے مٹھائی اور ہر قسم کے کم دام کھلونے ملتے ہیں۔ اور اس طرح چھوٹی سی تجارت سے اچھا نفع اُٹھاتی ہے۔ کوئی بچہ اگر اپنا کھلونا گھر بھول آتا ہے تو اس کی اماں اس کے مشغلے کے لئے گیند یا چھوٹی سی بالٹی یا غبارے یا ہوپ (چکر) خرید دیتی ہے۔ تاکہ ماں اپنا کام کر سکے۔ ان باغات میں اکثر عورتیں گھنٹوں سینا پرونا کاڑھنا وغیرہ سے اپنی آمدنی میں افزائش کرتی ہیں۔ کھانے کے وقت کہیں کھا لیا اور بچے کھیلا کرتے ہیں۔ اس طرح صاف شفاف ہوا کا فائدہ ملتا ہے۔ تندرستی بڑھتی ہے۔ اور بچوں کے ساتھ ہونے سے دل لگا کر اور بے فکری سے کام کر سکتی ہیں۔

کی ساریاں۔ چست موزے پہلے پہن لیتے ہیں۔ اور اُوپر سے صرف ویسا لباس
شریفوں نے اس لباس پر بہت اعتراض کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شریف زادیاں اب
کم پہنتی ہیں۔ مگر ایکٹرسیز البتہ پہنتی ہیں۔ پیکان کے یہاں سب قسم کے لوگ لباس بنواتے
ہیں اور اس دُوسری جگہ پر یعنی ب تے کے ہاں ایسے ویسے ما وشما کے حکم لینے ہی نہیں
یہاں مالک نے بہت کوشش کی کہ مَیں ایک لباس بنواؤں۔ ایک سیاہ لباس واقعی
نہایت خوبصورت تھا۔ اس کے اُوپر کے حصے پر تمام نقلی فیروزوں سے کام کیا تھا۔
مگر یہ دیکھنے کا تھا کہ کس خوبی سے رنگ آمیزی کی تھی۔ نہایت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ یہاں
سے ختم کر کے بوشراں جوہری کے ہاں گئے۔ وہاں بیسیوں قیمتی تاج دیکھے۔ بعض میں
جواہرات ایسی طرز سے جڑے تھے کہ اُن کی مینھک معلوم ہوتی ہی نہیں۔ کیسے کیسے بےنظیر
واہ واہ! اس کی نزاکت اور خوبصورتی کا کیونکر بیان ہو سکے۔ پچاسی ہزار فرانک ۸۵۰۰۰
قیمت تو بہت لرزاں تصور کیجاتی ہے۔

وہاں سے نکل کر نوتردام مشہور کلیسا دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ مادموزیل لے گئیں
ہم ایسے وقت وہاں پہنچے کہ اس قدر اندھیرا تھا کہ اندر کی کاریگری اور خاصکر کے وہ مشہور
رنگین شیشوں کی کھڑکیاں صاف نظر نہ آئیں۔ مگر پھر بھی جتنا دیکھ سکے نہایت نادر اور عجیب
خوشنما رنگوں کا تال میل دیکھا۔ آسمانی اور جامنی رنگ کو واقعی خوبی سے ملایا ہے۔
اندر سے کچھ کچھ ویسٹ منسٹر ابی کی وضع سے ملتا جلتا ہے۔ مگر یہ بہت بہتر حالت میں
محفوظ رہا ہے۔ یہاں کے پتھر اس طرح گھس نہیں گئے۔ کیونکہ یہاں نمی کم ہے۔ افسوس یہاں
تصویریں ہم نہ پا سکیں۔ ورنہ ضرور بھیجتی۔

۲۹۔ جولائی سنہ ۱۹۰۶ء | پیاری اماں جان۔ پیرس میں ہم خوب ٹھہرے۔ آخر اب تفرقے کا وقت

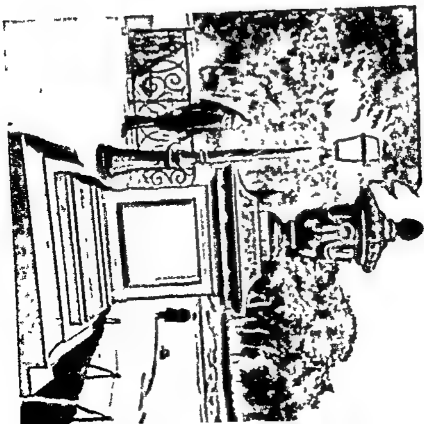
غریبوں کے لئے واقعی رحمت ہے۔ جب ہم باغ کو دیکھ چکے تو جنگل کی ہوس پیدا ہوئی۔ چونکہ راستے عمدہ بنے ہوئے ہیں۔ موٹر میں سوار ہو کر جنگل کی سیر کی۔ پیدل چلنے کے لئے بہت سا وقت چاہئے۔ اور چلنے والے شوقین ہوں تو کیفیت آسکتی ہے۔ جنگل کو منتظم رکھنے کے ہنر میں یہ لوگ طاق ہیں اور سب پر گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ خوب سیر کی اور نیا تجربہ حاصل کر کے واپس آئے۔

۲۸ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء | مادموزیل ہیرل ہم کو پانچ بجے میکاں (یعنی لباس کے بنانے والے فیشن کے موجدوں میں سے ایک) کے ہاں لے گئیں۔ یہ دکان اتنی مشہور ہے جتنی ورتھ کی۔ امریکنوں کے لئے خوب روپیہ صرف کرنے کی جگہ ہے۔ ان لوگوں کو ایک ایک معمولی لباس کے لئے سو سے دو ہزار فرانک پھینک دینا ذرا بھی ناگوار نہیں پڑتا۔ خیر بالاخانے پر لیجا کر ایک نہایت آراستہ کمرے میں ہم کو کوچ پر بٹھا دیا اور پھر مادموزل نے کہا تو یکے بعد دیگرے نازک اندام لڑکیاں عجیب و غریب لباس پہنے ہوئے اتراتی ہوئی خود نمائی کے لئے موجود ہوئیں۔ اور ہمارے سامنے آکے چہل قدمی کرنے لگیں۔ مجھے تو بہت ہنسی آئی۔ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے مور اترا رہے ہیں۔ ہر ایک لباس کی بناوٹ اور دست کاری دیکھ کر ششدر رہ گئی سچ یہ ہے کہ دیکھنے پر موقوف ہے۔ ہر ایک کے لئے مادموزیل کے پاس موزوں کلام موجود تھے۔ جب کوئی درجن بھر لباس سے زیادہ اس طرح ہم نے دیکھے تو پھر مجھ سے کہنے لگیں کہ اور دیکھنے ہیں یا بس۔ میں نے کہا کہ بس مہربانی۔ ہر ایک کی قیمت پوچھی تو کوئی لباس بارہ سو فرانک سے کم قیمت نہ تھا۔ اب ان استاد دکان کے مالکوں کی ہوشیاری یہ ہے کہ موزوں اندام لڑکیوں کو اسی

میں ڈوبے ہوئے۔ جس کی مہک سے جی چاہتا تھا کہ اس کی اچھی طرح خبر لی جائے۔
رومال بادامی رنگ کا۔ صاف عیاں تھا کہ خوشبو خانے سے سیدھا چلا آرہا ہے۔
اور تمام سنگھار پر فوق تو اس کا امریکن تلفظ تھا۔ جو چیز اور بھی متنفر بنا رہی تھی۔ صاف
ظاہر تھا کہ نہایت متمول ہیں۔ شاید پہلی دفعہ پیرس میں آئے ہیں۔ اور ہنس کی چال
چل کے اپنی بھی بھولے ہیں۔ نیپال والے اوپر بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد چلدیئے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو کتنا لطف آیا ہوگا۔ اسی میوزک کو سنکر لوگوں پر عجیب حالت
طاری ہو رہی تھی۔ کوئی دونوں ہاتھوں سے اپنے متاثر چہرے کو چھپا رہا تھا۔ کوئی گردن
نیچے جھکائے سر کو ہاتھوں پر ٹیک رہا تھا۔ مگر ہم تھے جو صرف کانوں سے سن رہے تھے۔
اور آنکھوں سے لوگوں کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ کم علمی اور حسرت کا نمونہ بنے بیٹھے تھے۔

۲۶۔ جولائی ۱۹۰۸ء ترکستان میں آخر دستوری حکومت قائم ہوگئی۔ سلطان المعظم
عبد الحمید خان نے کمال کیا۔ بغیر زیادہ شور و شر کے یہ کام ہوگیا۔ ایسا بڑا انقلاب
اس قدر چپ چاپ ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام شریک نہ ہوتے تو یہ کام نہ ہو سکتا۔
پیکن سے پیرس تک موٹر کار کی شرط ہوئی۔ اس کا اختتام دیکھیں کیا ہوتا ہے۔
سنتے ہیں کہ آج کار یہاں پہنچیگا۔ گزشتہ سال کی شرط ایک رشین شہزادی جیت گئی۔
تلک کو قید میں ڈالا۔ اس پر تمام ہندوستان اچھل پڑا۔ خدا اس فساد کو جلد
رفع کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

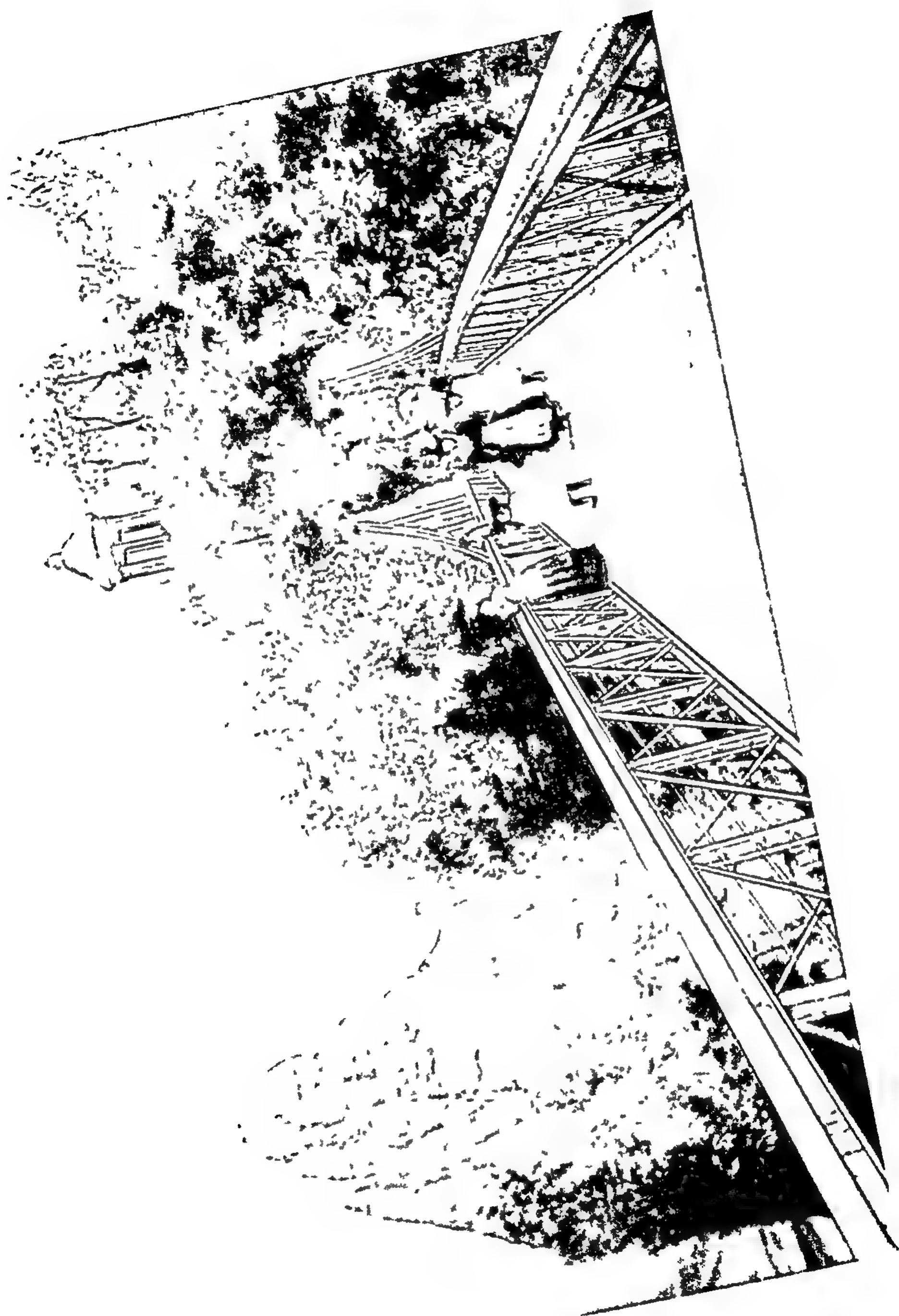
بہن نسیمہ خاتون کا بیاہ لندن میں قرار پایا ہے۔ دولہا بھی ہندوستان
سے آیا ہے۔ اس موقع پر ہم لوگوں کو بھی بڑے اصرار سے بھائی قمر الدین (دولہا
کے والد) نے دعوت دی ہے۔ مگر ہم نے بوجہ عدیم الفرصتی شرکت سے عذر کر دیا



چھانتا (ہم اُردو جانتا بہت اچھّا جانتا) ماں کی دیکھا دیکھی اس کی دونوں بیٹیوں نے بھی سوچا کہ ہم بھی اپنی معلومات کے موتیوں کو بکھیر دیں تو زبانِ حال سے کہتی ہیں "ہم اُسکو چھانتا" (ہم اس کو جانتا) نینیٹو کی بدولت ان لوگوں کو اتنی ندامت ہُوئی کہ فوراً اُردو شروع کر دی۔ بیچاری کسی عہدہ دار کی بی بی تھیں۔ لاہور میں کپورتھلہ والوں سے ملنا ہُوا تھا۔ تو یہاں برندا کو ملنے کے لئے آئیں۔ لیکن ان فرینچ شوخ و شنگ بیبوں کے لباس اور دلکش وضع کی برابری کیا کر سکیں۔ اتنا ہی فرق تھا کہ جیسے نجدی گھوڑا اور کاٹھیاواڑی۔ ایک تو یوروپین مغربی عورت اس پر پچیس ۲۵ برس ہندوستان کی خاک چھانی ہُوئی "سونے پر سہاگہ" مغرب اور شرق کا اثر پیدا ہو کر طرفہ معجون بنتی ہیں۔ ہندوستان میں تو ہم کو عادت ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسے مجسّم نمونوں کو پیرس میں دیکھنا سچی آزمائش ہے۔ اور خصوصاً ماڈموزیل ہیرل کے سامنے جو عجیب دلکش نمونہ ہے۔ تمام و کمال خوبصورتی اور دلاویزی ایک فرینچ عورت کی سی ہے۔ زبان کی لطافت۔ فصاحت اور ہوشیاری ایک امریکن لڑکی جیسی۔ حجاب اور نرمی ایک مشرقی عورت کی سی۔ ماڈموزیل اپنے والدین اور دو بہنوں کے ہمراہ اکتوبر میں ہندوستان جانیوالی ہیں۔ پیاری اماں جان آپ لوگوں سے بھی ملینگی۔

۲۵ - جولائی ۱۹۰۸ء

کل شام کو حسبِ قرار داد مادام برکن اپنی دوست کو لیکر آئیں ماڈموزیل ہیرل بھی آئیں۔ اور دوسری بھی کوئی تھی۔ سب کے ساتھ بوا دی بولان کے پری کیاٹلان میں گئے۔ پیشتر بھی اس جگہ آنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اچھی طرح ناشتہ کیا۔ لباس اور زیورات کو خوب گھورا۔ بیکاری کا مشغلہ۔ رات کو مادام دوسیان



ازاں قاسم شاہ خدا حافظی کو آئے۔ عجب حالت ہے توبہ! توبہ!! - جمعہ کو کارلسباڈ سے روانہ ہونگے۔ خدا خیر سے وطن پہنچائے۔

کاؤنٹس پراکوتال کے یہاں گئے۔ ہمیشہ جمعرات کو اُن کے یہاں خوب مجمع ہوتا ہے۔ کاؤنٹ کاؤنٹس۔ بیرن۔ بیرونس وغیرہ وغیرہ موجود تھے۔ اچھا وقت گزرا۔ وہاں ایک نرالی چیز دیکھی۔ کاؤنٹس کی دستکاری ایک طرف رکھی ہوئی تھی۔ جو وُہ آپ کرتی تھیں۔ کیا نوبی پر کشیدے کا کام اِن سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کمرے میں بڑی چھ سات چوکیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جن پر اسی قسم کے کشیدے کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ جو انہی کے ہاتھ کا کام تھا۔ زمین ایک رنگ کی اور اس میں بیل بوٹے وغیرہ دُوسرے رنگ کے۔ اسی طرح ایک ایک کرسی ایک ایک مہینے میں تیار کر ڈالی ہے۔ اب بڑے کوچ کے لئے آپ کاڑھ رہی ہیں۔ ایک ٹکڑا تیار ہوا اور اُنہوں نے فرنیچر والے کے پاس بھیجکر کرسی پر جڑوا دیا۔ میں نے کئی مکانوں اور دکانوں میں اس قسم کا سامان دیکھا تھا۔ جس کا بھید آج معلوم ہوا۔ میں بھی تھوڑے سے لیتی آؤنگی۔ تاکہ خانہ زاد لڑکیوں سے کڑھواؤں۔ نہایت خوبصورت اور ہنرمندی کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔ نازک رنگوں سے بھرے ہوئے بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

۲۴ - جولائی سنہ ۱۹۰۸ء

عزیزان من خط لکھنا اور بھیجنا بھی بڑا کام ہے۔ کیونکہ وقت کم خواہش بہت اور شہر گردی۔ ملاقاتوں۔ دعوتوں وغیرہ وغیرہ سے فرصت پانا۔ کارے دارد۔ اب تک ہم پیرس میں اصل ارادے سے زیادہ ٹھہر گئے۔ بہت ہی چمکتی دھوپ اور دلپسند سردی ہے۔

دونوں چلی گئیں۔ میل کے خطوں کی دو دن تک راہ دیکھی۔ کیونکہ سب کو ہفتہ کے دن وصول ہو گئے مگر ہم خوش قسمتوں کا نصیبا اب تک جاگا نہیں ہے۔

۲۲۔ جولائی ۱۹۰۸ء آخر آج صبح صبر کا عوض پایا۔ یعنی آپ سب عزیزوں کے محبت نامے وصول ہو گئے۔ شکر الحمد للہ۔ اس میل میں ایک پارسل روانہ کرتی ہوں۔ جس میں چند دوپٹے بنے بنائے تیار لئے تھے وہ روانہ خدمت ہیں۔ ان کا عرض و طول ہمارے لئے بہت ہی موزون ہوتا ہے۔ یہ لوگ اسے سکارف کہتے ہیں۔ جو اکثر موٹر سواری میں میمیں لپیٹ لیتی ہیں۔ تاکہ گرد و غبار سے بال اور چہرہ محفوظ رہے ان کے کام میں ہمارا بھی کام نکلتا ہے۔ امید ہے کہ آپ لوگ بھی پسند کرینگے۔ پیارے آصف کے لئے ایک قسم کے نب یعنی زبان قلم بھیجتی ہوں۔ اس میں یہ خوبی ہے کہ اگر سیدھے معمولی طریقے سے اُسے ہولڈر (زبان گیرا) میں بھر کر لکھا جائے تو عمدہ انگریزی لکھ سکتے ہیں۔ اور اگر اُسے اُلٹا پکڑ کے لکھیں تو اردو خوشخط لکھ سکتے ہیں۔ ان دو صفتوں سے موصوف ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ بڑی خوشی سے برتیگا اور پسند کرے گا۔ ہمارا لندن میں کھینچا ہوا گروپ آگیا۔ بہت اچھا اور صاف ہے اور ہر ایک آدمی کامل ہے۔ ذرا مبالغہ نہیں سب قدرتی وضع سے اُترے ہیں اور پھر خوبی یہ ہے کہ رنگین ہے۔ آپ لوگ دیکھ کر یقین ہے پسند کرینگے۔ لندن کی عمدہ یادگار رہے گی۔

آجکل ہمارے ہوٹل میں قاسم شاہ آئے ہوئے ہیں۔ اُنکی طبیعت از حد خراب رہتی ہے۔ عنقریب ہندوستان جانے والے ہیں۔ اُن کی حالت دیکھکر افسوس ہوتا ہے۔

چار بجے مادام وسیّاں کی دعوت میں گئے۔ بیچاری نے اور دس بارہ مہمانوں کو بلایا تھا۔ اچھا ناشتہ تیار کیا تھا۔ چھوٹا سا پر سلیقہ مکان ہے۔ ہندی اشیا

کے ہمراہ بیت الطرب (یعنی اوپیرا) میں گئے۔ مشہور و معروف واگنر کا کھیل لوہنگرن نامی
ہو رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے چار کھیل ہیں۔ جب چاروں کو دیکھو تو پورا قصہ سمجھ میں آتا
ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ بہت تھوڑا میری سمجھ میں آیا۔ اس میوزک کو سمجھنا بڑا کام
ہے۔ اتنا ثقیل ہے کہ نیند آجاتی ہے۔ بلکہ کیا کیا ہوجاتا ہے۔ لیکن وجد میں آتا ہے۔
مطلب یہ کہ مختلف اثر پیدا ہوتے ہیں۔ سمجھنے کی کوشش میں کامیابی اور ناکامی
کی حالت پیدا ہوجاتی ہے۔ ناسمجھی کی حالت میں بھی کیفیت رہی اور یقین ہے کہ
زیادہ سمجھ پیدا ہونے سے اس کی حقیقی خوبی کو سمجھ سکیں۔ اور یہ بات زیادہ سننے
سے پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے قریب ایک امیر کی بی بی بیٹھی تھیں۔ اس کا لباس نہایت
درجے پُرسلیقہ اور قابل تعریف تھا۔ اس کے پاس ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ وضعدار
جوان تھا۔ اس مرد کی قطع بیان کرنے کو جی چاہتا ہے۔ شاید
حظ آئے۔ سُرمئی سلک کا ویسٹ کوٹ اس کے بٹن جواہرات کے۔ دونوں چھوٹی
انگلیوں میں بڑے بڑے الماس کی انگوٹھیاں پہنی ہوئی۔ آنکھوں میں سُرمہ لگا ہوا
پیروں میں زنانہ اونچی اڑی دار پھندنے دار روغنی چمڑے کی درباری جوتی
مہین گاز سے باریک سُرمئی رنگ کے چُست ریشمی موزے اور بال گردن تک
بنے سنورے ہوئے پڑے تھے۔ بالکل فسانۂ آزاد کے چھمی جان کی پوری سج
دھج یہ زنانہ وضع دیکھ کے جی بگڑ گیا۔ اور ناپسندی نے اس قدر غلبہ کیا کہ متلی
کا سا شبہ پیدا ہوا۔ فوراً چھالیا الائچی اور لونگیں چباگئی۔ تب کہیں جاکر جی تھما۔
خدا مردوں کو خیالات بھی مردانہ دے۔ اور اپنی وضع بھی مردانہ بنائیں۔ ورنہ اس قدر
گھبراہٹ اور نفرت کی شے معلوم ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اور اس پر طرہ یہ کہ خوشبو

ایک امریکن ہوٹل کے شاید دنیا میں رٹز سب سے اعلیٰ درجے کا ہوٹل ہے۔ امریکن متمول
حضرات یہیں آکر فروکش ہوتے ہیں اور خوبی تو یہ ہے کہ امریکہ کے بعد ان لوگوں
کو یہ ہوٹل ارزاں معلوم ہوتا ہے۔ جتنا حصہ میں نے دیکھا اس کا بیان کرتی
ہوں۔ زمین پر یا فرش پر تمام ربڑ لگایا ہوا ہے۔ تاکہ آواز سے محفوظ رہیں۔ داخل ہوتے
ہیں تو عمدہ قالین اور فرنیچر سے معمور دالان اور گزرگاہوں سے گزر کر چائے کے
کمرے میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ بند برآمدے جیسی بہت چوڑی ہے۔ جس میں کوئی پچیس
تیس چھوٹی چھوٹی سبز میزیں رکھی ہوئی ہیں۔ جن کی ارد گرد چار چار چھ چھ سنہری
بید کی چوکیاں دھری ہوئی ہیں۔ اس برآمدے کی دیوار میں لکڑی کی جالی خوبصورت
بنی ہوئی ہے۔ یہ بھی نازک سنہری رنگ کی ہے۔ اس جالی پر نہایت خوبصورتی سے
بیل چڑھائی ہوئی ہے۔ یہ وضع واقعی نہایت ہی مرغوب اور دل پسند ہوتی ہے۔
اس دیوار پر موزون مقامات میں ایک سنہری ٹوکری جالی میں سے آویزاں دکھائی
دیتی ہے۔ جس میں سے پھولوں کے گچھے لٹکتے ہوئے عجب بہار دیتے ہیں۔ بہت
ہی دلکش اور خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ اس کو اور بھی کامل اس طرح بنایا تھا۔ کہ
ٹوکری کے ارد گرد محرابوں کے درمیان اور بیل کے موزون حصوں میں بجلی کی
روشنی کے گولے آویزاں تھے۔ اس کمرے کے بیچ میں نہایت بڑی پھولوں
کی سبد لٹکی ہوئی تھی۔ جس میں سے بیسیوں پھول پیچ و تاب کھاتے ہوئے سر بسجدہ
اپنے پیدا کرنے والے کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ کہ ہم ایسے ہاتھوں میں ہیں۔ جہاں
ہماری قدر افزائی ہوتی ہے۔ ورنہ مفارقت ہمجنسان اس شعر کو دہرانے کی نوبت لاتی

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق

خیالات کی ساتھ دینے والیاں پیدا ہوں۔ تاکہ اُس کی زندگی شائستگی اور دلبستگی سے بسر ہو ع ما نصیحت بجائے خود کردیم۔ پیاری بہن جان میں بیان نہیں کرسکتی کہ اس قسم کی باتیں دِل کو کتنا رنج پہنچاتی ہیں۔ خُدا کرے کہ اب اس کا کافی اِنتظام ہوجائے۔ ورنہ آئندہ اس سے بھی زیادہ تباہی اپنی بھیانک شکل دکھلائیگی۔

۲۱۔ جولائی ۱۹۰۸ء صبح کو مادام وان پراگ آئی تھیں۔ انکی ہمراہ ہم لوگ گیلری لافایت دیکھنے کو گئے۔ یہ بھی عجیب جگہ ہے۔ اس قسم کی بہت مختلف دکانیں پیرس میں ہیں مشہور و معروف لوور۔ بان مارش۔ پراتان۔ لافایت۔ دوفائل۔ یہ کارخانے کیسے وسیع ہیں۔ اس کا اندازہ کرنا بھی آپ لوگوں کیلئے دشوار ہوگا۔ ہزاروں آدمی ملازم ہیں۔ یہ دوکانیں اندر سے اتنی سجی ہُوئی اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ کہ اسے دیکھنا بجائے خود ایک عیش ہے۔ قاعدہ ایسا ہے کہ خریداری کرنی ہو تو ایک جگہ چھوٹی نمبروار کتاب ملتی ہے وہ لے لو۔ اور ہر علاقہ میں وُہ کتاب ملازمہ دوکان کو دیدو۔ اس میں سے وُہ ایک نمبر کاٹ لیتی ہے۔ جس پر خریدار کا نام اور پتہ لکھدیتی ہے۔ اس طرح جس جس علاقے کی اشیاء خریدی ہیں وہاں اپنا نام نمبر وار کتاب کے ورق پر چھوڑ دو۔ جب کل خریداری سے فراغت پاگئے۔ تب وہ نمبروار کتاب ایک جگہ پر واپس دیدینی ہوتی ہے۔ بعد ازاں باہر نکل کے چلے جاؤ۔ جب دُکان بند ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ تب تمام نمبر ایک جگہ جمع کرکے ہر ایک خریدار کو اپنا اپنا خریدا ہوا اسباب اپنے اپنے قیام گاہ پر مع حساب کے بھیجدیتے ہیں۔ غرض آسائش کا پورا پورا انتظام۔ کسی طرح تکلیف گوارا نہیں۔

کوئی دو گھنٹے دکان کی سیر کی۔ پھر میڈم نے ہمارے ساتھ واپسی پر لنچ کھایا

ایک مزے دار بات لکھنا بھول گئی۔ کاونٹس ہی پرا کا متالی کے ہاں ایک بی بی سے ملاقات ہُوئی۔ جو پچیس برس ہندوستان میں رہ آئی ہیں۔ بڑے زور شور سے بیان کر رہی تھیں کہ ہم لوگ نیٹیوز کے ساتھ کبھی نہیں ملتے اور بات بھی نہیں کرتے وغیرہ اور اس طرح کی شیخیاں خوب جتائیں۔ اطراف میں بہت سی بیبیاں بیٹھی ہُوئی تھیں ان میں سے ایک نے عطیہ سے پُوچھا۔ کہ نیٹیوز کے ساتھ کوئی لفا بھی ہے اور اس لفظ کے کیا معنی ہیں؟ یہ سوال کرنے والی مادموزیل ہیرل تھیں۔ اُنہوں نے ایک خاص وضع سے مُنہ بنا کر پُوچھا کیونکہ ان پچیس برس رہنے والی نے اس ناپسند مکروہ چہرہ بنا کر بیان کیا۔ کہ خواہ مخواہ کسی کو معلوم ہو کہ نیٹیو کیا چیز ہے۔ مسکرا کر عطیہ نے جواب دیا کہ آپ کے سامنے جو نمونے ہیں (یعنی ہم) وُہ ہندوستان کے نیٹیوز ہیں!! اور وُہی چیز جس کا تجربہ کار بی بی بیان فرما رہی ہیں۔ واقعی ان لفظ بی بی پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور بہت ہی جھینپیں۔ بیچاری شرمندہ صورت نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن کچھ بن نہ پڑی اور ہونٹ چبا کے رہ گئی۔ ہم کو بڑا مزا آیا لیکن مادموزیل نے جو چہرہ بنایا وُہ دیکھنے کے قابل تھا۔ شرارت سے کہتی ہیں کہ آہ مَیں کیا بیوقوف ہُوں۔ اسی صدی کی چوتھائی گزارنے والی بی بی کے الفاظ سے مَیں کچھ ایسا سمجھی تھی کہ نیٹیوز بہت ہی کوئی بُری اور ناقابلِ برداشت چیز ہوگی لیکن اب کشف ہو رہا ہے کہ یہ وُہ چیز ہے کہ جس کی جستجو میں ہم اس سردیوں میں ہندوستان جانے والی ہُوں!! مگر خوبی تو یہ تھی کہ جس شیریں ادائی اور تیر کی طرح الفاظ مُنہ سے نکالے ہیں۔ وُہ بیان نہیں ہو سکتے۔ اس بی بی کا مُنہ پھیکا ہو گیا اور تو کچھ نہ سوجھی۔ مارے گھبراہٹ کے اردو شروع کر دی۔ ہم او تو چھا تا بھونت آشتا

سے بھر تو پر - ایک صاحب ہاں موجود تھے - جنہوں نے اپنے ایجاد کردہ تین راگ پیانو پر بجائے - بہت خوبصورت اور دل پسند راگ تھے - ان مہمانوں میں دو لڑکیاں بہت ہی خوش شکل تھیں - آنکھیں عمدہ بڑی بڑی چہرہ کی وضع خاصی ہندی اور نازک اندام رنگ اور جلد بہت ہی خوبصورت - ان کے ساتھ خوب تعارف ہو گیا اور طرفین کو حظ پیدا ہوا - مادام نے اپنے شوہر کے تمغے اور تصویریں دکھائیں معلوم ہوتا ہے کہ بہت عالم شخص ہونگے - دس تو تمغے ہیں - اس میں ترکی - بخارا - فرانس بلجیم چین - ہر ایک ملک نے انکی تصنیفات اور دوسرے کاموں کے لئے انعام دیئے ہیں - اس کے علاوہ سات تمغے الگ الگ جغرافیہ سوسائٹی کی طرف سے ملے ہیں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ مزے میں گذار کر واپس آرہے تھے - اس وقت راستے میں مہاراجہ نیپال کو دیکھا شاید وہ یہاں کچھ دن گزرے آئے ہوئے ہیں -

ہمارے ویٹر کو بہت تعجب ہوتا ہے - کہ چراغو ملازم پڑھا لکھا نہیں جانتا - اور وہ یہ سمجھ بھی نہیں سکتا کہ اس کی کیسے گذرتی ہو گی - وہ خود جرمن ہے - اور جہاں کام سے فرصت پاتا ہے کتاب یا اخبار پڑھنے میں مصروف ہو جاتا ہے یہاں ہر ایک آدمی پڑھا لکھا ہوتا ہے - ادنیٰ قلی کو دیکھئے کہ بیٹھکر اخبار پڑھتا ہے لندن میں بھی یہ بات موجود ہے -

۲۲ - جولائی سنہ ۱۹ء | عزیزان من صبح سے لمبے چوڑے خطوط آپ لوگوں کو لکھے - کھانے کے بعد میں اپنے کاموں میں مصروف تھی کہ اس اثنا میں مادام برگلن آئیں مغربی چکین دوزی کا خوبصورت لباس پہنے تھیں - خوب قدرتی چشموں کا پانی پی کر آئی ہیں - اس لئے بالکل نازک بنگئی ہیں - ان کے ساتھ کل کے لئے انتظام کیا بعد

گراب تو ہماری مشتاق نگاہوں کا ہجوم رہتا ہے۔ پھر بھی شب کو سینکڑوں بجلی کے گولوں کی غایت درجے کی روشنی ان نازک طبع پھولوں کو بے تاب بنا کے تڑپاتی ہے۔ یہ اثر اتنا شدید اور غیر متحمل ہے کہ انکی رنگت پھیکی ہوجاتی ہے۔ پھر جس بے دردی سے پھینکے جاتے ہیں۔ اس کا بیان کیونکر ہوسکتا ہے۔ وہی زبان کہہ سکے جس کی جان پر گزری ہو۔

فرش سُرخ حصیر کا۔ سب اشیا ایسی جو باغ نما مکان کے قابل ہوں۔ وہاں ٹھیک اچھی طرح امیرزادیوں کا جمگھٹا دیکھا۔ لباس و زیور۔ تراش خراش ناز و ادا۔ بناؤ چناؤ۔ مصنوعی قدرتی سب مل جُل کر اس مصرع کو دہرانے پر مجبور کرتا تھا۔ ع

نرالی ہیں سب سے ادائیں تمہاری

آمد و رفت سیلاب کی طرح ہو رہی تھی۔ اس اثنا میں وہ بھسان فیشن کی پتلیاں بنی ہوئی دکھائی دیں۔ ہر چیز قابل تعریف تھی۔ لیکن ایک بی بی کے ہاتھ میں سادہ باریک سونے کا چھلا تھا۔ جس پر گرونڈے جتنے بڑے دو موتی لگائے تھے۔ اس میں ایک بے نظیر سفید موتی تھا۔ اور دوسرا ویسا ہی عجیب بے جوم سیاہ موتی۔ یہ ٹرش کچھ ایسی دلکش تھی کہ سبحان اللہ! کان میں بندے بھی اسی کے مشابہ اور گلے میں ایک لڑی موتیوں کی۔ مگر انگوٹھی نے سب کو مات کیا۔ اف کیا خیال اور کیا بناوٹ ہے کہ واہ واہ۔ اس پرستان کو چھوڑ کر آخر باہر نکلے۔ عالی شان دکانیں سر بفلک کشیدہ اسی راستے پر ہیں۔ آجکل نیلم اور زمرد کی کچھ ایسی ملاوٹ کرتے ہیں۔ کہ جس سے مور کے سینے کے پروں پر جو رنگت قدرتاً دکھائی دیتی ہے۔ اسی کی مشابہ بنجاتی ہر۔ ایک ایسی چیز میں نے بھی بنوائی ہے۔ دونوں ماموں کو ہوٹل تک لائے۔ پھر وہ

ہم ہوٹل چلے۔ اور چاہا کہ میڈم ہم کو یہیں سے وداع کر دیں۔ لیکن اُنھوں نے ہرگز شنوائی
نہ کی اور ہوٹل تک مشایعت کر کے چلی گئیں۔

۱۹۔ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء

صبح کے کوئی دس بجے مادموزیل میناں ایک چھوٹی سی بی بی کو
اپنے ہمراہ لے آئی تھیں۔ جو زنانے رسالے کی ایڈیٹرس ہیں۔ اس منشا سے آئیں کہ
ہمارا احوال اور تصویریں اپنے رسالے میں شائع کرائیں۔ کچھ تھوڑے سے نوٹس دینے۔
شاید ستمبر کے نمبر میں شائع ہوگا۔ شام کو ژاردن دی توئلری نامی باغ میں سیر کے لئے گئے۔
تمام کیاریاں پھولوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جب خوب پیدل سیر کر چکے تو پھر گاڑی
کی مدد سے کام نکالا۔ آرک دی تریامف تک جا کر ہوٹل پہنچے۔ آج بہت خوب تیار
دوپٹے خریدے۔ اس قدر مکمل ہیں۔ کہ ساز و سامان بغیر بھی پہن لیں۔ تو خاصے اچھے
معلوم ہوں۔ ہر رنگ کے بہم پہنچ سکتے ہیں۔

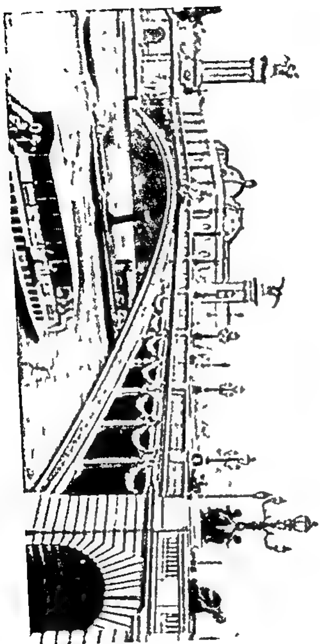
آجکل افسردہ اور ابر آلود دن نکلتے ہیں۔ ہم ارادے سے زیادہ ٹھہر گئے۔ ممکن
ہے کہ ہفتہ عشرہ ٹھہر کر آگے چلیں۔ سردی بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ پیرس عجب
بارونق شہر ہے۔

۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء

آج کی صبح کسی خاص دوادوش میں نہیں گزری۔ ایک سوداگر
آیا تھا۔ جس نے بناوٹی موتی دکھائے۔ اب موتی بنانے کا ہنر معراج کمال پر پہنچ
گیا ہے۔ سچ کس طرح لکھوں کہ کیا کیا ہے۔ وزن رنگ جرم سب ہی باتیں قدرتی
ہیں۔ پٹکنے سے ٹوٹتے نہیں۔ چھیلنے سے چھلتے نہیں۔ سرکے یا اسپرٹ میں
ڈالو اثر نہیں۔ کسی طرح بھی سچے موتیوں سے کم نہیں۔ دام بھی خاصے ہوتے ہیں۔
شناخت کرنا کارے دارد۔ صرف چھ مہینے گزرے یہ عجیب ایجاد ہوئی ہے۔ سچ مچ

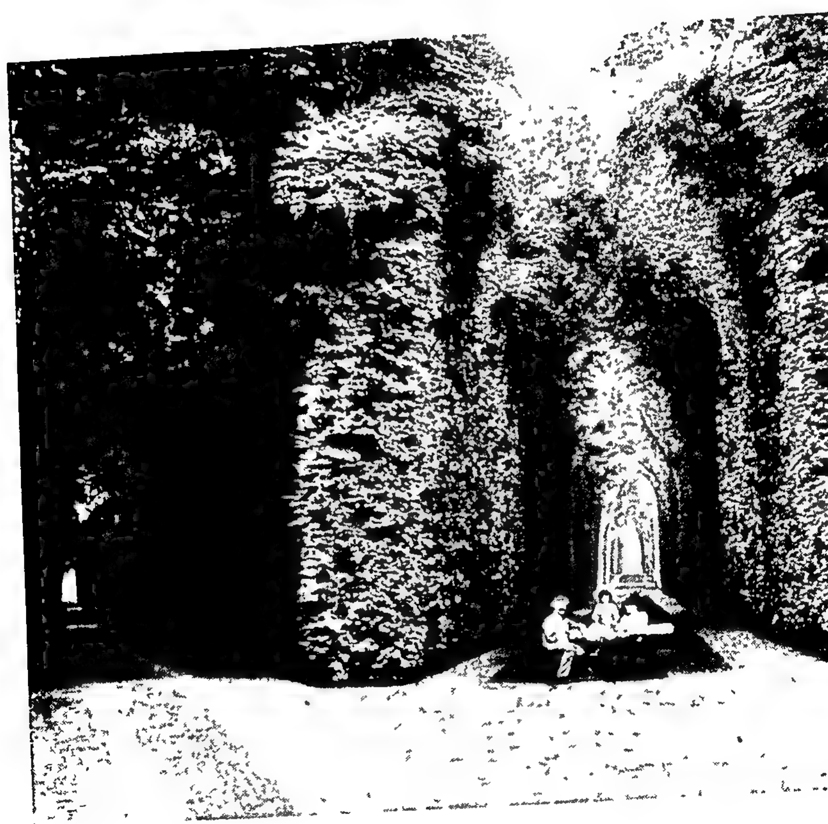
اور کہیں ملاقات کا انتظام تھا۔ اس سے فراغت پاکر واپس آئے۔ اور مادام ودیسیل کے ساتھ عجائب خانہ ملاحظہ کرنے گئے۔ اس جگہ تمام مشہور و معروف ناٹک کرنے والے اور والیوں کی تصویریں ہیں۔ انکے بعض عجیب اور بے نظیر لباس اور پوشاکیں اور اُنکے متعلق نادر اشیا اور چھوٹے چھوٹے دکھاؤ جو ان مشہور ارباب نشاط نے اپنے اپنے وقت میں کئے ہیں۔ اور جو یادگار زمانہ ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی کیسے کیسے خیالات سوجھتے ہیں اور کس خوبی سے اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس مجموعہ میں مادام دیارو (جن سے ہم ملے تھے) کی تصویریں آویزاں تھی بڑی مشہور بی بی اپنے زمانے میں تھیں۔ برن ہارٹ۔ مونے سلی (مرد) وغیرہ وغیرہ اپنے اپنے وقت کے یگانے سینکڑوں نام جو سُنے تھے یہاں اُنکی تصویریں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے ناٹک نویسوں کی بھی تصویریں دھری ہوئی ہیں یہ لکھنا ئیں بھول گئی ہوں۔ کہ جو چھوٹے چھوٹے دِکھاؤ موجود ہیں۔ ان پر ویسی ہی روشنی گرتی ہے جیسی ناٹک کرتے وقت ہوتی ہے۔ اس بات کا بھی پورا خیال رکھا ہے کہ تماشائیوں کے سامنے گزرا ہوا کھیل اسی رنگ ڈھنگ سے نظر آئے۔ جدت ان لوگوں پر ختم ہے۔ یہ عجائب خانہ لوور کے پُرانے محل کے ایک حصے میں واقع ہے۔ پانچ بجے (جو بند ہونے کا وقت ہی) ہم وہاں سے نکلے۔ حقیقت میں نادر خیالات کا مجموعہ دیکھا ہے۔ دُکانوں پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے رٹز ہوٹل میں جاکر چار نوشی کی۔ مادام ودسیاں کس قدر عالم بی بی ہیں۔ ہر ایک چیز کی ہمیشہ ایسی عمدہ تشریح کرتی ہیں کہ آدمی بغیر محنت کے واقفیت حاصل کر سکے۔ اگر یہ بی بی نارمل سکول علیگڈھ کی امداد پر کمر باندھیں۔ تو گری ہوئی قوم کی پوری خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے۔ سوائے

کے زمانے میں سب سے بہتر گاتی تھیں۔ جیسے مادام پاتی کا ہوم سویٹ ہوم۔ مادام
دوستیاں نے بڑی خوبی سے چند تصویریں بڑی بی سے ہمارے لئے طلب کیں۔
آفریں ہے انکی وضع پر۔ کمرے میں کوئی بارہ گلدان نہایت عمدہ گلابوں سے بھرے
ہوئے دوستوں کی طرف سے تحفۃً سالگرہ کی خوشی میں آئے ہوئے تھے۔ عیاں
تھا کہ ضعیف العمری میں بھی انہیں دنیا نے ترک نہیں کر دیا ہے۔ باتوں کا سلسلہ تو
اکثر ہندی لباس۔ موسیقی۔ تعلیم نسواں وغیرہ پر جاری رہا۔ اثنائے راہ میں
عطیہ سے مادام دوستیاں نے جب علیگڈھ نارمل سکول کا ذکر سنا تو صدق دل
سے کہنے لگیں۔ کہ میرا شوہر اب ہے نہیں۔ اس لئے کوئی خاص علاقہ پیرس سے
نہیں رکھتی ہوں۔ اسواسطے بہت خوشی سے۔ میں ہندوستان آکر اس سکول
کے لئے مدد کرونگی۔ میرے رہنے اور کھانے پینے کا بندوبست کر دو گی تو کافی ہوگا۔
اگر میری خدمت کام آئے اور قبول ہو تو میں تیار ہوں۔ حقیقت میں ہم حیران
ہیں۔ سچ دنیا میں یہ کیسے کیسے بے غرض کارکن اور نیک لوگ بستے ہیں۔ جن کو نہ
مذہب کا تعصب نہ کسی بات سے عار۔ بس ان کا مدار زندگی اسی پر ہے کہ کہیں
بھی اپنے ہم جنس کے کام آئیں۔ ایسے ہی لوگ کچھ کر گزرتے ہیں۔ غور کرنے کی جگہ
ہے۔ کہ ایک بی بی جس نے پیرس سے نفیس شہر میں زندگی گزاری ہو۔ صرف انسانیت
کے لحاظ سے علی گڑھ جیسے روکھے پھیکے ملک میں جاکر اپنی اشد درجہ کی نفس کشی کرکے
انسانیت جتانا چاہتی ہے۔ خدا جانے اس وقت کا زمانہ ہمارے ہندوستان
میں کب آئیگا۔ عنقریب تو نہیں معلوم ہوتا۔ کہ عورتیں موجودہ جکڑ بندی سے کسی قدر
رہائی پاسکیں۔ اور تو اور۔ صرف تعلیم ہی پاسکیں۔ تو آگے چلکر بہت کچھ منزلیں طے



حیرت انگیز ہے۔ اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہلکے خراب موتیوں اور سیپوں کو پیس کر اس میں سے جرم اور خام نکال لیتے ہیں۔ اس کے بعد از سرِ نو یہ پیسے ہوئے سفوف کے موتی جما کر کسی طرح پالش کرتے ہیں۔ ایک لڑی اس قسم کے موتیوں کی دیکھی جس میں سچے موتیوں کی طرح کہیں گلابی کہیں زرد کہیں سیاہ دانے پروئے ہوئے تھے۔ رنگ کے تغیر سے بعینہ سچے موتیوں کا سا دھوکا ہوتا ہے۔ اگر یکساں رنگ ہو تو تاڑ جانا ممکن ہے۔ اگر ان میں ابتک کوئی نقص باقی رہا ہے تو سوراخ کا ہے۔ وہ بھی کچھ عرصہ میں یقین ہے کہ مٹا دینگے۔ بطور یادگار اپنے عجائب خانے کے لئے دو چیزیں میں نے خریدی ہیں۔ ایک جڑاؤ بندہ کی اور ایک پن۔ نہ معلوم ایسے موتیوں کا پہننا معیوب ہوگا۔ آپ لوگوں کو ضرور دکھاؤنگی۔ بس ان موتیوں کی بناوٹ تقریباً اسی وضع کی ہے۔ جیسے خراب یاقوت کو پیس کر دوبارہ یاقوت تیار کرتے ہیں جس وقت ان بناوٹی چیزوں کے اطراف میں سچے الماس اور ہیرے لگائے جاتے ہیں۔ تب تو ایسے عمدہ معلوم ہوتے ہیں کہ باید و شاید۔ سچوں کو مات کرتے ہیں۔ وہ سوداگر کہتا تھا کہ پچاس برس اگر پہنے جائیں تو بھی کچھ نہ ہوگا۔ نہ رنگ بدلینگے نہ آب میں کمی ہوگی۔ اُس نے خوب ٹپک ٹپک کر ہماری تشفی کرنے کی کوشش کی۔ بیشک ہمارے سامنے تو کچھ نہ ہوا۔

کھانے کے بعد دو تین جگہ ملاقات کے لئے گئے تھے۔ واپس آنے پر پیاری بر ند آ آئی تھی۔ کس قدر جاندار اچھی لڑکی ہے۔ بیچاری بمشکل سمجھ سکتی ہے کہ ماں کا دائمی رخصت ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ دو تین گھنٹے بہت خوشی سے ہمارے ساتھ گزارے۔ پیرس اتنا بیحد گراں نہیں ہے۔ اگر واقف کار کوئی رہنمائی کرے۔



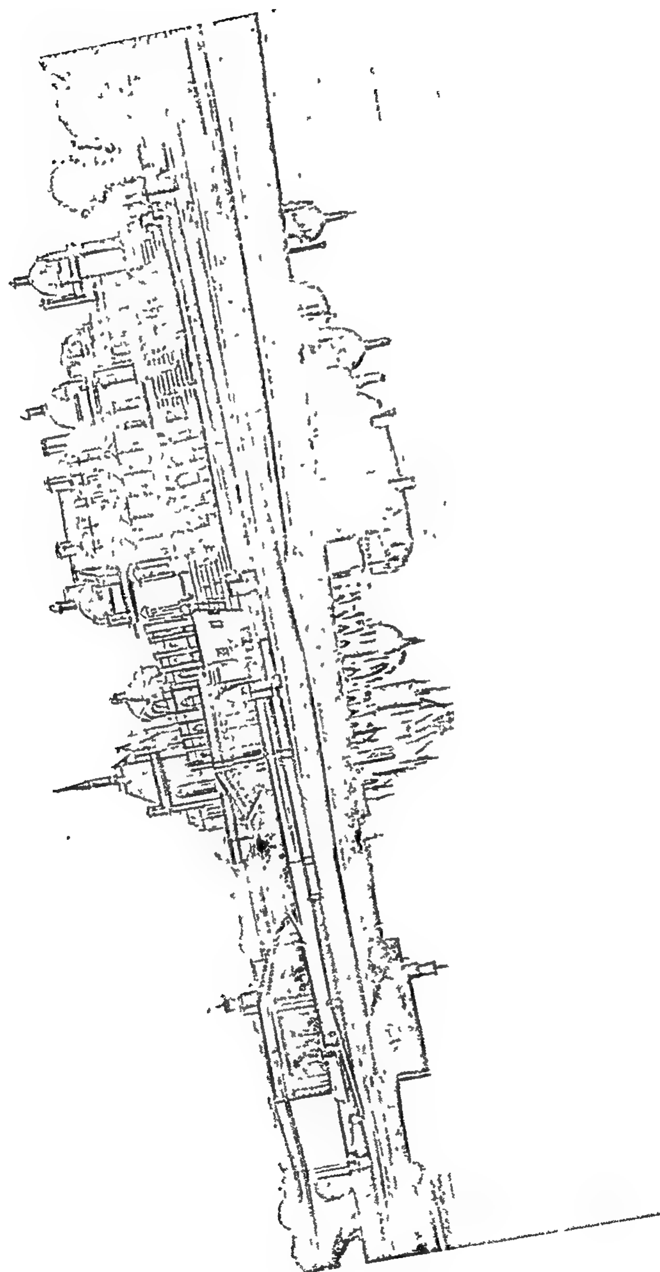
ہوسکتی ہیں۔ عطیہ تو صرف اتنا ہی کہ سکیں کہ اس عنایت آمیز درخواست کو ضرور یاد رکھونگی۔ واقعی آپ نہایت مہربان ہیں۔ اُنسے مل کر بہت ہی خوش ہوئی۔ راستے میں اُنکو خیال آیا کہ ایک عجائب خانہ ہے اسے دکھائیں۔ یہ جگہ اس وضع کی ہے۔ جیسے لنڈن میں میڈم توسو کے مومی پتلے رکھے ہوئے ہیں۔ مگر پیاری اماں جان! اس سے کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ بہت ہی عمدگی سے بنا ہوا ہے۔ اگرچہ چھوٹا ہے لیکن بہت ہی کامل چیز ہے۔ یعنی اتنی کامل ہے کہ بار بار ہم دھوکا کھا جاتے تھے۔ اور دیکھنے کے لئے کہ واقعی موم کے ہیں۔ اُنکو ہاتھ لگاتے تھے۔ وہ بھی ڈرتے ڈرتے کہ کہیں سچ مچ کا آدمی نہ ہو۔ اور ہماری جہالت پر ٹھٹھا نہ اُڑائے۔ بالکل زندہ تصویریں قدرتی چھب ڈھب۔ وضع ادا وغیرہ سب کچھ انسانوں کی سی۔ کئی جگہ پر تماشائی اِن جُدا جُدا گروہ اور مجمع کو دیکھنے کے لئے کھڑے تھے۔ بادشاہ لوئی سولہویں اور ماری انٹونٹ کی زندگیوں کے الگ الگ وقت کے نہایت موثر پتلے دیکھے۔ ایک بات قابل ذکر ہے۔ ہم بھی تماشائی بن کر دیکھ رہے تھے اور پھر رہے تھے۔ اتنے میں ایک جگہ ایک بہت مشہور رقاصہ ناچ رہی تھی۔ یہ ہم بھی دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک اور عورت کو دیکھا۔ کہ وہ بھی دیکھ رہی تھی۔ ہم یہی دھوکا کھا گئے کہ ذی رُوح ہے۔ مگر جب بالکل ہلی ہی نہیں۔ تب سمجھ میں آیا کہ مومی دھوکہ باز پتلا ہے!!

اس قسم کی چیزیں جا بجا بنائی ہوئی ہیں۔ دروازے کے پاس ایک دربان ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر سو رہا ہے۔ مگر اُس کی ہیئت حالت۔ وضع اتنی قدرتی ہے کہ تعجب معلوم ہوتا ہے۔ اور طرہ یہ کہ ذرا عمر رسیدہ شخص ہے۔ تاکہ پورا دھوکا ہو۔ جیسے ہم واقعی سمجھے کہ سو گیا ہے۔ جب حس و حرکت نہ دیکھی۔ تو اصل حقیقت معلوم ہو گئی۔ وہاں سے

اُسے پسند نہیں کرتے۔ مگر ہم تو خوش ہوتے ہیں۔ مادام دوسیاں بڑی اچھی
اور لائق بی بی ہیں۔ انکا بے سروسامانی کا حال آپ لوگوں کے معلومات کے لئے
لکھتی ہوں۔ ان کے شوہر افریقہ کے سفیر بنکر گئے اور یکایک پانچ روز کی علالت
میں جاں بحق ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد اُنہوں نے مصائب دُنیا بہت کچھ اُٹھائے۔ آخرش
فرانس میں واپس آئیں۔ نہ میکے میں کوئی رشتہ دار باقی ہے نہ سُسرال میں۔ نہ اولاد
کی نعمت سے بہرہ مند ہیں۔ حالت ردی ہے۔ غریب وبیکس و تنہا۔ زندگی کے دن
کاٹ رہی ہیں۔ ان کی سچی سرگزشت سُنکر دل رنجیدہ ہوگیا۔ اگرچہ ایسی رام کہانی
آئے دن دنیا میں ہوا کرتی ہے۔ مگر جب سُنو تب بُرا اثر ہوتا ہے۔ اُنہوں نے
ہم سے کہا کہ کسی مطربہ کو دکھاونگی جو فی الحال اٹھاسی برس کی خرانٹ ہیں۔ اور اس
صدی کی عمدہ گانیوالیوں میں شمار کی گئی ہے۔ یہ بہت ہی باعصمت اور لائق عورت
ہے۔ اگرچہ بڑھاپے کے ہاتھوں دُنیا سے علیحدہ ہے۔ لیکن دُنیا نے اسے
ہنوز بھولا نہیں ہے۔ ماڈموزیل مینان کے ساتھ گیمے کے عجائب خانے میں گئے۔
جس کا بیان بہت ہی پرخط ہے۔ ایک پروفیسر صاحب نے جو مختلف علوم میں
ماہر تھے۔ جنہوں نے اپنی تمام دولت اور زندگی اس مقصد کے حاصل کرنے میں
صرف کردی۔ کہ علوم شرقیہ کو حاصل کرلیں۔ اور اسی بنا پر اور غرض سے نمائش
خانہ بنایا ہے۔ اوّلاً انہوں نے یہ کام کیا ہے کہ مشرقی ملکوں میں برسوں سیر وسیاحت
کی۔ پُرانی کتابوں کے نمونے بہم پہنچائے۔ اور جو کچھ معقول پُرانی یادگاریں فراہم
کرسکے وہ سب اپنے ساتھ لائے۔ چین۔ جاپان۔ برما۔ ہندوستان وغیرہ مختلف
دیار و امصار کی چیزوں سے عجائب خانہ معمور ہے۔ [illegible] مختلف مذاہب

پیرس کے کنسرٹ وتیوار میں ایک ہی یہ بی بی داخل کی گئیں۔ چونکہ علم موسیقی میں آپ نے کمال پیدا کیا تھا۔ سب سے بڑی بات جو ان میں لوگ تعریفی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وُہ یہ ہے کہ واقعی باعصمت اور نیک چلن ہیں۔ اور ایسی نیک اطواری سے بہت مالدار انہیں ہوئیں اُن کی یہاں بہت عزت ہے۔ ان کی تین لڑکیاں ہیں۔ جنکی شادیاں ہو گئی ہیں ان کا مکان بہت ہی اچھی جگہ پر ہے۔ یہ اپنے مکان میں تنہا رہتی ہیں۔ خاص عمر اٹھاسی سال کی ہیں۔ مگر ہوش و حواس بصارت وغیرہ سب درست ہیں۔ فی الحال کئی شاگرد اُنکے پاس تعلیم کے لئے آتی ہیں۔ ایک اُن کی ہمشیرہ شہرۂ آفاق تھیں۔ آلیبر اور اُنکے بھائی کو بھی دُنیا جانتی ہے۔ گارشیا۔ اس کا انتقال دو سال گزرے ہو گیا۔ اس وقت اخباروں میں اکثر ذکر آتا تھا مطلب یہ ہے کہ علم موسیقی کے لئے یہ خاندان مشہور و معروف ہو گیا ہے۔ جس روز ہم ان سے ملے۔ وُہ دن ان کی سالگرہ کا تھا۔ اِس لئے مادام نے بہت اچھے پھول مہیا کئے۔ اور ان کے ساتھ ہم بھی شریک ہو گئے۔ بہت اچھی چار پلائی۔ بعدہٗ مادام کی خواہش سے عطیہ نے گایا۔ جو بڑی بی کو پسند آیا۔ ایسی ماہر زمانہ کے سامنے گانے میں ذرا جھینپ ہو تو عجب نہیں۔" آج بینا کو گئی بڑی دُور" یہ ٹھمری گائی۔ جس کا سر اور تان نہایت عمدہ ہے۔ اُس نے کہا اگر کبھی تم پیرس آؤگی تو میں تم کو گانا سکھاؤں گی۔ مادام ودستیاں کس طرح مادام ویاردو سے پیش آئیں۔ دیکھنے کے قابل تھا پینتیس سال سے یہ لوگ ایک دُوسرے کو پہچانتے ہیں۔ گذشتہ زمانے میں مادام ودستیاں انکی شاگرد تھیں۔ اس کا بہت ہی فخر ہے۔ مَیں اپنی دستخط آلبم لے گئی تھی۔ جس پر بڑی بی نے چند بار (یعنی راگ کی نشانیاں) اس راگ کی لکھدیں۔ جسے وُہ اپنے عروج

ایک معمولی لوہے کے پلنگ پر سوتے تھے۔ انمول کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ انکی بی بی سچی
ہمدرد مونس اور مددگار تھیں۔ اور انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تین چار جلدیں ہیں۔ ایک
ایک چیز کس طرح جمع کی اور کتنی محنت کی اور اس میں بی بی نے کیا مدد دی۔ ماڈموزیل
نے ہمارے لئے خاص بندوبست کر دیا تھا۔ اس سے جو خاص کمرے عام لوگوں کو
نہیں دکھائے جاتے ہیں۔ وہ سب کھول کر ہم کو دکھائے۔ جن کے دیکھنے سے دل
پر نہایت افسردگی اور اداسی چھا گئی۔ تصویروں سے ظاہر ہے کہ ڈچس خوبصورت
بی بی ہونگی۔ ڈیوک سے پیشتر کنج خموشاں میں پہنچیں۔ ان کے خاص کمروں میں
داخل ہوئے۔ تو نہایت عمدہ خوشبو آئی۔ غور سے دیکھا تو دل کانپ اٹھا۔ بہت
سے پھول رکھے ہوئے تھے۔ جو فی الحال خشک ہو گئے تھے اور اپنی مہربان عنایت فرما
کی یاد میں مرجھائے ہوئے کمرے کو موثر بنا رہے تھے۔ بڑی ہنرمند ہونگی۔ بستر
پر انکے ہاتھوں کا بنا ہوا پلنگ پوش اور چند کرسیوں پر بھی دستکاری سے معمور ٹکڑے
جڑے ہوئے ہیں۔ اس عمارت میں کئی قسم کے سنگ مرمر کام میں لائے ہیں۔ دیواروں
پر پلستر کیا ہوا ہے۔ جس کے درمیان جابجا نہایت عمدہ اور موزوں قسم کے پتھروں
کے گول یا چوکور ٹکڑے لگے ہوئے ہیں۔ ڈیوک کے ملازموں کو اکاڈمی والوں نے
محل کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے معین کر رکھا ہے۔ کس محبت سے ڈیوک کی ہر بات
کو یاد کرتے ہیں۔ اور سب چیزوں کی حفاظت میں سرگرم ہیں۔ ان ملازموں نے
عمدہ عمدہ احوال بیان کئے۔ تین چار گھنٹے اچھی طرح سب دیکھا۔ اس کے بعد باغ
اور اطراف کے جنگل دیکھے۔ باغ میں گاڑی کے ذریعہ سیر کی۔ یوں تو بہت سے باغ
دیکھے ہیں۔ اور اچھے اچھے منظر نظر آئے ہیں۔ مگر اس جنگل کا بیان کس طرح کروں۔



کی ماہیت معلوم کرتا ہے۔ ایک خاص موسم میں چند تقریریں کرتے ہیں۔ اور اس موقع پر اگر کسی بی بی کو اجازت سُننے کی ملتی ہے یا داخل ہوسکتی ہے تو وہ بی بی اور موزیل بیمان ہیں۔ اُنکے علاوہ بڑے بڑے عالم، فاضل جمع ہوتے ہیں اور مختلف مذہبوں کے خیالات پر تقریریں کرتے ہیں۔ مثلاً ہندو۔ بدھ وغیرہ وغیرہ جسے اس تحقیقات کا شوق ہو وہ یہاں آکر مدتوں کتب خانے کی مدد سے معلومات کا ذخیرہ جمع کرسکتا ہے۔ عجائب خانہ کا کیونکر بیان ہوسکتا ہے۔ تمام اصل نسخے فارسی۔ عربی۔ سنسکرت وغیرہ کے رکھے ہوئے دیکھے۔ قرآن شریف کا کتنی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ اس میں ایک ترجمہ چینی زبان میں دیکھ کر میں حیرت زدہ ہوگئی۔ اس خاص مقصد کے معاونین بہت سے اراکین ہیں۔ جن کا کام یہی ہے کہ اس عجائب خانے کی نذر ہوکر اپنے معلومات کو بڑھا رہے ہیں۔ اس کے متعلق کوئی شخص کسی مضمون پر تقریر نہیں کرسکتا۔ جب تک ان چیزوں کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو۔ بدھ کی مختلف تماثیل موجود تھیں۔ مگر کس کس وضع اور حالتوں میں! ہر دفعہ جا جا کر اصل جگہ سے لے آئے ہیں۔ بڑے بڑے نامی گرامی فرانسیسی مستور ہندوستان گئے ہیں۔ اور بڑی بڑی نقشی تصویریں لائے ہیں پرانے مندروں کی اور بڑے بڑے سادھوؤں کی تصویریں بھی ہیں۔ ان سب کو کس طریقے اور خوبی سے رکھا ہے۔ یہی گمان ہوتا ہے کہ کسی ہزار ہا برس پرانے مشرقی ملک کی سیر کررہے ہیں۔ کاتتس پر اکام ٹال بھی آئی تھیں۔ یہ افسوسناک خبر سُنی کہ بیچاری برندہ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ غریب الوطنی میں ایسے جگر خراش صدمے اور بھی ناقابلِ برداشت ہوجاتے ہیں۔ خدا انسان کو ان آفات سے بچائے تین

جھنڈا جھکاتے پھر پریزیڈنٹ اُٹھتے ۔ پیدل لشکر تمام ہوا تو سواروں کا لشکر گزرا۔ عین اس وقت دھوپ نکلی ۔ مَیں کیا کہوں ۔ کیا منظر معلوم ہوتا تھا ۔ ہزارہا سواروں کے زرہ بکتر اور خود بجلی کی طرح چمکتے تھے ۔ گویا آنکھیں خیرہ کرنے والی ندی چلی آرہی ہو ۔ توپیں بھی گزریں ۔ مگر وہ تو گڑبڑ ہی مچاتی چلی گئیں ۔ البتہ نظارہ ان سواروں کا تھا ۔ گھوڑے کیسے قطار بند گزرتے تھے ۔ اُنکے درمیان ایک گھوڑا خالی بے سوار دوڑ رہا تھا ۔ معلوم ہوا کہ کوئی سوار گر گیا ہوگا ۔ اس کی جستجو ہو رہی تھی ۔ تھوڑی دیر میں شفاخانے کے دو آدمی مع ایک ڈولی کے نکلے ۔ خبر نہیں بیچارے سوار کی کیا حالت ہوئی ہوگی ۔ اور کہاں پڑا اسے پایا ہوگا ۔ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے تک یہ کیفیت جاری رہی ۔ جس کے درمیان کئی دفعہ چار ۔ کافی شامپین انواع واقسام کے کیک بسکٹ سانڈوچ وغیرہ وغیرہ کا دور رہا ۔ مہمانوں کے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا تھا ۔ پریزیڈنٹ کے بکس میں اسی طرح خاطر مدارات ہو رہی تھی ۔ سب ختم ہونے کے بعد شناسا لوگوں سے جُدا جُدا ملاقات کر کے زینے پر آ کے منتظر کھڑے رہے ۔ آخر گاڑی آئی اور شاداں و فرحاں سوار ہو کر واپس آئے اور اپنے تجربے سے مطمئن اور خوش تھے ۔

۱۵ ۔ جولائی ۱۹۰۸ء صبح نو بجے مادموزل میتاں تشریف لائیں ۔ اُن کے ساتھ جا کر شانتیلی دیکھنا مقرر تھا ۔ اپنے ہمراہ ایک صاحب کو لے آئی تھیں ۔ جو خوب فارسی علم رکھتے ہیں ۔ اُنہوں نے خاصی طرح فارسی میں گفتگو کی ۔ میرے لئے ذرا دقت ہوئی ۔ فرینچ لہجے سے رُک رُک کے بات کرتے تھے ۔ کیونکہ زبان ذرا لغزش کھاتی تھی ۔ مگر علم کا دریا اُنکے رگ و پے میں جوش مار رہا تھا ۔ اس میں شک

حیران ہُوں۔ تمام راستے ایسے بنائے ہُوئے کہ گاڑی خاصی طرح چل سکتی ہے۔ اس کے ساتھ لشکار سے معمور ہے۔ اور خوبی تو یہ ہے کہ چالیس سال سے ہر برس ایک حصے کے درخت کاٹے جاتے ہیں جنکی لکڑی فروخت ہوتی ہے۔ اس تصویر سے شاید خیال گزر سکے گا۔ جابجا اس طرح سے مدوّر میدان کاٹے ہیں۔ جن میں سے چھ یا آٹھ آٹھ راستے تاسرے کے مواق نکلتے ہیں۔ محل کے متصل راستے ہیں۔ انکے آخر میں ایک تمثال نصب ہے۔ سب ملاکر عجیب دلچسپ جگہ دیکھنے میں آئی۔ صدیوں کی محنت شاقہ کا یہ نتیجہ ہے۔ راستے کے دو رویہ درختوں کی دیوار کھڑی ہے اس قدر گھچ پچ ایک دُوسرے سے وابستہ بلند بالا اُگے ہیں۔ مگر اُن کی تراش خراش پر خاتمہ ہے۔ نظر تو ایسا ہی آتا ہے کہ ایک پتی بھی یہاں ناموزون نہیں یکساں قدرت او صنعت کے نمونے سرراہ کھڑے ہُوئے ہیں یا بہتر لفظوں میں حصار باندھے ہُوئے کھڑے ہیں۔ جن پر نگاہ دوڑانے سے خدا کی خدائی نظر آتی ہے۔ رات کو کھانے کے وقت واپس آگئے۔

۱۷۔جون ۱۹۰۸ء | مدت کے بعد نیا خط گویا شروع کیا۔ کیونکہ گزشتہ ہفتے اسی ایک خط کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ اس میل میں بھی بہ مشکل پُورا کر سکی۔ سیر کریں آرام لیں۔ یا کیا کریں۔ ایسے لمبے خطوط کے لئے ان دو کاموں کے بعد بڑی مُدت سے وقت مل سکتا ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے۔ کہ میرے عزیز میرے خطوں کے کتنے مشتاق اور منتظر رہتے ہیں۔ یہ خیال تازیانے کا کام کرتا ہے۔ اور کسی نہ کسی طرح سے لکھ سکتی ہُوں۔ اگرچہ حسب دلخواہ لمبے اور پُر احوال خطوط نہیں ہوتے ہیں۔ تاہم غنیمت ہے۔ آجکل عمدہ لطیف سرد ہوا چلتی ہے۔ یہاں کے باشندے

مل رہی تھیں۔ وہاں لے گیا اور میڈم سے ہم ملے۔ اُن سے ملنے کے بعد اُنکی دائیں طرف تیسری اور چوتھی کرسیوں پر بٹھائے گئے۔ بھائی اور بہن ہمارے پیچھے کرسیوں پر بیٹھے۔ جگہ نہایت عُمدہ تھی۔ ہمارے سیدھے ہاتھ کی طرف دو اور بیبیاں بیٹھی تھیں۔ ہمارے علاقے کے بعد ایک اور ذرا چھوٹا مگر نہایت عمدہ سجا ہوا تھا۔ جس کے سامنے بہت بڑی بارہ دری یا جھروکے کی قسم کی ایک چیز تھی۔ تاکہ دُھوپ سے سایہ ہو جائے۔ اُس کے لئے سُرخ مخمل کا شامیانہ آگے کھینچا ہوا تھا۔ جس پر سُنہری جھالر۔ ڈورے۔ پُھندنے وغیرہ زیب و زینت کے لئے لگائے تھے۔ بہت ہی شاندار اور عالی شان چیز۔ یہاں پھولوں کی وُہ کیفیت تھی کہ سُبحان اللہ۔ رنگا رنگی پھولوں سے گلزار بنا ہوا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ قدرتی منظر ایسا بے نظیر کہ خوب جوڑ ہو گیا تھا۔ کرسیوں پر بہت کچھ سُنہری کام بنا ہوا تھا۔ یہاں سُنہری اشیا کا بہت ہی رواج ہے۔ ایسی خوبصورتی سے بناتے ہیں کہ بالکل ہلکا پن نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ نہایت اچھا نظر آتا ہے۔ ہم بیٹھے۔ اتنے میں بڑے تزک و احتشام سے پریسیڈنٹ کی سواری آئی۔ کھلی گاڑی میں چوکڑی جتی ہوئی۔ آگے پیچھے سوار۔ شاہی ٹھاٹھ سے کچھ کم نہیں۔ البتہ کوچوان اور سائیسوں کی وردیوں میں اتنا بہت زرین کام نہیں تھا۔ اور سواروں کی تعداد شاید کسی بادشاہ سے کم ہو تو ہو۔ مگر شاہانہ ٹھاٹھ کہا جا سکتا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں۔ لشکری قواعد گھوڑ دوڑ کے میدان میں ہونے والا تھا۔ جو بوا دی بولون میں ہے۔ راستہ میں دورویہ پولیس اور فوجی سپاہیوں کے دستے تھے۔ اور جا بجا سوار کھڑے تھے۔ اگر ایک راستے سے چار شاہراہیں جا رہی ہوں تو ان چاروں رستوں پر فوق البھڑک وردیاں پہنے چار چار سوار موجود۔ جتنا میں

اور پُر مذاق فرنیچر دھرا ہوا تھا۔ اور عمدہ عمدہ منقش تصویروں سے دیواریں مزین کی ہوئی تھیں۔ اُنکے شوہر اور بچوں کی تصویریں بھی آویزاں تھیں۔ جس طرح ہم لوگ چٹائی یا کسی اور فرش سے پہلے زمین پر فرش کرتے ہیں۔ بعد قالین وغیرہ بچھاتے ہیں۔ اسی طرح اُنکے کل محل میں ہلکے بغیر پھول کے سادے کبوتری رنگ کے غالیچے سے زمین کو چھپایا تھا۔ گویا تمام زمین پر موٹا مخملی فرش تھا جس پر اعلیٰ درجہ کے عمدہ عمدہ ایرانی اور مشہدی غالیچے کے پا انداز جابجا بچھے ہوئے تھے۔ جس سے نہایت سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ وضع مجھے خاص طور سے پسند آئی۔ پرنسس بڑے تپاک سے ملیں۔ اور اپنے ہمراہ اندر لیگئیں۔ جہاں دو اور بیبیاں متمکن تھیں۔ صاحبہ خانہ سیاہ پوش تھیں۔ جس سے عیاں تھا کہ وہ کسی کے سوگ میں ہیں۔ گلے میں عمدہ موتیوں کی لڑی اور الماس کی لمبی کنٹھی پہنی ہوئی تھی۔ ان دو بیبیوں میں سے ایک اُنکی صاحبزادی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد پرنسس چاء نوشی کے لئے اور کمرے میں لے گئیں۔ جہاں باقرینہ میز بچھی ہوئی تھی۔ فرانس میں یہی دستور ہے کہ کھانے کی طرح چاء بھی پیتے ہیں۔ اور کیک وغیرہ کھاتے ہیں۔ یہاں پرنس دی برائی تشریف رکھتے تھے۔ انگریزی ٹھیک نہ آنے کی وجہ سے زیادہ تر خاموش سب کی سُنتے تھے۔ یہ دونوں ہندوستان کا سفر کر چکے ہیں۔ کچھ تجربے بیان کئے۔ ناشتے کے بعد تمام کمرے دکھائے۔ دلکش چیزوں سے معمور ہیں۔ ایک میوزک رُوم تھا۔ جس میں ہارپ رکھے تھے۔ یہ پرنسس اچھا بجا سکتی ہیں۔ بہت اچھا وقت گزار کر محظوظ واپس آئے۔ بہت ہی اچھا ہوا کہ فرانس کے ایک امیر گھرانے کا طور دیکھا۔ بعد ایک بہترین رسٹوران میں جاکے کھانا کھایا۔ بعض چیزیں بہت لذیذ تھیں۔ کھانے کے بعد ترکی قہوہ ہاتھ سے بناکے بڑی کیفیت سے پیا۔ اتنی مدت

نہیں میں نے بھی سلسلہ جنبانی کی۔ بعد ازاں ایک چٹھی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی دی جس میں اپنے مطلب کو پورا پورا واضح کیا ہے۔ یہ لوگ محنت شاقہ اُٹھا کر دنیا بھر کے معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اور بالکل بے غرضی سے محض دنیا کے فائدے کے لئے۔ شاید میں پیشتر لکھ آئی ہوں۔ مادام موزل میسان فیرولکر ایک رسالہ چھاپ رہے ہیں۔ صرف مسلمانوں کے حالات سے پُر ہوتا ہے۔ اس کے لئے بعض مسلمان فرقوں کا احوال چاہتی ہیں۔ عجب بُردبار اور اپنے ارادے کے پکے ہیں۔ ہرات میں گھسنا اور اس کی تہ کو پہنچنا یہ ان لوگوں کا فطرتی میلان طبیعت ہے۔ تھوڑی دیر بات چیت ہو ہوا کر مادموزیل کے ساتھ بھائی عقیہ اور میں چلے۔ سٹیشن سے ٹرین میں سوار ہو کر آدھ گھنٹے میں منزل مقصود پہنچ گئے۔ پہلے سے گاڑی کا انتظام تھا۔ اس میں سوار ہوئے اور ہوٹل گئے۔ جہاں ہمارے کمرے کی خبر تھی۔ لنچ کا حکم دیکر باغ کی سیر کی۔ اتنی نفیس اور روح افزا جگہ تھی۔ کہ اپنے آپ طبیعت کھل جاتی تھی۔ تھوڑی دیر یوں ہی دل آویز ہوا کھاتے رہے۔ بعد لنچ تیار ہوا۔ کھانے کے کمرے میں آکے باشتہائے صادق پُرخوری کی بعد اس محل کی سیر کی جس کے مشاہدے کے لئے آئے تھے۔ یہ محل مع عجائب خانہ ڈیوک دوماں نے لاوارث ہونے کے سبب قوم کو ہدیہ دیا ہے۔ ان کا لڑکا شاید نپولین کے زمانے میں مارا گیا۔ تو دنیا سے بیزار ہو گئے۔ اور یہ کام کیا۔ بھتیجی تھا گر اوباش۔ انکو خیال گزرا کہ تمام دولت لٹا دیگا۔ اس واسطے اس کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ مادموزیل سے معلوم ہوا کہ بڑے ہی لائق اور عمدہ آدمی تھے۔ اور بڑی سپاہیانہ طبیعت رکھتے تھے۔ ایسا عالیشان مکان اور اسباب تھا۔ مگر آپ

کاریگری اور منقش تصویروں میں بے دریغ روپیہ صرف کیا ہے
میں بہت زیادہ حظ آیا - ماری انٹوانٹ - میڈم دوبری - پامپا دور - مان پاسنے - ایک اور شے دیکھی جس
وغیرہ وغیرہ مشہور درباری عورتوں کی ہوا دارا ور برف پر پھسلنے والی گاڑیاں
مگر اقسام وطرز کی کوئی انتہا ہی نہیں - کوئی گھوڑے جیسی - کوئی مچھلی کی شباہت والی
اور ان پر بھی دستی نقش کی کوئی حد نہیں - خوب دیکھ بھال کے سٹیشن پر آگئے - اور
ریل میں سوار ہوکر پیرس میں چلے آئے - ان اشیا پر جو مال و دولت بڑودے میں نمایاں
ہے - اس طرح یہاں دکھائی نہیں دیتا - مگر ہنر مندی اور کاریگری میں اپنی آپ نظیر ہیں -
وہاں سونے کی بھرمار ہے - یہاں بہت ہوا تو ملمع - ہوٹل میں واپس آئے تو کیا دیکھتے
ہیں کہ فرینچ مسز ٹاٹا ہمارے ہی ہوٹل میں تووارد ہیں - کیا لائق اور اچھی بی بی ہیں -
ملکر بہت خوش ہوئے ۔

۱۱ - جولائی سنہ ۱۹۰۸ء | سوا پانچ بجے رمپل مار کے ہاں ہم لوگ گئے - تمام پیرس میں اس سے
زیادہ بہتر کیک اور مٹھائی کوئی نہیں بناتا - مشہور قہوہ خانہ ہے - نہایت پر لطف اور
نازک چیزیں کھائیں - منہ میں ان کا مزہ رہ گیا - ہوا ذرا بدل گئی ہے - ابر کی بہار رہتی ہے -
اور بارش ہونے سے ہوا میں دلپسند تازگی اور خنکی پیدا ہوگئی ہے - آجکل پیرس
میں بڑی تیاریاں ہیں - ۱۴ - جولائی کو ری پبلک ڈے یعنی حکومت جمہوریہ کی سالگرہ
ہے - شہر میں عام طور پر رقص و سرود اور چراغان ہوگا - منگل کو بہت بڑی لشکری قواعد
ہوگی - جس کے دیکھنے کا انتظام ہوگیا ہے -
صبح سے ذرا سست وقت گزرا - جب تک پیرس میں یہ رونق رہیگی - کسی جگہ جانا غیر ممکن
ہے - کیونکہ ہر جگہ اتنا ہجوم ہوتا ہے اور کم ظرف لوگوں کی بھیڑ رہتی ہے کہ شریفوں کا گزر

دیکھ سکی۔ شہر کے سواروں کے قد و قامت رنگ ڈھنگ پیادہ سپاہیوں سے
بہت بہتر ہوتے ہیں۔ خیر پریزیڈنٹ گرد فرسے آئے۔ اور تمام لشکر کی الگ الگ
ٹکڑیاں تھیں۔ اُن کے درمیان پورا چکر لگایا (سُنتی ہوں کہ پچاسی ہزار لشکر قواعد
کے لئے حاضر ہونے والا تھا) بعدہٗ اپنی نشستگاہ کے روبرو اُتر گئے اور اوپر آگئے
اُن کا بکس بالکل متصل تھا۔ اس لئے تمام کارروائی پوری طرح دیکھ سکے۔ الگ الگ
ملکوں کے سفیر درباری پوشاکوں میں حاضر تھے۔ پریزیڈنٹ اور اُنکے ڈیپوٹیز
سادے فراک کوٹ اور ٹال ہیٹ میں تھے۔ گویا ان کا کوئی آفیشل یا شاہی درجہ
نہیں ہے تو سیدھے سادے لباس میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اس طرح لندن میں بھی غور کیا
تھا۔ ہنوز یہ صاحب اپنی جگہ متمکن نہ ہوئے تھے کہ جو رسم سب سے پہلے ادا ہوئی
وہ یہ تھی کہ خود پریزیڈنٹ نے مستحقوں کو تمغے عطا کئے۔ ایک جنرل کو بہت بڑا تمغہ
مرحمت ہوا۔ اُنکی بی بی عطیہ اور بھائی کو سمجھا رہی تھی۔ ہم سب نے بھی اُنکو مبارکباد
دی۔ پریزیڈنٹ نے اپنے ہاتھوں سے ہر ایک کو تمغہ پہنایا۔ اور پہنانے کے بعد بغلگیر
ہوکر دونوں گالوں پر بوسے دیتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ اسی طرح کیا۔ اور اپنی
جگہ بیٹھے۔ بعد ریویو شروع ہوا۔ ہر ایک فوجی ٹکڑی پریزیڈنٹ کے سامنے سے
باقاعدہ گزرتی تھی اور جہاں اُنکے سامنے آئی سلام کیا۔ یعنی ٹکڑی میں سب سے
پہلے جنرل سوار ہوتا تھا۔ بعد میں پانچ آدمیوں کے ہاتھوں میں اس خاص لشکر کا
جھنڈا ہوتا تھا اور اس کے بعد لشکر۔ سلام اس طرح کرتے تھے۔ کہ جھنڈا جھکاتے
تھے۔ بس نے دیکھا کہ جھنڈا سامنے آتا تھا۔ تو فوراً پریزیڈنٹ اور تمام اُنکے بکس کی
مجلس تعظیماً کھڑی ہوکر ٹوپی اُتار لیتی تھی۔ بعد ازاں جھنڈا جھکایا جاتا تھا کبھی پہلے

قابل اور مناسب تھا۔ مگر جب بلوا ہوا۔ تو لوگوں نے مارے غیظ و غضب کے بہت سا جلا ڈالا۔ سب سے زیادہ حظ مجھے ان کمروں میں آیا جو ماری آنیٹوانٹ کے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کمرے جو اس بادشاہ بیگم نے اپنے سلیقے سے سجائے تھے۔ گویا اس کی رُوح وہاں موجود ہے۔ اس کے زمانے کا احوال اور خود اس کے بارے میں اتنا پڑھا ہے۔ کہ مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہُوا کہ گویا وُہ تمام زمانہ نگاہوں میں پھر گیا۔ وُہ غسل خانہ وہ سنگھار کا کمرہ وہ لباس تبدیل کرنے کا کمرہ جہاں صبح کے وقت دربار ہوتا تھا۔ اور پُشت کا زینہ جہاں سے ڈیوک ڈارٹوا اور کامت دی شارنی آیا کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کام کرنے کا سوئی دان۔ اور دُوسری شوقیہ اشیا جو خاص اُنکے متعلق کی تھیں۔ سب حالتِ اصلی میں موجُود ہیں۔ خوش قسمتی سے ان کمروں کا تمام فرنیچر بچ گیا ہے۔ حمام میں نہانے کا سامان تھا۔ سو نپولین یوجینی کے واسطے لے گیا۔ اِن کمروں کا امتیاز دیکھ کے تعجب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی محل کے اَور کمرے کیسے عالیشان ہیں اور یہ انکی نسبت بہت کم وسعت معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کمرہ دیکھا جہاں بادشاہ شکار کے بعد ناشتے کو آتے تھے۔ شکار نیچے چوک میں لایا جاتا تھا۔ اور ان کمروں کے دریچوں سے مشاہدہ کرتے تھے۔ اِس کے پڑوس میں ایک اَور کمرہ تھا۔ جہاں تمام وزرا جمع ہوتے تھے۔ اس کمرے میں پانچ میزیں ہیں۔ ہر ایک پر ایک ایک محل اور اس کے متعلقات کا نقشہ بنا ہُوا ہے۔ جس کے جنگلوں میں بادشاہ بغرض شکار یا کسی اَور ضرورت سے جاتے تھے۔ اور جانے سے پیشتر نقشوں کی مدد سے تمام دستور العمل تیار کیا جاتا تھا۔ اور اس کے مطابق حُکم نافذ ہوتے تھے۔ بعد میں بادشاہ سلامت

بعد بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ پُرخوری کر کے شہر میں سیر کے لئے گئے۔ چراغاں سے بعضے
بلڈنگ اور سرکاری عمارتیں نہایت عمدگی سے آراستہ کی تھیں۔ باستیل کا میدان بھی خوب
جگمگا رہا تھا۔ اطراف میں روشنی کے ہار۔ تمام بجلی اور گیس کا کھیل تھا۔ بعضے راستے
ایک سرے سے دوسرے سرے تک کنولوں سے سجے تھے۔ جن میں روشنی کی تھی
اور کہیں تاج وغیرہ اور بڑے بڑے رنگین پھولوں کے ہار جنکے ہر پھول میں ایک بجلی کا گولا
رکھا ہوا تھا۔ تمام راستوں پر لوگ بے طرح ناچتے کودتے بلکہ آپے سے باہر ہوئے
جاتے تھے ٭

۱۴ جولائی ۱۹۰۸ء سویرے ٹھیک سات ساڑھے سات کے درمیان فوجی قواعد
دیکھنے کو گئے۔ جس کے لئے میڈم فالیر کے خاص نشستگاہ کے چار کارڈ تھے آج
کے دن جمہوری حکومت قائم ہوئی تھی۔ اس لئے رات دن عیش میں گزارنے کا ہے۔ اور
وہ بھی اسطرح کہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ از خود رفتہ ہو رہے ہیں۔ صبح نہایت لطیف ٹھنڈی
ہوا سے مفرح تھی۔ لکھو کھا آدمی اس طرف کس جوش اور اشتیاق سے چلے جاتے تھے۔
پیدل اور مختلف اقسام کی گاڑیوں میں جم غفیر موج کی طرح جا رہے تھے۔ ہم لوگ احاطے میں
پہنچے تو دیکھا کہ ایک عام نشستگاہ ہے۔ ایک پریزیڈنٹ کی اور ایک دوسری۔ ہماری
گاڑی پریزیڈنٹ کے بکس کے سامنے روکی گئی۔ وہاں ایک عہدہ دار نے کہا کہ بیبیاں
میڈم فالیر کے بکس میں تشریف لیجائیں اور حضور اور بھائی پریزیڈنٹ کے علاقے میں
جائیں۔ ایک رہنا ہم کو مقررہ علاقے میں لیگیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ اس پہلے عہدہ دار کی
غلطی تھی۔ حضور اور ہم سب کو ایک ہی جگہ بیٹھنا تھا۔ زینہ سے چڑھ کے ہم پس و پیش
میں تھے کہ کیا کریں اور کہاں بیٹھیں۔ اتنے میں ایک عہدہ دار جہاں میڈم فالیر بے

سب آثار موجود ہیں۔ یقین ہے کہ پورے سن شعور میں بڑی قابل اور ممتاز رانی بنیگی
راجپوت خون اس کے رگ و پئے میں بھرا ہوا نمایاں ہے۔

بعد میڈم وان پراگ کی دعوت میں گئے۔ بہت لذیذ کھانا دیا۔ یہ لوگ بہ نسبت
غیروں کے آپس میں زیادہ ملتے جلتے رہتے ہیں۔ کیونکہ بڑا خاندان ہے کھانے
کے بعد میڈم کے بھتیجے نے جس کی عمر کوئی اٹھارہ بیس سال کی ہوگی۔ وائیولین
نہایت کمال اور ہنر سے بجائی۔ خداداد ملکہ اس کو حاصل ہے۔ ہم تو بالکل محو اور حالت
وجد میں ہوگئے۔ عجیب موثر طریقہ سے بجاتا ہے۔ یہی جی چاہتا تھا کہ سنا کریں۔
بلا کی قدرتی سمجھ ہے۔ جو نئی چیز سنتا ہے۔ فوراً بجا سکتا ہے۔ اس کو تعلیم کے
طریقہ پر پڑھ کر میوزک سیکھنا نہیں پسند۔ کان سے سنکر بجانا بہت ہی پسند ہے۔
عطیہ بہن نے ایک ہندی راگ گایا۔ اُسے سنکر آدھے گھنٹے کی کوشش کے بعد
بجا سکا۔ فوراً نہ بجایا۔ کیونکہ ہندی راگوں سے محض ناواقف ہے۔

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء | میاڈموزیل مینا آئیں۔ تمام وقت عالمانہ گفتگو کا سلسلہ اُنہوں نے
جاری رکھا۔ تاریخ اسلام سے جس قدر یہ واقفیت رکھتی ہیں۔ اور جس طور سے ہر ایک
بات یہ جانتی ہیں۔ تعجب معلوم ہوتا ہے۔ شانتیکلی میں جو بہت بڑی اکاڈمی ہے۔
بدھ کو اپنی ہمراہ لیجا کر دکھانے والی ہیں۔ اس قدر کارپرداز بی بی ہیں۔ انہیں بہ مشکل
فالتو کام کرنے کی فرصت ملتی ہے۔ یہاں ایک جریدہ خاص مسلمانوں کی تاریخ اور حالات
سے معمور جاری ہے۔ اسکے لئے کچھ حالات مانگے ہیں۔ یہاں بہت سے علوم مشرقیہ
کے شیدائی ایسے ہیں جنکی زندگی ممالک مشرقی کے باشندوں کے احوال بہم
پہنچانے۔ تاریخی حالات جاننے اور جستجو کرنے میں بسر ہوتی ہے۔ واقعی بے غرض لوگ ہیں۔

ہو نہیں سکتا۔ اور سب یہی کہتے ہیں کہ بدھ تک خموشی اختیار کرنا بہتر ہے۔ ورنہ بہت
ہی نامرغوب تجربوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ اِس لئے بہ مجبوری الگ ہیں۔ بڑے محل (گراں پیلے)
کے قریب پُرامن راستے سے ہم لوگ پیدل سیر کے لئے نکلے۔ پانٹ الگزینڈر (اُس
ناویل) سے گزر سین ندی کے اُس پار سیر کرنے لگے۔ جیسے لندن کی آبادی ٹیمز ندی کے
دو رویہ واقع ہے۔ اسی طرح پیرس سین ندی کے آرپار بسا ہوا ہے۔ آئفل ٹاور تک
گئے۔ بعد ازاں ایک پُل سے گزر کر ٹراکیڈیرو جو یہاں کا بہت بڑا سرود خانہ اور
عجائب گھر ہے۔ اِس کے باغ میں سیر کی۔ ہوا میں لطافت ہونے کی وجہ سے بہت
ہی دل شگفتہ ہوا +

۱۲۔جولائی ۱۹۰۶ء | ٹھیک چھ بجے پرنس ڈی برائی کے ہاں پہنچے۔ دروازہ کھول کر
اندر گئے۔ تو گول احاطہ میں داخل ہوئے۔ سڑک کی طرف دیوار سے احاطہ باندھ لیا
ہے۔ دربان کا کمرہ قریب ہی تھا۔ وہاں سے ایک عورت آئی۔ جس پر ہم نے ظاہر کیا۔
کہ کس غرض سے آئے ہیں۔ وہ ہم کو محل کی دوسری طرف لے گئی۔ جہاں ایک اور دروازہ
تھا۔ اِس میں جانے کے پیشتر ملازمہ نے گھنٹی بجائی۔ جس کی آواز محل کے اندر ہوئی۔
اس چوک میں ریت بچھی ہوئی تھی۔ اس لئے صاف ستھرا اچھا نظر آتا تھا۔ ایک بڑا پیادہ
وردی پہنے ہوئے نظر آیا۔ اُس نے اندر آنے کے لئے اشارہ کیا۔ اندر پہنچ کر دو اور
وردی پہنے ہوئے ملازم حاضر تھے۔ جو بالا خانے پر لے گئے۔ زینہ سے چڑھ کے
بالا خانے پر پہنچے۔ اور پہلے کمرے میں داخل ہوئے نہایت اعلیٰ درجہ کے اسباب
سے سجا ہوا تھا۔ اسی طرح کے تین کمروں سے گزر کر چوتھے میں وارد ہو رہے تھے کہ پرنس
استقبال کو آگے بڑھیں۔ پندرھویں اور سولہویں لوئی کے زمانے کے مطابق نہایت نازک

بڑی مارکیٹ دیکھی +

۹-جولائی ۱۹۰۸ء صبح کو فرنیچر کے بڑے سٹور (گودام) میں گئے۔ اور نفیس و پُر سلیقہ
چیزیں پسند کیں۔ اور خریدیں۔ ساڑھے تین بجے چیمبر آف ڈیپوٹیز (یہاں کی پارلیمنٹ)
میں گئے۔ باہر سے عمارت نہایت عمدہ ہے۔ جیسے کہ سب فرنچ عمارتیں ہوتی ہیں
داخل ہوتے ہی چپڑاسی نے ہمیں راستہ بتایا۔ اور ہم گیلری میں پہنچے۔ اندرونی حصہ بعینہ
ناٹک گھر کا سا معلوم ہوتا تھا۔ نیچے کے دائرے میں تمام ڈیپوٹیز موجود تھے۔ تمام اسباب
آبنوسی مخمل کا تھا۔ اور کمرے کی وضع بالکل خراب پنکھے جیسی تھی۔ سطح پر گرداگرد کوچ رکھے
ہوئے تھے۔ وسط میں میز دھری ہوئی جس کے قریب صدر صاحب جلوہ گر تھے۔ اور چند
اور اشخاص بھی حاضر تھے۔ یہ گرداگرد جو کوچ رکھے ہوئے تھے۔ وہ زینے کے مشابہ جیسے
ناٹک خانوں میں ہوتے ہیں۔ تاکہ ہر کوئی دیکھ سکے۔ اسی طرح گیلری بھی جو گرد بنی ہوئی تھی
جن میں تماشائی بیٹھ کر کارروائی دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی چھت پنکھے کے نمونے کے
شیشے کی ہے جس کو لکڑی سے منقش کاریگری کرکے نہایت خوبصورتی اور سلیقے سے ختم کیا ہے۔
اور آخری حصے پر بڑی بڑی منقش تصویریں نصب ہیں۔ گیلری کا بوجھ بیس بائیس ستونوں
پر سنبھلا ہوا ہے کہ جنکی لمبائی بیس بائیس فیٹ سے زائد شمار ہو سکتی ہے۔ اور یہ جوڑ
ایک ڈال سنگ مرمر کے ڈھالے گئے ہیں۔ سنگ تراشی کا تو کیا ذکر کروں۔ کیونکہ اس
کے سوا فرنچ لوگ جی نہیں سکتے۔ ہر جگہ اتنی دیکھنے میں آتی ہے کہ جی سیر ہو جاتا ہے۔
روایت ہے کہ تقریباً ہر مہینے میں شہر کے کسی موزوں حصے میں سنگ مرمر یا برنج کی کوئی
تمثال یا مجسمہ بنا قائم کیا جاتا ہے۔ نہ معلوم اسی شہر میں کتنے لاکھ بُت موجود ہونگے۔
ہر ایک باغ کے اندر جا بجا سینکڑوں نصب ہیں۔ اسی طرح ہر ایک سرکاری عمارت

کی سواری روانہ ہوتی تھی۔ ان شاہی کمروں میں معمولی رہنما کو جانے کا حکم نہیں ہے وہاں پہرہ دار بیٹھے ہوئے ہیں۔ خواہش ہو تو لیجا کے دکھاتے ہیں۔ بہت ہی حفاظت کی جاتی ہے۔ یوں تو ہر ایک حصّہ محل کی حفاظت کی جاتی ہے۔ مگر ان خاص کمروں کی خاص طور سے دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ پُرانی یادگاروں میں ان تمام اشیائی کی طرح شاہیت ہے۔ ماری آنٹوانٹ کے کمرے کے متصل دو اور چھوٹے کمرے ہیں جو انکا کُتب خانہ تھا۔ ایک میں ننھی ننھی کتابیں اور دُوسرے میں بڑی بڑی جلدیں رہتی تھیں فی الحال وُہ کمرے خالی ہیں۔ مگر بطور نمونہ چند کتابیں رکھی ہوئی ہیں جن سے آدمی سمجھ سکتا ہے۔ کہ کس قسم کی کتابیں تھیں۔ برآمدوں سے کئی دفعہ باغ پر نظر ڈالی مگر یہ حسرت ہی رہی کہ وہاں جا نہ سکے۔ پانچ بجے تک سیر کرتے رہے۔ پھر دربانوں نے للکارنا شروع کیا کہ بند ہو رہا ہے۔ یہ صدا سُنتے ہی ہم نیچے اُتر کر محل سے باہر ہوگئے۔ بعد ازاں ایک قہوہ خانہ میں گئے۔ جو لب دریا واقع ہے۔ نہایت پُرلطف جگہ۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کبھی کبھی آجاتے تھے۔ اور لوگ سمندر کی سیر میں مستغرق اور مصروف تھے۔ اس مُلک میں بے ساختہ کافی پینے کو جی چاہتا ہے۔ اور تو کچھ دیکھ نہ سکے۔ مگر گاڑی خانے میں جاکر نپولین کی دس بارہ نادر گاڑیاں دیکھیں ان پر بھی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ کیسی خوبصورت ہیں کہ بس ہم تو محو ہو کر دیکھنے لگے۔ ہر موقع و محل پر استعمال کرنے کی جداگانہ گاڑیاں۔ شادی بیاہ کے وقت برتنے کی۔ اور فتح و ظفر کے موقع پر استعمال کی۔ اور ولیعہد کی ولادت کے وقت کی اور غرض یہ ہر بات کے لئے ایک نئی گاڑی! یہ گاڑیاں نپولین اوّل اور سوئم کی تھیں۔ ایک گاڑی اندازاً ڈیڑھ کروڑ روپیہ قیمت رکھتی تھی۔ یہاں کچھ سونے چاندی کا کام نہیں۔ مگر بے نظیر

عجیب اثر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ نہایت درجہ کی کمالیت سے نقش کی ہوئی ہیں۔ نیچے
تہ خانوں میں جا کر ہم نے تمام قبریں دیکھیں۔ پریزیڈنٹ کارنو کی وفات پر دنیا کے
اکثر ممالک سے انکی قبر پر چڑھانے کے لئے پھولوں کے ہار آئے تھے۔ ان
پھولوں کے ہاروں کی مومی نقل کر کے قبر کے اردگرد رکھ دی ہے۔ گویا متفرق اقوام
ہمدردی کے لئے ہمیشہ شریکِ حال ہوں۔ اس میں ایک بی بی دفن ہیں۔ جو سائنس
میں نہایت درک رکھتی ہیں۔ اس کا شوہر اسی جگہ مدفون ہے۔ ڈائنامیٹ ان ہی
لوگوں کی ایجاد تھا۔ تہ خانہ کماندار بنا ہوا ہے۔ اور اسی پائے پر یہ سنگین عمارت کھڑی
ہے۔ تہ خانے کے پتھروں کو چونے یا سیمنٹ سے نہیں جوڑا ہے۔ بلکہ بڑی بڑی
سلوں کو سیسہ پگھلا کے جوڑ دیا ہے۔ کسی صورت سے پائے کو صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔
شام کو پارک مانسو دیکھا۔ شہر میں ہر درجے کے لوگوں کے واسطے ایسے باغات
بنے ہوئے ہیں۔ بہ آ زیادہ تر بڑے لوگوں کے واسطے ہے۔ اور پھر بھی حیرت ہے۔
کہ ان لوگوں کو مساوات کا دعویٰ ہے۔

۸۔ جون ۱۹۰۶ء | آج ہم نے الماس کا نادر کارخانہ دیکھا جس میں ہیروں کو اعلیٰ
درجہ کی تراش دیکر گراں قدر بناتے ہیں۔ یہ اعلیٰ درجہ کے جواہرات کیسی حالت میں
آتے ہیں اور کس درجہ پر پہنچتے ہیں۔ اس کارروائی کو نہایت حظ اور شوق سے دیکھا
کارخانہ خود بہت ہی کم مایہ اور تباہ حالت میں ہے۔ مگر اس میں جو کام انجام دیا جاتا
وہ حیرت انگیز ہے۔ یہاں بڑے بڑے سانچے تمام وقت کھٹ کھٹ کرتے
ہوئے چلا کرتے ہیں۔ لمبی لمبی میزیں رکھی ہوئی ہیں۔ ان پر فولاد کی چکیاں جو کہ
سوا منٹ میں تین ہزار دفعہ چکر کھاتی ہیں۔ اس بلا کی سرعت تیز دستی دکھاتی ہیں

ڈھائی بجے ہم سب ورسائی گئے۔ بہت افسوس کہ تنگی وقت کی وجہ سے
جی بھر کر نہ دیکھ سکے۔ اور خاص باغ دیکھا ہی نہیں جو اتنا مشہور ہے۔ وہاں کے سٹیشن پر
پہنچکر گاڑی لیکر محل میں گئے۔ جہاں سے ایک رہنما ساتھ ہو لیا۔ اور محل میں داخل
ہوئے۔ عمارت کے بیرونی حصہ میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اندر داخل ہوئے
تو کمرے کے بعد کمرے۔ نہیں معلوم کتنے ہونگے۔ جنکی دیواریں تصویروں سے چھپی
ہوئی۔ تصویروں کا کوئی شمار نہیں۔ حتّٰی کہ رہنما بھی نہ بتا سکا۔ کمرے تین سو پینسٹھ
ہیں۔ تمام محل کے نیچے کے تصویروں والے کمرے دیکھنے کے بعد ہم اوپر گئے۔ جہاں
کے چند کمروں کو دیکھ کر کچھ شاہی ٹھاٹھ اور شوق کا خیال آیا۔ دیواریں رنگ برنگی
سنگ مرمر کی یعنی سرخ سبز سیاہ زرد اور اس میں جابجا بہت برنجی آرائش۔ موتیں یا
تصویریں یا سنہری نقش و نگار۔ غرض یہ کہ عجیب طرح کی سجاوٹ دیکھی۔ ایک کمرہ وینس[1] کا
جس کی چھت تمام اس دیوی کے قصوں سے منقش کی ہوئی ہے۔ ایک مارز[2] کا کمرہ
ایک مرکیوری[3] ایک ہرکیولیس[4] کا۔ ان سب میں ان دیوتاؤں کے معرکے چھت پر منقوش
ہیں۔ اور دیواروں پر جدا جدا بادشاہوں کے مشہور تاریخی معاملات کی تصویریں
کشیدہ کی ہوئی ہیں۔ فرش معمولی لکڑی کا ہے۔ لیکن ان تمام کمروں میں گیلریاں ہیں جن
میں کمال ہی کر دیا ہے۔ دو ڈھائی سو فیٹ لمبی کمان دار چھت تمام سنہری نقوش
اور رنگ آمیزی سے آراستہ۔ واقعی اعلےٰ درجے کی کاریگری کا نمونہ ہے۔ کیونکر ممکن
ہے کہ میں کاغذ پر ایسا لکھ سکوں۔ کہ کچھ بھی اندازہ ہو سکے۔ یہ نقش کاری نہایت عمدہ
تصور کی جاتی ہے۔ پیشتر ورسائی میں نہایت بیش قیمت فرنیچر تھا۔ جو ایسے محل کے

---

[1] حسن و عشق کی دیوی [2] جنگ کا دیوتا [3] ایک دیوتا [4] یونانی داستانوں کا مشہور معروف ممدوح جس کا زور و طاقت ضرب المثل ہے۔

اندازہ وُہ کیا خاک کر سکیں - مگر جس مُلک میں شاہی ہو کر پھر جمہوری حکومت قائم ہوتی ہے۔ وہاں جلدی مساوات کا قدم نہیں جم سکتا - یہاں کل امیر گھرانوں کے لوگ اور شہزادے اس کے بالکل خلاف ہیں - اور اچھی طرح فرق ظاہر کرتے ہیں - اسی طرح ذرا بھی جس کا درجہ تھا - وُہ یہ نہیں چاہتا - کہ ادنیٰ غریب کے ساتھ اس کی ہمسری ہو - اور یہ قدرتی بات ہے - خُدا نے فرق پیدا کیا - تو انسان کی کیا مجال جو اسے مٹا سکے ! درجوں میں تفاوت ہونا لازمی ہے - ورنہ بسا اوقات کیسے ناپسندیدہ تجربے سہنے پڑتے ہونگے -

رات کو ہم شرلاک ہومز کے کھیل کو دیکھنے کے لئے گئے تھے - تمام قصے کو عملاً دکھایا - مور یارٹی جو ایک بڑا نامی چور ہے اور شرلاک سراغرساں کی اندرونی رقابت ہے - دونوں اپنے اپنے فن میں کامل اُستاد ہیں - اور ایک دُوسرے کی کسطرح کاٹ کرتے ہیں - غضب کا حظّ آیا - جو شخص شرلاک بنتا ہے - بس آفت کا پرکالا ہے - اوّل تو بے نظیر قصہ ہے - پھر اسکو ایسے لاجواب پیرائے میں کیا کہ بعینہ خاکہ کھینچدیا - ناٹک کے فن کو اکمل درجہ پر پہنچایا ہے - ہر دفعہ ایک نیا لُطف آتا ہے -

۷ - جولائی ۱۹۰۶ء صبح پیدل چل کے بہت ہی دلچسپ جگہیں دیکھیں - ان میں سے لاپانتھئین - پیرس کی نہایت خوبصورت اور عالیشان عمارتوں میں سے ایک ہے - اسکا تاریخی احوال یہ ہے - کہ سینٹ جنویو ایک مقدس عورت پانچویں صدی میں گزری ہے جس کی یہ قبر تھی - فرانس میں سوا سو سال (۱۲۵) پیشتر وُہ آفت ناک انقلاب ہوا تھا - جو تاریخ میں مشہور ہے - ان ہی ایام میں سوفلو نامی ایک مشہور و معروف ماہر فن تعمیر نے اپنے اعلیٰ اور پاکیزہ خیالات کا نمونہ اس عمارت میں دکھایا - جو اپنی وضع و خوبصورتی میں قدیم یونان و رُوما کی بہترین عمارتوں کی ہم پلہ ہے - یہ کہنا کچھ غلط نہیں ہے کہ اپنی وضع میں

باہر اندر سے نامی گرامی لوگوں کے مجسموں کے علاوہ تمثیلی تصویروں۔ جانوروں کی مورتوں۔ خیالی دیوتاؤں۔ یا خیالی تصویروں۔ مجموعی یا تنہا تمثالوں سے معمور ہر۔ مطلب یہ کہ ہر گوشے میں شکلیں بنی ضرور ہیں۔ یہ اُنکے ہنر کا عین کمال ہے۔ پُشت کی دیوار کو مشہور و معروف گابلن ٹیپسٹری سے مزین کیا ہے۔ جو گہرے سبز رنگ میں بادامی طرح نکالی ہے۔ اور اس قدر دل کش اور خوبصورت ہے کہ سبحان اللہ۔ ہم اپنی اپنی جگہوں پر کوئی بیس پچیس منٹ تماشا دیکھتے رہے۔ کوئی ایجر تقریر کرتے تھے۔ مگر کس جوش و خروش سے جیسے بالکل ایکٹ کرتے ہیں۔ ہاتھ پٹکنا للکارنا۔ خفا ہونا طیش میں آجانا بے اختیار ہو جانا۔ تقریر کا پہلو جس طرح بدلتا جاتا تھا۔ اسی طرح اُنکے جوش کو عروج و تنزل ہوتا تھا۔ چہرے بنانے کے کے ہنر میں پورے ماہر تھے۔ اُنکی تقریر کے بعد کسی اور صاحب نے کچھ کہا جن کی رائے ان سے خلاف تھی۔ بس یہ سُننا تھا کہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور پیر پٹکتے ہوئے وہاں سے چل نکلے۔ اُنکی ہیئت پر بڑی ہنسی آئی۔ سُنا تھا کہ فرینچ لوگ ذرا گرم مزاج کے ہوتے ہیں۔ سو بچشم خود دیکھا۔ تقریروں کی انتہا آسانی سے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تھوڑا سُنکر واپس آگئے۔ اور تھوڑی دیر بعد برندا (مہاراجہ کپورتھلہ کے ولیعہد کی ہونے والی بی بی جو یہاں تعلیم پا رہی ہیں) کے پاس گئے۔ وہ ایک کاؤنٹس کے یہاں رہتی ہیں۔ شہر کے باہر اُنکا چھوٹا سا مکان ہے وہاں دو چار کاؤنٹس اور بیرونس آئی ہوئی تھیں۔ بہت خوش گن شام گزری برندا نے ساری باندھی تھی۔ اور واقعی بڑی پیاری معلوم ہوتی تھی۔ بہت ہی جوش اور محبت والی طبیعت پائی ہے۔ جس درجہ کو وہ پہنچنے والی ہے۔ اس کے لئے

بھاپ کی گاڑیوں سے لایا لیجایا جاتا ہے۔ تو عجیب معلوم ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ گھوڑونکی حالت بہ نسبت لنڈن کے بہت ہی حقیر ہے۔ یہاں لوگوں کو کتوں پر نہایت درجہ پیار ہے مگر بچوں اور گھوڑوں پر کم ہے۔ عجیب بات ہے کہ اس کا انتظام بہتر نہیں ہی۔ گھوڑونکی زندگی صرف ۲ سے ۴ سال کی ہوتی ہے۔ بعد میں کاٹ کے کھایا جاتا ہے۔ کیونکہ زیادہ کام کرنے کی مجال نہیں۔ تقریباً ۲۴ چوبیس گھنٹے گھوڑے کام کرتے ہونگے۔ نہ انسان سوتے ہیں نہ گھوڑے چین پاتے ہیں۔ بہت سی دکانیں سویرے سات بجے بند ہوکر نو بجے کھلتی ہیں۔ پیرس بالکل کھوکھلا شہر ہے۔ نہ زمینی ٹیوب اس کے نیچے بھی موجود ہے۔ بعض جگہ یہ گاڑی شہر کے درمیان سے گزرتی ہے۔ تو راستوں پر جگہ نہ ہونے کے باعث بڑے بڑے ستونوں کو لوہے سے پاٹ دیا ہے۔ اور ان پر سے گاڑی گزرتی ہے۔ نیچے سے معمولی گاڑیوں کی آمدورفت تو ہے ہی۔ جتنی لوہے کی پٹری پر چلنے والی گاڑیاں ہیں۔ وہ شہر کے خاص حصوں ہی میں چلا کرتی ہیں۔ ہر جگہ نہیں۔ اور حیرت تو یہ ہے کہ جس گاڑی کو دیکھو۔ بالکل بھری ہوئی۔ لوگ بے اعتدالی سے زندگی گزارتے ہیں۔ عموماً چہروں میں نہ رنگ نہ رونق۔ مگر بناوٹ سے سب ہی کچھ پیدا کر لیتے ہیں۔ نقشے انگلستان سے بہت بہتر لیکن انکی جسمانی ساخت ویسی مضبوط نہیں۔ صبح کے چھ بجے تک جاگتے ہیں۔ صرف دو گھنٹے آرام لیتے ہیں۔ عیاش قوم ہے۔ سب باتوں پر نظر کرتے ہوئے انگریز لوگ زیادہ تندرست اور سرخ و سفید ہیں۔ ان میں ایک اور بات میں نے پائی۔ بیبیوں کے ساتھ ویسے اخلاق اور تواضع سے پیش نہیں آتے۔ جیسے انگلینڈ میں مثلاً راستے

کہ کیا چیز ہو رہی ہے۔ ایسی آٹھ دس چکیاں ہیں جن میں سے ہر ایک کے مقابل ایک ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ پہلا آدمی سب سے مشکل کام کرتا ہے۔ یعنی کھردرے الماس کو پہلو دیتا ہے۔ پہلے ہیرے کو بہت بڑی بڑی چمٹیں پکڑتے ہیں اور اُسے چکی پر اُلٹا مارتے ہیں۔ کہ جو اپنا کام بڑی ہی سُرعت سے کرتی ہے۔ اور الماس کے آٹھ پہلو ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں دُوسرا آدمی سولہ پہلو بنا کر تیسرے کو دیتا ہے۔ وُہ اور زیادہ پہلو بناتا ہے۔ اسی طرح پہلو بڑھتے بڑھتے اخیر شخص کے پاس چونسٹھ پہلو دار بنکر کامل ہو جاتا ہے۔ اور یہ کلیہ قاعدہ ہے گو کہ یہاں سب کچھ سانچے سے طے ہوتا ہے۔ لیکن پہلو دینا صرف آنکھ کا کام ہے۔ فقط آنکھ سے دیکھکر ناپتے ہیں اور اتنی مہارت ہو جاتی ہے کہ اگر ناپ کر میزان نکالا جائے۔ تو کسی قسم کا فرق نہیں ہوتا۔ اس قدر باریکی اور نزاکت سے آنکھ دیکھتی ہے کہ سرمو تفاوت نہیں ہوتا بہت ہی حظ اور شوق سے کل کارروائی دیکھی۔ ایک قہوے کے رنگ کا ہیرا دیکھا جس کی قیمت تین لاکھ روپیہ ہے۔ مَیں نے چند الماس اپنے تراش کروائے جس سے اُنکی قدر وقیمت زیادہ ہو جائیگی۔ انہیں بھی تراش کرتے ہُوئے دیکھا۔ یہاں سے چلکر ایک نامی باغ ہے۔ وہاں گئے۔ جسکی نسبت میرا خیال ہے کہ پیرس میں سب سے خوبصورت باغ ہے۔ بالکل ہی قدرتی حالت میں رکھا ہے۔ پہاڑ۔ وادیاں پانی وغیرہ اور پھولوں سے معمور۔ ریل سے چلکر پہاڑ پر پہنچ سکتے ہیں۔ یہ باغ بہت ہی بڑا ہے اور اس میں نہایت بڑا پہاڑ ہے۔ جس میں کچھ قدرتی اور کسی قدر صنعتی۔ میل جول کر کے نمونہ پُرحظ بنایا ہے۔ غریب غُربا اکثر یہاں آتے ہیں۔ یہاں کے قہوہ خانے میں قہوہ پیا۔ اور واپس لوٹے۔ شب کو گاڑی میں سیر کی۔ نئے راستے دیکھے اور میلوں

ہے یا کیا بلا ہے۔ ایسا مذاق ہے کہ سبحان اللہ۔ ایک اہلکار نے اطلاع دی کہ
پریزیڈنٹ ہم سے ملنے کو تیار ہیں۔ اس کمرے کے دریچے سے باہر کا باغ اور
برآمدہ دکھائی دیتا تھا۔ جہاں سینکڑوں لوگ جمع ہوتے تھے۔ اسی برآمدے
سے ہم گزر کر باغ میں چلے۔ حضورؑ کا ہندی لباس ہماری انوکھی پوشاک بس ایک
تماشا تھا۔ ہر سمت رائے زنی ہو رہی تھی۔ کوئی کہتا تھا۔ یہ تمام سچے موتی ہیں۔
ایک کہتا تھا جلد بھی سچی ہے۔ بال بھی سچے ہیں۔ گویا پیرس میں ان چیزوں کا
سچا ہونا یا قدرتی ہونا انوکھی بات ہے۔ ہری گھاس پر ایک جگہ قالین بچھا ہوا
تھا۔ جس پر چند سنہری کرسیاں اور کوچ وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ وہاں پریزیڈنٹ
کھڑے تھے اور خاص خاص لوگوں سے مل رہے تھے۔ بہت ہی ضعیف العمر ہیں۔
بات کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ کیونکہ وہ انگریزی نہیں جانتے تھے۔ اور ہم فرنچ زبان سے
بے بہرہ تھے۔ سکرٹری کے ذریعہ تھوڑی بات چیت ہوئی۔ میں نے پیرس کی
بہت تعریف کی۔ اور کہا کہ یہاں کی ہوا میں فی الحال ہندوستان کی ہوا کا مزا آتا ہے
اِس لئے ہم لوگوں کو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اپنے ملک کی ثنا وصفت سُنکر
خوشی کا اظہار کیا۔ بعدہٗ سکرٹری کو کہا کہ ان کو سب کچھ دکھا اور بتا دو۔ وہ
بیچارہ ذرا پیچھے رہنے والا شخص تھا۔ اِس لئے جتنا چاہیئے اتنا حظ نہ آیا۔ اور
بھی دو چار عہدہ داروں سے تعارف پیدا ہوا۔ اور تمام باغ کی سیر کی۔ اس کے
بعد محل کے چند نہایت سجے ہوئے کمرے ملاحظہ کئے۔ ایک کمرہ نہایت وسیع
تھا۔ جو بڑے بڑے جلسوں اور مجمعوں کے وقت کام میں آتا ہے۔ سردیوں میں
جو جلسے ہوتے ہیں۔ سو ان کمروں میں اس وقت عجیب رونق ہوتی ہوگی۔ پھر کھڑے

صناعی اور کاریگری کا بے نظیر نمونہ ہے۔ فرانس کے انقلاب کے وقت جو قوم کے
فدائی تھے۔ ان میں سے چند مشہور جیسے میرابو۔ والٹیر وغیرہ یہاں دفن ہیں۔ آدمی
جب تک بچشم خود نہ دیکھے۔ اس عمارت کی وسعت اور کشادگی کا اندازہ نہیں کرسکتا۔
درمیانی گنبد تقریباً چار سو فیٹ بلند ہے۔ اس کی داخلی پردہ نازک اور نفیس قسم کے
ستون جسے کارنتھین کہتے ہیں۔ نصب ہیں۔ ان کی بلندی اسی فیٹ سے زاید
ہے۔ مگر عمارت کی وضع تقسیم اور مناسبت اس درجہ ٹھیک ہے۔ کہ ہرگز خیال نہیں آتا۔
بلکہ یہ مصرع بے ساختہ زبان سے نکل آیا۔ ع نہایت خوشنما موزوں بلندی ہے نہ پستی ہے۔
یہ عمارت صلیب کی شکل پر شباہت رکھتی ہے۔ گنبد کے اندر جو منقش تصویریں ہیں۔
انکے اندر پندرہ پندرہ فیٹ سے زاید ایک ایک آدمی کے قد کو بنایا ہے۔ لیکن
اس عمارت کی عظمت اس درجہ ہے۔ کہ ایسی قد آور تصویریں بھی معمولی انسان کے قد سے
زیادہ نہیں معلوم ہوتیں۔ دیواروں پر بھی بہت بلند بالا منقش تصویریں متفرق مضامین
کی ہیں جن میں سے اکثر کا مفہوم مذہب یا جنگ سے متعلق ہے۔ گنبد میں جو چار
تصویریں ہیں وہ نامی گرامی کاروآلو کی ساختہ ہیں۔ جو موت۔ فرانس۔ انصاف
اور شہرت کی مورت ہیں۔ ان تمام دیواروں کی منقش تصویروں کو موقلم کی عوض
نقاش نے اپنے رنگ آمیز کرنے کے چاقو سے رنگ کیا ہے۔ کیا انوکھا
خیال ہے۔ ہر ایک تصویر بامعنی ہے۔ وسط میں ایک مجموعہ تصویروں کا ہے جس
میں ایک گروہ فرانس کے بادشاہوں کا مقدس جنویو کو تعظیم دے رہا ہے۔ ان کے
علاوہ سولہواں لوئی۔ ماری آنتوانت۔ لوئی سترھواں۔ شہزادی الزبتھ اور دوسرے
فدائی جو بلوے کے وقت خونی چھری سے مرے ہیں۔ ان سب کی تصویریں موجود ہیں۔

ہیں۔ اور شکاری موقع پر ٹھہر کر شکار کرتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو ہانکا کر کے پکڑا۔ ورنہ یہ اوباش یہاں تک جرأت اور ڈھٹائی سے کام لینے لگے تھے کہ ذرا شام کو اندھیرا ہوا اور ایک یا دو آدمیوں کو تنہا دیکھا اور یہ اوباش بڈھ کر ہو کر لوٹ لیتے اور فوراً ناپدید ہو جاتے۔ پچاس کا گروہ پکڑا گیا۔ تب سے امان ہے۔ بوا میں پانی کے درمیان جزیرہ بنا ہوا ہے۔ اس پر بھی قہوہ خانہ موجود ہے۔ ذرا سا معاوضہ لیکر کشتی کے ذریعے پہنچا دیتے۔ وہیں آج ہم نے کھانا کھایا۔ وہاں کے مالک نے دو بڑے گلاب پیش کئے۔ جو نہایت عمدہ تھے۔ بہ سبب اتوار ہونے کے تمام بوا بالکل بھرا ہوا تھا۔ بیچارے غریب لوگ بال بچّوں کو لیکر مزے اور سیر کے لئے آئے تھے۔ اور گھاس پہ درختوں کے سائے میں بیٹھ کر آرام سے ناشتہ کر رہے تھے۔ عجیب دلکش دکھاوے ہے غریب بھی کتنے شوقین طبع ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کا قاعدہ ہے۔ کہ اتوار چونکہ تعطیل اور متبرک روز سمجھا جاتا ہے۔ خاندان کے خاندان مکان سے باہر درختوں کے سائے میں گزارتے ہیں۔ اس جنگل کو کیسا اچھا رکھا ہے۔ دیکھنے پر موقوف ہے۔ بعض حصّوں میں مجھے اپنے شکارگاہ کا لطف آتا ہے۔ اور ہر لحظہ کوئی سابھر دیکھنے کی توقع رہتی ہے۔ یہاں انگلینڈ کی طرح میدانوں میں شکار نہیں پالتے ہیں۔ پونے تین بجے محظوظ ہو کر واپس آئے۔ اور پریزیڈنٹ کی پارٹی میں چلنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ بروقت روانہ ہو کر سفارت برطانیہ میں گئے۔ جہاں سے انکا سکرٹری ہمارے ہمراہ آنے والا تھا۔ خود سفیر لنڈن چلے گئے تھے۔ خیر انکو لے کر چلے۔ اور ایشرے پیلیس پہنچے۔ ان ملکوں میں

ہیں مرد اور عورت چلیں گے۔ تو بی بی کے ہاتھ میں بٹنا سی ٹوکری یا تھیلا ہوگا۔ اور مرد یوں ہی خالی ہاتھ برابر چلتا ہے۔ مگر یہ خیال نہیں آتا کہ بی بی کے ہاتھوں کا بوجھ ہلکا کرے اور خود لیکر چلے۔ انگلستان میں میں نے دیکھا تھا۔ کہ چائے کے وقت بی بی صرف پیالے بھرتی ہے۔ باقی تمام کام یعنی دینا وغیرہ جو مرد حاضر ہوتے ہیں۔ وہ کرتے ہیں۔ مگر یہاں برعکس ہے۔ مرد بیٹھے رہتے ہیں اور بیبیاں سب پیش کرتی ہیں۔ اگر بیبیاں جا رہی ہونگی۔ تو مرد کبھی دروازہ نہیں کھول دینگے۔ اسی طرح ہر بات میں یہی دستور ہے۔ لنڈن کے بعد یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔ واقعی وہ لوگ اُن سے بازی لیجاتے ہیں۔ عورتوں کی ٹوپیاں تقریباً آفتابی جتنی بڑی ہوتی ہیں۔ جن پر پھولوں کی کیاریاں بیلیں باغ وغیرہ ہوتے ہیں۔ مگر لباس کی تراش خراش غضب کی ہے۔ عقل کام نہیں کرتی یہاں ہر ایک عمارت اور یادگار وغیرہ پر یہ تین الفاظ پائے جاتے ہیں۔ حریت۔ اخوت مساوات۔ گویا جمہوری حکومت کا یہ دستورالعمل ہے۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ حریت ہر قسم کی پوری ہے۔ مگر مساوات کا خیال یہاں اب تک پورے طور پر پایا نہیں جاتا۔ جس ملک میں ابھی کچھ بہت عرصہ نہیں گزرا۔ شاہی حکومت تھی۔ وہاں کیونکر ممکن ہے کہ لوگ مدارج کا فرق اس قدر بھول جائیں۔ کہ ہر ایک کو اپنے برابر ہی سمجھیں مسٹر وان پر اگ کو مساوات کے دعوے کے متعلق اکثر چھیڑتی ہوں۔ کہ کبھی ایسی ویسی جگہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ یا جہاں غریب ہلکے لوگوں کی بستی ہو وہاں سے چلنا ہوتا ہے۔ تو تامل کیوں کرتے ہو۔ اور کہتے ہو کہ وہ ہلکے لوگ ہیں۔ کیونکہ مساوات جہاں ہو تو وہاں غریب امیر بڑے چھوٹے سب یکساں ہیں۔ بیچارے ہنس کر لاجواب ہو جاتے ہیں۔ ہاں امریکہ میں یہ بات چل سکتی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے کبھی شاہی کروفر اور درجے کا غرور دیکھا ہی نہیں۔ تو ان باتوں کا

شوق سے دیکھنے کا انتظام کیا تھا۔ اور کتنے دنوں سے اس اشتیاق میں تھے کہ یہ بھی دیکھیں گے۔ مگر ع وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔
سب بندوبست ہو چکا تھا۔ جو انگریزی سفارت سے معلوم ہوا کہ کل پریزیڈنٹ کی گارڈن پارٹی ہوگی۔ جس میں ہم کو بھی دعوت دیجائیگی۔ پارٹی میں شریک ہونے کا شوق ہو تو ورسائی جانے کا خیال ترک کرنا ضروری۔ بہرحال سوچکر پارٹی میں جانا مقرر کیا۔
حسبِ قرارداد شام کو ۵ بجے کاؤنٹس ڈی پران کا مثل کو برنداجی (یعنی مہاراجہ کپورتھلہ کے ولیعہد کی ہونے والی بیوی جس کی تعلیم و تربیت یہاں ہو رہی ہی) اپنے ہمراہ لے آئیں۔ کاؤنٹس مجھے اچھی معقول بی بی معلوم ہوئیں۔ برنداجی راجپوت سلیم الطبع۔ خوبصورت لڑکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بڑی ہو کر بے مثل خاتون بنیگی۔ لباس انگریزی تھا۔ طرزِ گفتگو۔ شان۔ سلیقہ سب دل پسند ہے۔ اعلیٰ فرنچ تربیت ہو رہی ہے۔ اچھی کیوں نہ ہو۔ مہاراجہ نے خوب وضع سے رکھا ہے۔ اس کا انتظام بہت ہی معقول اور اعلیٰ ہے۔ تقریباً چار سال سے یہاں ہیں۔ اور دو سال اور رہینگی۔ پھر ہندوستان جاکر شادی ہوگی۔ بہت دیر تک خوش گپیاں کرتے رہے۔ جمعرات کے واسطے بڑے اصرار سے دعوت دی ہے۔ کیونکہ ان کا ملاقات کا دن ہی۔
رات کو کھانے کے بعد شہر کا نظارہ دیکھنے کو گئے۔ ایک سمت گئے جہاں اتنا منتظم حصہ نہیں ہی اور روشنی وغیرہ بھی کم ہے۔ رات کو بہت صاف نظر نہ آیا۔ مگر جابجا پرانے شہر کے عمدہ منقش دروازے دیکھے۔ بیشتر تمام قلعہ بندی ہوگی جسکے آثار یہ باقی رہ گئے ہیں۔ ساڑھے دس تک واپس آگئے۔
بھائی کسی قہوہ خانے میں دیر تک بیٹھے سیر دیکھتے رہے۔ یہاں کا قہوہ خانہ

داخلی دروازے پر آ کے موٹر کا انتظار کرنے لگے۔ وہاں کسی صاحب سے تعارف پیدا ہوا۔ جہاں تک یاد ہے۔ وہ ڈپٹی آف فرانس (یعنی مجلس مبعوثین کے رکن) تھے۔ دو چار باتیں ان سے ہوئیں۔ ان سے چیمبر آف ڈپوٹیز دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ فوراً کارڈز بھیجنے کا وعدہ کیا۔ ہم رخصت ہوئے۔ اگر برٹش سفیر موجود ہوتے۔ تو اور بھی بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوتی اور لطف آتا۔

۲- جولائی ۱۹۰۸ء | صبح کو موٹر بنانے کا حکم دیا ہے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ نومبر میں ہم کو بمبئی میں مل جائیگا۔ نہایت عمدہ قسم کا لانڈو نما ہوگا۔ رینو کے موٹر بہت مضبوط اور بغیر آواز اور کم بدبو کے ہوتے ہیں۔ اور آجکل پیرس میں اسی میکر کے موٹر رائج ہیں۔

اچھا اب میں یہاں کی مختلف اقسام کی کرائے کی گاڑیوں کا ذکر کرتی ہوں جن میں بعضوں کی ساخت و شکل عجیب ہے۔ اور ہر قسم کی گاڑی کے خواہاں بھی ویسے ہی ہیں۔

کرایہ کی گاڑیوں کی اقسام۔ ایک گھوڑے کی گاڑی۔ جوڑی۔ تین گھوڑے کی آمنی بس۔ ٹاکسی موٹر۔ دو گھوڑے کی سادی بس۔ شارا بانک یعنی لمبی گاڑی جس میں بہت سے لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ اور دور دور کی سیر کے لئے کام آتی ہیں۔ بجلی کی ٹرام جیسی بمبئی میں ہے۔ اس پر ایک اور درجہ بنا ہوا۔ اور بجائے اوپر کے نیچے تار بجلی کی ٹرین جو راستے میں چلتی ہے۔ بھاپ کی ٹرین جو اسی وضع سے چلتی ہے۔ مگر انجن کی کچھ ایسی شکل ہوتی ہے کہ بے ساختہ ہنسی آتی ہے۔ اس میں کبھی دو گاڑیاں کبھی تین کبھی چار لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ بڑی بڑی دکانوں کی بارکش گاڑیوں کا ذکر کرنا لاحاصل ہے۔ کہیں کہیں موٹر سی چلتی ہیں۔ کہیں بھاپ سے۔ مٹی یا چونا

آدمیوں کے درمیان ایک مغربی لیڈی صاحبہ کیوں موجود ہیں۔ میرے بائیں جانب ایک ضعیف العمر امریکن بی بی بیٹھی تھیں۔ انکے قریب سے گزرنے میں میرا پیر انہیں چھو گیا تو مَیں نے معافی چاہی۔ بس گویا موقعہ ہی ڈھونڈھتی تھیں۔ سوالوں کا تار باندھ دیا۔ اور بار بار یہ عذر پیش کرتی تھیں۔ کہ میں صرف رازجوئی کی نیت سے نہیں پوچھتی ہوں۔ معاف کرنا۔ بلکہ مجھے ہندیوں سے بہت دلچسپی ہے۔ اور انکے لئے میرے دل میں ہمدردی ہے۔ میرا نام مقام دھرم قوم سب ہی کی تفتیش کر ڈالی۔ کچھ باقی نہ چھوڑا۔ مَیں نے سب سمجھایا۔ اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ آپ جانتی ہیں کہ وہ کیا ہے؟ تو کہتی ہیں ہاں۔ مجھے خبر ہے۔ تم لوگوں کا خدا کا لفیوشیش (ایک چینی حکیم کا نام ہے) ہے نہیں؟ مَیں نے کہا۔ نہیں نہیں۔ وہ چینیوں کا خدا ہے۔ ہمارے اور تمہارے خدا میں سر مو فرق نہیں۔ جس خدا کو ہم مانتے ہیں۔ اُسی کو تم بھی مانتی ہو۔ حضرت عیسیٰ ہمارے بھی پیغمبر ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ داؤدؑ وغیرہ کو بھی ہم پیغمبر جانتے ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ بس سوالوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پھر ہندیوں کے متعلق دریافت کیا۔ مَیں نے جواب دیا کہ اتنی قسم کے ہندو ہیں کہ تمہارے خواب و خیال میں نہ ہوگا وہ سب نہ آپس میں شادی بیاہ کر سکتے ہیں نہ ایک دُوسرے کا کھانا کھا سکتے ہیں۔

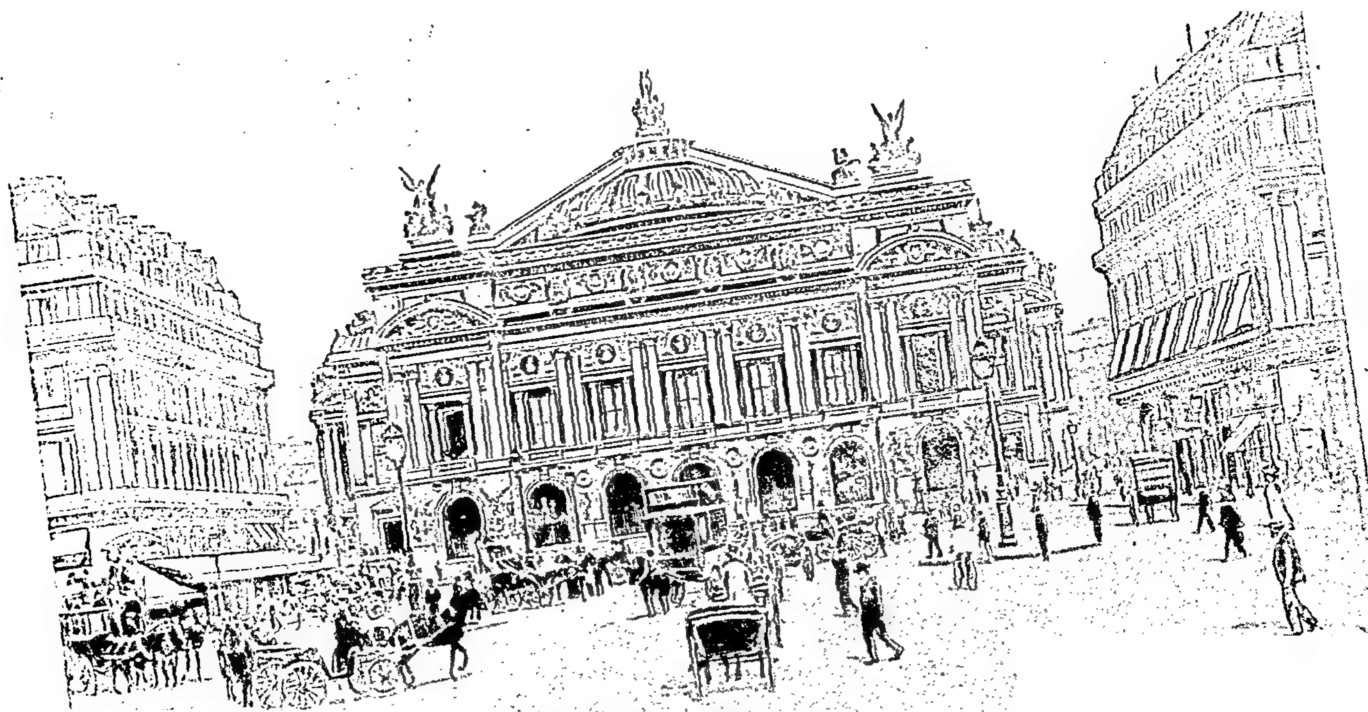
بعد ازاں ہندوستان کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ہندی یہ چاہتے ہیں۔ کہ آزاد او خود مختار ہو جائیں۔ جمہوری حکومت انہیں پسند ہے یا نہیں۔ مَیں نے جواب دیا کہ انکا یہ تو منشا نہیں ہے۔ مگر جب گورنمنٹ نے مہربانی سے انکو علم سے بہرہ مند کیا۔ تب انکی آنکھیں کھُلیں اور وہ اپنے آپ کو ان کاموں کے لائق سمجھتے ہیں جو انگریز کر سکتے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ گورنمنٹ ذرا زیادہ توجہ کرے اور

پُرانی وضع کی کئی باتیں اب بھی مروّج ہیں۔ مثلاً یہ کہ محل بالکل اندر ہوتا ہے اور چاروں طرف مضبوط دیواروں کا احاطہ ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ محل شہر کے قلب میں ہے۔ اسواسطے بہت بڑا باغ نہیں ہے۔ احاطے کا اِتنا مستحکم ہونا بظاہر اس سبب سے ہے کہ کسی قسم کا بلوہ وغیرہ ہو تو حفاظت بآسانی ہو سکے۔ فقط ایک پھاٹک بند کر دیا اور اندر سب محفوظ ہو جائے۔

ایک گاڑی میں حضور اور برٹش سفیر کے سکرٹری تھے۔ وُہ لوگ پہلے اُترے بعد ہم تینوں نے زمین پر قدم رکھا۔ بہت ہی عمدہ اِنتظام تھا۔ چند عہدہ دار موجود تھے۔ جنھوں نے ہمارا استقبال کیا۔ اور پُوچھنے والوں کو جواب دیتے ہُوئے دالان سے گزرتے ہُوئے ایک کمرے میں ہم کو لیجا کر بٹھایا۔ اور پریزیڈنٹ کو خبر کرنے کے لئے گئے۔ رنگوں کی ملاوٹ اور کل کمروں کی سجاوٹ کا کیا ذکر کروں۔ ایک کمرہ خالص آسمانی اور بھُورے رنگ کا تھا۔ مگر ان رنگوں کا لحاظ کہوں تک رکھا تھا۔ کہ قالین بھی ان ہی سے مشابہ تھے۔ پھُول بھی اسی قسم کے تھے۔ جھاڑ۔ آوئیزے وغیرہ سب میں ان دو رنگوں کا خیال نظر آتا تھا۔ دیواریں سفید اور سُنہری رنگی ہُوئی۔ اور اُنکی تختہ بندی نادر منقش پردوں اور تصویروں سے مزیّن تھی۔ وضع داری میں فرنیچ لوگ مشہور ہیں۔ ان کے خیالات کی نزاکت اور خوبصورتی میں کوئی کلام نہیں ہے۔ تصویریں بس اسکا نمونہ تھیں۔ فرنیچ مذاق کی خوبی کی مدح وثنا کانوں سُنی تھی۔ اب آنکھوں دیکھ لی۔ ہر رنگ کے کمرے اور اس کے مشابہ اور ہم رنگ فرنیچر حتٰی کہ سجے پھُول بھی اسی رنگ کے۔ دریچوں کے شیشے نادر قسم کے تھے۔ نہ معلوم نادر خیالات کا سمندر ان لوگوں کے مغز میں بہتا

بھی ایک تماشا گاہ ہے۔ راستے میں دو رویہ فرش بندی ہوتی ہے۔ اس پر میزیں رکھی جاتی ہیں۔ انکے اطراف میں لوگ بیٹھتے ہیں۔ بجلی کی روشنی سے جگہ منور ہوتی۔ گانا بجانا بھی ہوتا ہے۔ کافی کے پیالے چلتے ہیں۔ یا چار کا دَور رہتا ہے۔ کئی کئی گھنٹے لوگ اس طرح گزارتے ہیں۔ اور یہ عین فیشن کا دستور سمجھا جاتا ہے۔

۵۔ جولائی ۱۹۰۸ء گیارہ بجے ہوٹل سے چلکر بوادی بولوں کی سیر کی۔ آج کے دن کی میں کیا تعریف کروں۔ ابر اور ٹھنڈی ہوا کا ہر سمت دَور دَورہ ہے۔ ہوا کامل حالت میں تھا۔ ہر قسم کے سبز رنگ نے عجیب خوبی پیدا کردی تھی۔ جنگل گھنے اور ہری گھاس جیسے فرش مخملی گویا لیٹنے اور لوٹنے کو خدا نے بچھا دیا ہے۔ اتنا سہانا سماں کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ گئے تو تھوڑی دیر کے ارادے سے تھے۔ مگر وہاں اس قدر اچھا معلوم ہوا کہ لنچ بھی وہیں کھایا۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر آئی ہوں۔ ہم سمجھتے تھے کہ اب یہ جگہ گنہگاروں سے بری ہے۔ مگر لوگوں سے محقق معلوم ہوا کہ زمانہ حال میں بھی شہر کے کل بدمعاشوں کی جائے پناہ ہے۔ خاص کر کے موسم گرما میں۔ گنجان جنگل ہونے کے باعث کمین گاہیں موجود ہیں۔ اور اس کا فائدہ بے اعتدال لوگ خوب لیتے ہیں۔ کیونکہ پولیس والے پکڑنے کی غرض سے اندر تک پہنچ نہیں سکتے ہیں۔ ہماری موجودگی میں پولیس نے بہت بڑا حملہ کر کے کوئی پچاس بدمعاشوں کو ایک وقت میں پکڑ کر سیر کرنے والوں کو بڑا آرام دیا۔ ان لوگوں کو پیرس کی ہوشیار پولیس نے اس طرح پکڑا۔ جیسے ہندوستان کے بعض جنگلوں میں چار طرف سے جنگلی آدمی شکاری جانوروں کو گھیر کر ہانکا کرتے



اُن کے حقوق کا خیال رکھے تو ہندی باتنے نزیب ہیں۔ کہ سر نہیں اُٹھائینگے۔ انگریز کے راج میں بیشک بہت نے سُکھ ہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ہندیوں کی آنکھیں بھی کُھل گئی ہیں۔ ہندیوں کے ذہن بہت ہی تیز ہیں۔ اگر پوری تعلیم و تربیت ہو تو کسی قوم سے کم نہ ہوں۔ شادی بیاہ کی رسموں کے لئے بھی پُوچھنے میں کچھ باقی نہ رکھا۔ میں نے سب طرح اُنکی تشفی کردی۔ اتنے میں سٹیج پر وُہ ناچ ہونے لگا جس میں بہت سے لوگ ملکر ناچتے ہیں۔ کوئی دو سو آدمی ملکر خوب ناچے۔ اس ناچ میں کوئی خاص خوبی معلوم نہ ہُوئی۔ ان میں سولڑکیاں ایک سے کچھ لذار لباسوں میں ناچتی تھیں۔ ہندی ناچ کے مقابلہ میں اُن کا ناچ عجیب معلوم ہوتا ہے۔ منسیفہ نے بہت باتیں کیں۔ اور آخر دُعاؤں پر ختم کیا۔ کھیل تمام ہونے کو تھا کہ اتنے میں سفیر ایران بھائی کے پاس آئے۔ اور بہت ہی تفتیش سے پُوچھنے لگے۔ کہ ہم کون ہیں وغیرہ۔ انکو اس قدر راز جوئی نے گھیرا کہ اپنی نشست سے صرف یہ معلوم کرنے کے واسطے آئے۔ تھوڑی دیر ٹھہرکر وُہ چلے گئے۔ اور اُدھر تماشا تمام ہُوا تو ہم سیڈم کران کے ہوٹل پر چھوڑتے ہُوئے واپس آ گئے۔

۴۔ جولائی ۱۹۰۸ء | آج امریکن لوگوں کا بڑا دن ہے۔ یعنی ان کو حکومت ملنے کا یادگار دن۔ اس روز خوب خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ امریکہ والوں سے شہر بھر گیا ہے۔ تمام ملک میں جھنڈیاں اور پھریرے اُڑ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہر سال اس موسم میں یہی حال ہوتا ہے۔ ولیبوں کا موسم تمام ہو گیا۔ اب بدلیبوں کی دھوم ہے۔ ہر مہینے میں ایک دفعہ محل ورسائی کے مشہور و معروف فوارے چھوڑے جاتے ہیں۔ اور وُہ دن کل کا تھا۔ ہر دفعہ اس کا خرچ چھ یا آٹھ ہزار پونڈ ہوتا ہے۔ ہم نے بڑے ذوق و

اعلیٰ جگہ میں ہوتی ہے۔ خوب کھایا اور سوا پانچ بجے واپس آئے۔
ہمارے ہوٹل سے آپرا ہوس گاڑی میں چند منٹ کا راستہ ہے۔ کھانا کھا کر بھائی
کے ہمراہ چلی۔ انسان کو میوزک کا شوق ہو اور صاحب وسعت ہو تو اس سے کیا بہتر
طریقہ دل کو خوش کرنے کا ہو سکتا ہے۔ خود گرانڈ آپرا میں بیٹھکر میوزک سُننا ایک طرح
کا عیش ہے۔ اس قوم کو خدا نے روپیہ۔ سلیقہ۔ شوق۔ ہنر۔ چالاکی۔ ہمت چُستی
سب ہی کچھ عطا کیا ہے۔ جو کھیل تھا۔ وُہ دراصل شیکسپیئر کا مشہور ڈراما رومیو جولیٹ
ہے جس کو پانچ باب میں اس طور پر ڈھال لیا ہے کہ گانے کے لئے موزون ہو جائے۔
اور مشہور و معروف چارلس گونوڈ نے اس کے تمام گیت بنائے ہیں۔ شیکسپیئر جیسے
اُستاد کا کھیل اور ایسے شخص کا میوزک پھر کیا چاہیے۔ بس ایک گرانڈ اوپیرا ہوس
جیسے تماشا گاہ کی ضرورت تھی۔ وُہ پیرس میں مل گیا! یہ قصہ تو سب جانتے ہیں۔
دو عالی تبار گھرانوں میں سخت خصومت تھی۔ مانٹیگو اور کیپولیٹ ان خاندانوں کے
نام مشہور تھے۔ ویرونا (اٹلی) میں مقیم تھے۔ کیپولیٹ کی لڑکی جولیٹ اور دُوسرے
خاندان کا لڑکا رومیو تھا۔ ان دونوں نے ایک دفعہ رقص و سرود کے ایک جلسے
میں ایک دُوسرے کو دیکھا اور محبت کے دام میں گرفتار ہو گئے۔ آپس کی دشمنی کی
وجہ سے شادی ہونا امر محال تھا۔ آخر کار بڑی محنت و مصیبت سے ایک مُلّا کے
ذریعہ خفیہ طور پر شادی ہو گئی۔ باپ اس خفیہ کارروائی سے محض ناواقف ہے۔ اور
چاہتا ہے کہ لڑکی کو کسی اَور سے بیاہ دے۔ لڑکی مارے خوف کے گھبرا جاتی ہے۔
تب اسی مُلّا سے مدد چاہتی ہے۔ مُلّا شدید بیہوشی کی دوا دیتا ہے۔ جس کے سبب
سب لوگ اسے مرا ہوا سمجھتے ہیں۔ اور اس کی نعش کو دفنانے کے لئے لیجاتے

جاری کی۔ تاکہ وُہ غریب کام کریں۔ تو عمدہ خوراک اور تنخواہ ملے۔ در اصل دوکان میں اپنے لئے بہت ہی کم نفع رکھا ہے۔ اس نیک دل بی بی کے سامنے ہی یہ دکان اتنی بڑھ گئی کہ جس کی حد نہیں۔ جہاں شروع میں ایک کارپرداز کی ضرورت تھی۔ وہاں اب ہزار ہا کارکن موجود ہیں۔ اس نیک نہاد بی بی کی وفات کو تیس سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ فی الحال کوئی خاص مدبر یا سردار نہیں ہے۔ بلکہ وُہ وصیّت کر گئی ہیں۔ کہ جو لوگ دکان میں کام کرتے ہیں۔ وہ دکان کے فائدے میں حصہ دار ہوں۔ اور اب ساڑھے سات ہزار آدمی فقط دکان میں ملازمت کرتے ہیں!! اس بیان سے شاید اس عظیم الشان کارخانے کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ اس دکان میں ایک خوبی یہ ہے کہ ہر چیز یہاں اَور جگہ سے سستی ہی ملیگی۔ یہاں کے کارپردازوں کی توجہ۔ حاضری اور نزاکت خیال انتہا درجہ کی ہے۔ قاعدہ ہے کہ ایک چیز اگر خرید کرلی بعد میں ناپسند آئی تو چھ مہینے گزرنے پر بھی واپس کر دو تو بے چُون وچرا لے لینے کو تیار ہیں اور اس کی قیمت ادا کر دیتے ہیں۔ یہ قاعدہ اور کہیں نہ سُنا نہ دیکھا۔ اگر کوئی اَور چیز بدل کر چاہیے تو وُہ بھی دینے کو حاضر ہیں۔ ورنہ قیمت واپس ادا کر دیتے ہیں۔ اس میں کوئی مجبوری نہیں خوشی کا سودا ہے۔ عطیہ بہن کو تمام کارخانہ دیکھنا منظور تھا۔ اس لئے خریداری کرتے اور دیکھتے ہُوئے پانچویں منزل میں میڈم کے ساتھ گئے۔ جہاں پانسو کارپرداز صرف پارسل بنانے اور تمام دُنیا میں اشیا بھیجنے کے لئے موجُود تھے۔ یہ علاقہ اس طرح مرتب ہے کہ ہر ملک کے علیحدہ حصّے ہیں۔ عجیب وُ غریب ڈھب سے یہ لوگ مصروف تھے۔ البتّہ یہ تمام علاقے خاص اجازت سے دیکھ سکتے ہیں۔ میڈم وان پراگ کے ہمراہ ہونے سے یہ ممکن ہُوا۔ کیونکہ انکو سب اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اس کے بعد اس جگہ گئے جہاں ان ہزار ہا کارپردازوں کا خاصہ تیار

ہیں۔ مُلا اور جولیت میں یہ معاہدہ تھا۔ کہ قبر میں جس وقت اسے مُردہ سمجھکر رکھیں گے
اور دفنا کر چلے جاینگے۔ اس کے بعد مُلا اسے قبر سے نکال لے جائیگا۔ اِس حیلے سے
رومیو بالکل بے خبر ہے۔ کیونکہ وُہ غیر حاضر تھا۔ جب وُہ شہر میں واپس آتا ہے تب
پہلی خبر یہ سُنتا ہے کہ جولیت وفات کر گئی۔ اس حادثہ سے اس قدر بے خود ہوتا ہے
کہ اپنے ساتھ زہر کی بوتل لے جاتا ہے۔ اور جہاں جولیت کو رکھا ہے۔ اس کے
مُردہ تن کے پاس جاکر زہر پی لیتا ہے۔ تاکہ خود بھی تمام ہو جائے۔ اِس عرصے میں
اس بیہوشی کی دوا کا اثر تمام ہو کر آہستہ سے جولیت ہوش میں آتی ہے۔ اور کسی قسم
کی آواز کرتی ہے۔ جس کو سُنکر رومیو جو زہر کے اثر سے بے حال بدحواس پڑا تھا
اُٹھتا ہے۔ اور پھر جولیت تمام واردات بیان کرتی ہے کہ کیونکر اور کیا ہوا۔ یہ خبر
سُنکر رومیو بہت ہی غمزدہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جانتا ہے کہ زہر قاتل میرا کام تمام
کر دیگا۔ اور بچنا غیر ممکن ہے۔ بعد وُہ مر جاتا ہے۔ جولیت اپنے شوہر کا خاتمہ
دیکھتے ہی خنجر سے اپنا کام تمام کر ڈالتی ہے۔ عجب دردمند اور پُر اثر کھیل ہے۔
رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ جولیت کا حصہ مس میری کارٹن نے اِتنا اچھا کیا کہ کیا
کہوں۔ اسی طرح رومیو کا حصہ ایکٹرسین نے غضب کا اچھا کیا۔ حقیقت میں ہم نہایت
محظوظ ہوئے۔ میڈم برگن اس ہم سفر شین بی بی نے نہایت عمدہ لباس اور بے نظیر
جواہرات پہنے تھے۔ چونی جتنے بڑے الماس۔ کچھ چھوٹے بھی تھے۔ ایک شعلے کی
طرح چمکتی تھیں۔ اور نمایاں آثار موجود تھے کہ مالدار ہیں۔ انہیں اوپیرا میں آنے کی دعوت
دی تھی۔ اس سبب سے زیادہ لُطف آیا۔ پہلی کُرسی پر بھائی بیٹھے۔ بیچ میں میڈم اور
اخیر کُرسی پر مَیں بیٹھی تھی۔ ہمارا عجیب گروپ تھا۔ لوگ حیران ہوتے ہونگے۔ کہ دو مشرقی

ہالینڈ اور اٹلی کے مشہور مصوّروں کے کرشمے یہاں ایک جگہ موجود ہیں۔ بے شمار کمرے
یہاں بنے ہُوئے ہیں۔ جنکی دونو طرف کی دیواریں تصویروں سے معمور ہیں۔ پرانے
صاحبانِ فن میں سے مُوریلو کی تصویریں پسند آئیں۔ روبنز اور ٹیشن وغیرہ کی بھی
تصویریں نہایت پسند کی جاتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کسی آرٹسٹ (ماہرِ فن) کو ساتھ
ہونا چاہیئے تھا۔ جو ظاہری اور باطنی تمام خوبیوں کو ظاہر کر دے۔ تب معمولی سمجھ
رکھنے والے انسان کی عقل اور آنکھ میں کچھ سما سکے۔ ہر کمرے کی کاریگری بھی حیرت
میں ڈالتی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس قوم کو ایسا ذوقِ سلیم اور حسِ لطیف عطا کیا ہے۔
کہ بیان سے باہر ہے۔ تقریباً تمام دن اسی نقاش خانے میں گزر گیا۔ مگر شاید دسواں
حصہ بھی بمشکل دیکھا ہوگا۔ اور وُہ بھی سرسری طور پر۔ ایک کمرے میں گئے۔ جہاں
پُرانے چینی اور شاہی جواہرات خاصکر نپولین کے رکھے ہُوئے تھے۔ اس مستطیل
کمرے کا ڈیڑھ سوو فیٹ طول ہے اور پچاس فیٹ عرض ہوگا۔ ایسی غلام گردشیں اور
صحن اور دالان درجنوں ہیں۔ شاہی وقتوں میں کیا ٹھاٹھ ہونگے۔ نپولین کا تاج جس
میں اب نقلی جواہرات ہیں اور ایک موتیوں کی کنٹھی ہے جو واقعی سچّی اور عُمدہ ہے۔
ایک تاج کیمیو سے جڑ کر بنایا ہے۔ یہ واقعی عجیب تھا۔ کیمیو اس کاریگری کا نام ہے۔
جو دو رنگے عقیق یا پتھر میں کھود کر چہرے یا تصویریں بناتے ہیں۔ اس میں طرفہ بات
یہ ہے کہ اس طرح کھودنے سے ایک رنگ کی تصویر ہوتی ہے۔ اور دُوسرے رنگ
کی زمین۔ اور اس ہنر کی بہت قدر و قیمت ہے۔ کیونکہ نہایت مشکل کاریگری کا نتیجہ ہوتا
ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کاریگر تقریباً تمام تصویر پُوری کرنے کو آتا ہے۔ اور آخر
وقت پتھر میں دو رنگ نہیں ملتے تو تمام محنت ضائع جاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح کی

ہوتا ہے۔ دیگوں کی ایک قطار تھی۔ جس میں سے ہر ایک کا قطر چھ فیٹ کا تھا۔ آخر
سات ہزار آدمیوں کا کھانا کچھ ہنسی کھیل نہیں۔ اسی اندازہ سے ہر شے موجود تھی۔
کھانے کے کمرے کو دیکھ کر اور تعجب ہوا۔ نہایت عمدہ اور نفیس خوراک ان لوگوں
کو دیجاتی ہے۔ تازہ پھلوں میں شفتالو۔ سٹرابری وغیرہ ہر قسم کی لطیف چیز موجود تھی
کل دکانوں میں عجیب انتظام ہے۔ بالاخانے پر خریدی ہوئی چیزیں لفٹ سے جاتی
تھیں۔ دکان میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ایک نمبردار کتاب خریدار کو ملتی
ہے جس میں تین چار قسم کے نمبروں کی چٹھیاں موجود رہتی ہیں۔ خریدار کا یہ کام ہے
کہ ایک علاقے میں جائے جو پسند آیا سو خریدے۔ اور اسی نمبردار کتاب میں سے
ایک چٹ پر اپنا نام اور مقام لکھدے کارپرداز اس خریدی ہوئی چیز پر چٹ لگا دیتا
ہے۔ اس طرح ہر علاقے میں خریدی ہوئی اشیا پر خریدار کا چٹ لگا کر پارسل تیار ہوتا
ہے۔ بعدہٗ لفٹ کے ذریعہ سب سے اوپر کے منزلے پر پہنچتا ہے۔ جہاں ایک
مقام اور نام کے چٹ والے پارسل جمع کر کے اکٹھے صفائی سے باندھ دیئے جاتے
ہیں۔ اور اس پر بھی لینے والے کا نام و مقام لکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک
پھسلواں پیچدار زینے پر سے اُسے لڑھکا دیا جاتا ہے۔ یہ زینہ اس قدر چکنا ہے
کہ پارسل گردش کھاتا ہوا آناً فاناً میں تہ کو پہنچ جاتا ہے۔ اس پھرتی سے پارسل
سفر کرتا ہے کہ نگاہ کام نہیں کرتی۔ نیچے ایک کنواں سا بنا ہوا ہے۔ جہاں یہ پارسل
گر پڑتا ہے۔ وہاں سینکڑوں کارکن موجود ہیں۔ جو بیتا مبر چھوکروں کو بہ تاکید سپرد
کر دیتے ہیں۔ اس طرح خریدار کو اپنی چیزیں اسی روز مل جاتی ہیں۔ یا اگر جلدی نہ ہو تو
دوسرے روز۔ عجیب کارخانہ دیکھا۔ چونکہ لنچ ہم پہنچ سکتا تھا کہ جسکی سہولت ہزاروں

بچوں کے دستخط تھے۔ نپولین۔ یوجینی (نپولین سوم کی زوجہ) ڈیوک آف ولینگٹن اعظم
بسمارک۔ لی ہنگ چنگ (مشہور وزیر چین) ان سب کے دستخط تھے۔ ان چینی وزیر
کا قصہ بڑا مزیدار ہے۔ کہا جب انکو دستخط کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو اُنہوں نے
پوچھا کہ اس میں کس کس کی دستخط ہے۔ چند نام بتلائے گئے۔ تو فوراً بسمارک کے
نیچے اپنا نام لکھدیا اور کہا کہ میں چین کا بسمارک ہوں۔ اس لئے اُنکے دستخط کے نیچے
اپنا دستخط کرتا ہوں۔ اس سے واضح ہے کہ انکو کتنا فخر ہوگا۔ اور اپنے تئیں کیا
سمجھتے ہونگے۔ ان کے علاوہ بیکنز فیلڈ۔ کیننگ وغیرہ وغیرہ مشاہیر تھے۔ جب
فرانس اور جرمنی کی صلح ہوئی تھی۔ تو وہ چاروں مدبر جنہوں نے سب معاملات کو سلجھایا
تھا۔ اُنکے بھی دستخط موجود ہیں۔ یہ کتاب اس بی بی کی ہے۔ در اصل انکی والدہ کی
تھی۔ جو لیڈی کالول تھیں۔ اور انکے شوہر ہمیشہ مختلف ممالک کے سفیر ہوئے تھے۔
جس وقت تمام فرانس میں جرمنی کے جنگ کا شور مچ رہا تھا۔ اس وقت مذکورہ لیڈی
صاحبہ یہاں تھیں۔ انکو خوب موقع ملا کہ تمام نامی گرامی لوگوں کے دستخط اپنی کتاب میں
لئے۔ یورپ کا شاید ہی کوئی بادشاہ۔ بیگم یا شاہزادہ ہوگا۔ جس کے دستخط اس کتاب میں
موجود نہیں۔ بادشاہ ایڈورڈ نے کئی دفعہ اپنا نام اس کتاب میں لکھا ہے۔ علاوہ بریں
تمام مشہور مصنفوں۔ مدبروں اور خود پریزیڈنٹ لوبے کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اُنہوں
نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ بیش بہا ایک اور کتاب تھی۔ جو ایک وقت سلطان کے
حرم سرا میں دستخط کے لئے انکی اماں نے بھیجی تھی اور وہاں غائب ہو گئی۔ اس نادر کتاب
کے دیکھنے میں بہت سا وقت گذرا۔ اس لئے رخصت ہوئے۔
عطیہ بہن مہاراجہ کپورتھلہ کی بہو پرنسس برندا سے ملنے گئی۔ انکو اعلیٰ تعلیم مل رہی ہے۔ عطیہ

سنگ تراشی کچھ آسان کام نہیں ہے۔ ماری دی میڈی چی کے عجیب آئینے اور شمعدان کچھ ہر قسم کے معمولی پتھروں کو جلا دیکر لگایا تھا۔ تصویروں کے کمروں میں بیسیوں نقاش مشہور تصویروں کی نقل کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے بھائی نے پوچھا کہ یہ نقل کیا فروخت کرنے کے لئے کرتے ہو یا کیا منشا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں لوگوں کے حکم سے نقل کرتے ہیں اور ایک ایک نقل ۱۰۰۰ ہزار فرانک کو مل سکتی ہے۔ غور کرنے کی جگہ ہے۔ جب نقل اتنی گراں قیمت ہے تب اصل کن داموں کی ہو سکتی ہے۔ فرش پر جا بجا منبت کاری کی ہوئی ہے جس کے اطراف میں کٹہرا لگا یا ہے۔ تاکہ تہ موں سے بگڑ نہ جائے۔ اور ایک کمرے میں گئے۔ جہاں کسی بادشاہ کا بے نظیر فرنیچر رکھا ہوا تھا۔ ایک میز دیکھی جو بالکل تمام رکھی ہوئی تھی۔ اور جس پر بہت عمدہ پچی کاری کی ہوئی تھی۔ اور میزیں جو اسی کے مشابہ یا شاید کچھ فرق ہوگا۔ ان کے درمیان اسے خاص طور سے رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر نگہبان سے پوچھا کہ بھئی اس میں کیا خصوصیت ہے؟ تو اس کی تشریح نے ہمیں اچنبھے میں ڈال دیا۔ اور جب بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ جسے ہم مختلف رنگوں کے پتھروں کی پچی کاری سمجھ رہے تھے۔ وہ کام مختلف لکڑیوں سے پتھر کا کیا ہوا تھا۔ واقعی اس ہنرمندی اور خوبی سے میز تیار کی تھی کہ سبحان اللہ۔ ہرگز خیال میں نہیں آتا تھا کہ لکڑی کا کام ہے۔ یہ بھی کسی بادشاہ کی یادگار ہے۔ بند ہونے کا وقت قریب تھا۔ اس لئے واپس آ گئے۔

عطیہ بہن میڈم وان پراگ کے ساتھ بان مارشے گئی تھیں۔ ساٹھ برس پیشتر یہ دکان بالکل چھوٹی سی تھی جس کی بانی ایک نیک خیال خاتون تھیں۔ انکی نیکی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ انہوں نے ناچار مسکین مفلس نادار عورتوں کے لئے یہ دکان

نزاکت کی آمیزش اس منظر پر ختم ہے۔ اِن عمارتوں میں ہر قسم کی نمائش ہوتی رہتی ہے۔ کبھی
موٹر کار کی کبھی کچھ کبھی کچھ۔ اندر سے یہ عمارت اس وضع سے بنائی ہے۔ کہ ایک ہی بڑے
احاطے کے چاروں طرف دو منزلی عمارت ہے۔ گو اس کی زمین اپنی حالت اصلی میں ہے۔
اور اس میں ایک باغ لگایا ہے اور گھاس جمائی ہے۔ جگہ جگہ سنگی مُورتیں نصب ہیں۔
کسی زینے چڑھنے کے بعد اوپر ہزارہا عجیب وغریب تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ اِن
سب کی خوبیوں کو مشاہدہ کرنے کے لئے کئی ہفتے درکار ہیں۔ ہم نے تو سرسری نگاہ
ڈالی اور چلے گئے۔ اگرچہ ایک گھنٹے سے زیادہ وقت صرف کیا۔ مگر پاؤ حصّہ بھی نہ دیکھا
واپسی کے وقت پیدل آئے۔ اور دوکانوں کی خوب سیر کی۔ یہاں شب کو بہت
سی دُکانیں کھُلی رہتی ہیں۔

۲۔ جولائی ۱۹۰۸ء کل حضور سفیر برطانیہ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے
تھے۔ آج وُہ بازدید کے لئے آئے۔ ان کا اسم گرامی سر فرانسس برٹی ہے۔ نہایت
خلیق اور وضعدار شخص ہیں۔ انگریزی سفارت کا مکان بہت تاریخی مکان ہے۔ جو ایک
زمانے میں نپولین کی ہمشیرہ کا تھا۔ اس کی تمام داستان اور اس کے متعلق تاریخی
حالات سُنائے۔ ایک لطیفہ قابلِ ذکر ہے کہ سفیر حضور کو تمام وقت "بیگم" خطاب کرتے تھے!
کئی دفعہ سُنا اور صبر کیا۔ بعدہٗ حضور نے اشارہ کیا۔ تب بھی اُنکی سمجھ میں نہ آیا۔ آخر صاف
کہنا پڑا کہ میری بی بی کو "بیگم" کہتے ہیں اور لوگ مجھے "نواب" کہتے ہیں۔

انشاء اللہ اب جلد موسیو لا پریزیڈنٹ (جمہوریہ فرانس کے میر مجلس) سے
ملاقات کی نوبت آئیگی۔ سفیر کی بیگم یعنی لیڈی برٹی نے عطیہ بہن کو اور مجھے چاء پر بلایا تھا
اس لئے وقتِ معینہ پر وہاں پہنچے۔ ایک طویل قامت مُلازم نے رہنمائی کی۔ ہم اوپر

بہن کے جانے کے بعد ایک شخص نہایت پُر سلیقہ اور نایاب پھولوں سے بھری ہوئی سبد اور
کاغذ میں لپٹا ہوا بے نظیر گلدستہ لے آیا۔ میں تو دیکھتے ہی پھڑک گئی۔ اور دل و دماغ
میں تازگی پیدا ہو گئی۔ اس پر جو چٹ لگی ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہماری ہم سفر روسی
خاتون میڈم بیریلکن نے وہ گملا میرے لئے اور گلدستہ ہمشیرہ کے لئے بھیجا ہے۔
ایسا دل پسند ہدیہ انکی عنایت کا نمونہ ہے۔ اس گملے کی کیا تعریف کروں۔ بڑے بڑے
نافرمانی پھولوں کے گچھے اس پر لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سفید پھول بھی ہیں۔ اور اس پر
طرہ یہ کہ سبز پتے اور جابجا قرینے سے چوڑے گلابی فیتے کی گرہ جس خوبصورتی سے
لگائی ہے۔ وہ قابلِ صاد ہے۔ نہ معلوم ایسی کامل چیز کہاں سے بہم پہنچی ہوگی۔ کل
لُوور سے لوٹتے وقت ایک دکان میں میں نے ایسا ہی گملا دیکھا تھا۔ اور مجھے یاد ہے کہ
کھڑے رہ کر نہایت شوق سے بہت دیر تک دیکھا تھا۔ اور وہیں مجھے معلوم ہوا کہ
یہ دکان پیرس میں سب سے عمدہ پھولوں کی ہے۔ عجب اتفاق کہ ایسی نادر چیز میری قسمت
کی تھی۔ ان تین رنگوں کی قدرت اور خوبصورتی پر میں از خود رفتہ ہو گئی۔ دنیا میں پھولوں جیسی
دلکش چیزیں کم ہوتی ہیں۔ اور یہاں کے لوگ اس کو آراستہ و پیراستہ کرنا بھی خوب
جانتے ہیں۔ بلکہ اس ہنر میں ممتاز اور مشاق ہیں۔ کہاں سے ایسے ایسے خیال آتے
ہیں۔ دیکھنا بھی ایک خاصہ سبق ہے۔

۳۔ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء | لوور کا عجائب خانہ دیکھا۔ تصویروں کا عمدہ ذخیرہ ہے۔ اور دوسرے
عجائبات بھی خوب دیکھے۔ مگر ان سب کو بھی پورے طور سے دیکھنا مہینوں برسوں کا
کام ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مجموعوں میں سے ایک یہ بھی شمار کیا جاتا ہے اور لاثانی تصویریں
یہاں موجود ہیں۔ جنکی لامحدود قیمتیں ہیں۔ بلکہ انکی قیمت ہی نہیں ہو سکتی۔ فرانس۔ وینس۔

شاید زیادہ ہیں اور اب امیر اُمرا کے دائرے میں گھوڑے رکھنے کا رواج تقریباً
اُٹھ گیا ہے۔ ہم بھی ایک موٹر لینے کے ارادے میں ہیں۔ اگر ہاتھ آگیا ! تو یہاں
کام آئیگا ؟ یہاں آجکل خوب گرمی ہے۔ ہندوستان کی گرمی کا خیال
آتا ہے۔

۲۹۔ جون ۱۹۰۸ء اس شہر میں ناممکن ہے کہ انسان چُپ بیٹھے۔ ایک سے
ایک بڑھ چڑھ کے تماشا گاہ اور سیر گاہ ہے۔ دیکھنا تماشائی کی ہمت پر منحصر ہے۔
ندی کا پانی کوئی نہیں پیتا۔ خراب گنا جاتا ہے۔ صرف چشموں کا پانی بوتلوں میں
ملتا ہے۔ وُہی ہم بھی پیتے ہیں۔ کھانا نہایت لذیذ پکتا ہے۔ دُودھ۔ مسکے
کی لذّت اتنی عُمدہ ہوتی ہے۔ کہ بے اختیار کھانے کو جی چاہتا ہے۔ رات
کو ہم ایک میوزک ہال میں گئے تھے۔ جو باغ میں ہے۔ شروع میں تو خیر معمولی
تماشا تھا۔ مگر تین لڑکیوں نے واقعی اچھا کام کیا۔ یعنی نہایت عُمدہ کسرتیں
کیں۔ انکے بدن کیسے تھے۔ اور کس قدر قوی ہونگے۔ وُہ محتاج بیان نہیں
ایک لڑکی پیر سے ایک لوہے کی سلاخ یعنی بار پر لٹک گئی۔ اور ہاتھ پھیلا دیئے۔
جن میں دو بڑے کڑے پہنے ہُوئے تھے۔ ان میں سے ڈورے لٹکتے
تھے۔ ایک دُوسرا لوہے کا ڈنڈا بھی تھا۔ اس بار پر ایک ہاتھ سے ایک اور
لڑکی لٹکی۔ تمام زور اور وزن پہلی کے ہاتھ پر پڑتا تھا۔ اب اس دُوسری لڑکی کا
ہاتھ پکڑ کر ایک تیسری لڑکی لٹکی۔ اور وُہ بھی ایک ہاتھ سے۔ اور ایسی حالت میں
قسم قسم کے کرتب کئے۔ واقعی غضب کیا۔ اسی قسم کے تماشے کچھ دیر ہوتے رہے۔
ہم بارہ بجے واپس لوٹے۔ یہاں کی معاشرت کچھ پُر لطف نہیں۔ اس لئے ناظرین

چڑھے - ہنوز دو سیڑھیاں باقی تھیں کہ ایک اور ملازم نے کمرہ بتادیا - اور ہم اندر داخل ہوئے -
لیڈی صاحبہ موجود تھیں - ہم سے ملیں - آپ چوکی پر بیٹھیں - اور ہمیں بھی چار نوشی کیلئے
بٹھادیا - میز نفیس اشیاء سے مزین تھی - عمدہ چینی کی طشتریاں پیالے قاب اور صاف
شفاف چاندی کا اسباب ایسا ہی معلوم ہوتا تھا - کہ ابھی کسی دوکان سے آیا ہے - آتنا صاف
ستھرا تھا - چار وغیرہ پینے سے فراغت ہوئی - تو لیڈی صاحبہ نے ہمیں دوپٹہ بڑھانے
کے لئے کہا - کیونکہ وہ سمجھیں کہ یہ صرف لپیٹنے کی چیز ہے - یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے
لباس کا جزو ہے - عطیہ نے سمجھادیا کہ یہ چیز ہمارے لباس کا جزو ہے - تاکہ سر کھلا نہ رہے
ضعیف العمر ہیں - زمانے کا گرم و سرد بہت دیکھی ہوئی ہیں - سر فرانسس بڑے لائق اور
جہاندیدہ شخص ہیں - وہ استنبول بھی ہو آئے ہیں - بروسا کے لئے کہا کہ ضرور دیکھنا -
کہنے لگے کہ سال کے جتنے دن ہیں - ایک زمانے میں اتنی ہی وہاں مسجدیں تھیں - مگر
بھونچال نے اتنی خرابی کی ہے کہ اب صرف آدھی رہ گئی ہیں - لیکن اس قدر خوبصورت
مسجدیں ہیں کہ میں بیان نہیں کرسکتا - اور یہ بھی کہا کہ یاد رکھنا کہ آپ اگر استنبول جائیں
تو ایسے وقت پر نکلنا کہ باسفورس میں داخل ہوتے طلوع آفتاب ہو یا غروب آفتاب
کے قریب ہو - تب آپ لوگ ایک ایسا منظر دیکھیں گے کہ تا بہ زندگی یاد رہیگا - اس کے
بعد ایک نادر کتاب کے متعلق بیان کیا - اور وہ کتاب دکھائی جو بالشت سے ذرا کم
لمبی اور چھ انگل چوڑی ہوگی - ہندی کاغذ سے بنی ہوئی ہے - اور اوپر تمام چاندی کا
غلاف ہے - اوپر سے تو ایسی ہے - مگر اندر سے لاقیمت اور بے مثل خزانہ ہے - کئی
صدی کے تقریباً کل مشہور و معروف کے دستخط اس میں موجود ہیں - سب سے پہلے
صفحے پر مرحومہ ملکہ وکٹوریہ کے دستخط اس کے بعد انکے شوہر پرنس البرٹ اور انکے

ہوتی ہے۔ چھتر کے نیچے حضرت مسیح کی مصلوب تصویر رہے ہے۔ جس کے چھوٹے چھوٹے نمونے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔ شام کے وقت پہلو کے دریچہ سے اُنکے بُت پر اور تمام چبوترے پر دھوپ کا گرنا واقعی کچھ ایسی رنگت پیدا ہو گئی تھی کہ گویا سب چیز سونے میں منڈھ گئی ہے۔ وہ چند خوبصورتی بڑھ گئی۔ اور طرّہ یہ کہ دونو جانب کمرے تھے۔ جنکی کھڑکیوں میں آسمانی شیشے لگے ہوئے تھے۔ اوران کمروں کی رنگت آسمانی اور نافرمانی جملہ رنگوں کا میل جول ایسا تھا کہ باید وشاید۔ اس بڑے کمرے کے چاروں طرف چار چھوٹے کمرے ہیں۔ جن میں متفرق برگزیدہ لوگوں اور نپولین کے زمانے کے اور بھی بڑے نامی لوگوں کی تمثالیں بطور یادگار دھری ہوئی ہیں۔ اِس چھتر کی پُشت پر ایک دروازہ ہے جو ایک نہایت کشادہ مستطیل کمرے میں کھلتا ہے۔ اس کمرے میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ جتنی لڑائیوں میں نپولین نے جھنڈے لوٹے تھے وُہ تمام اس کمرے میں رکھے ہوئے ہیں۔ قدامت سے پھٹ گئے ہیں مگر انمول ہیں۔ اور اِس بہادر کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ اس کی کُرسی وغیرہ بھی یہیں دھری ہوئی ہے۔ کبھی کبھار کسی بادشاہ کے لئے یہاں جلسہ ہوتا ہے۔ ورنہ ہرگز یہ کمرہ نہیں کھلتا۔ اس مقبرے کے ارد گرد اور بھی عمارتیں اسی احاطے میں ہیں۔ جہاں لنگڑے لولے۔ اپاہج سپاہیوں کے لئے جائے پناہ ہے۔ یعنی سرکار سے رہنے کی اجازت ملتی ہے۔ اور وُہ لوگ باقی زندگی یہیں گزارتے ہیں۔ مرنے کے بعد بھی نپولین کے گرد وپیش سپاہیوں کا ہونا نہایت موزون بات ہے۔ یہاں سے چل کے ایفل ٹاور پر گئے۔ یہ مینار ہزار فٹ بلند ہے۔ ٹکٹ لیکر لفٹ میں سوا

کو وہ تکلف نہ اُٹھانے گا۔ جو لندن کے احوال میں آتا تھا۔ کل سُنا ہو کہ خدیو مصر یہاں آئے ہیں۔

جن کاغذوں پر میں اپنا سفرنامہ لکھتی ہُوں۔ ان کاغذوں میں سے جو باقیماندہ ہیں۔ انکی حالتِ زار دیکھکر ہنسی آتی ہے۔ کہ یورپ کی ہوا کھا کے کتنے دُبلے اور نحیف ہو گئے ہیں!! آخر بیچارے کہانتک ساتھ دیں لکھنے کی بھی کوئی حد ہے

۳۰ جون ۱۹۰۸ء | بادہ نہیں ہوتا کہ یورپ اور اتنا گرم ہو۔ کچھ مینہ برسے تو خنکی پیدا ہو۔

آج ہم نے گراند پیلیس (کلاں محل) دیکھا۔ یہ عمارت اور اس کے مقابل کی عمارت دونوں عُمدہ ہیں۔ پیرس کی آخرین نمائش کے وقت بنی تھیں۔ اور خاص طور سے ایسی بنائی گئی تھیں۔ کہ ہمیشہ یادگار رہے۔ اور کام بھی آئے۔ چاہتی ہُوں کہ اس ترتیب سے لکھوں۔ کہ خیال میں ٹھیک طور سے آئے۔ کہ کس موقع پر یہ عمارتیں واقع ہُوئی ہیں۔ دریائے سین کے اس پار نپولین کا عالیشان مقبرہ ہو اس کے سامنے وُہ نامی پُل ہے۔ جسے پانٹ الیگزنڈر (اسکندر کا پُل) کہتے ہیں جس کا احوال تحریر ہو چکا ہے۔ پُل سے متصل باغات ہیں جن کے اندر دونوں طرف ایک ہی قسم کی دو عمارتیں ہیں۔ جو نزاکت اور کاریگری کے اعلےٰ نمونے ہیں نقش و نگار اور تمثالیں ایسی عُمدہ کہ دیکھا کیجئے۔ دونوں کے واسطے پل سے قریب عام شاہ راہ ہے۔ تصوّر کرنا مشکل ہے۔ چار ایسے بے نظیر کاریگری کے عُمدہ نمونے اس وضع سے ایک جگہ اکٹھے ہونے سے اس کا منظر کس درجہ دلکش ہوجاتا ہے۔ عجوبۂ روزگار درختوں نے خوبی کو اور بڑھا دیا ہے۔ رفعت اور

پینے کے لئے جاتے ہیں۔ کمرہ ہنرمندی اور کاریگری کا نمونہ ہے۔ شاہی محلات میں بھی ایسے کمرے نہیں دیکھے۔ تمثالیں۔ سنہری پچی کاری۔ جھاڑ۔ آویزے۔ جھالر۔ دیوارگیریاں۔ کس کس کا بیان کروں۔ مستطیل کمرہ ہے۔ یہاں لوگ ذرا ہوا کھانے سگار وغیرہ پینے کو آتے ہیں۔ تقریباً بیس منٹ کا وقفہ ملتا ہے۔ کوئی کوئی کھانا بھی کھا لیتے ہیں کیونکہ ہر چیز بہم پہنچ سکتی ہے۔ اس کمرے سے گزر کر ایک اور کم درجے کے کمرے میں جاتے ہیں۔ اس کے بعد ایک گول کمرہ ہشت پہلو آتا ہے۔ جس کے ہر پہلو پر نادر تصویریں ہیں۔ میں نہایت شوق سے دیکھ رہی تھی۔ تو مسٹروان پراگ نے کہا کہ یہ تمام ٹیپسٹری (بافتہ) ہے۔ نقشی تصویریں نہیں ہیں۔ یہ سُنکر حیران رہ گئی۔ سُبحان اللہ کیسی بےمثل صنعت ہے۔ سٹیج اور تماشائیوں کے لئے جو جگہ بنی ہوئی ہے وہ بھی خوبصورتی میں تصویر سے کم نہیں۔ کیا بناوٹ ہے اور اُس پر کمالیت کی سجاوٹ۔

۲۸۔ جون ۱۹۰۸ء۔ صبح دس بجے ہم جارداں دی پلانٹ میں گئے۔ اس باغ کی خصوصیت اور ان لوگوں کا فخر یہ ہے۔ کہ اس جگہ انیس ہزار قسم کے درخت اور پودے وغیرہ موجود ہیں۔ بےشک طالب علموں کے کام کا باغ ہے۔ جانور خانہ بھی معمولی ہے۔ یہاں کی دو باتوں پر میرا خیال گزرا۔ جو بہ نسبت لندن کے کمتر درجے کی ہیں۔ اول تو گھوڑے نہایت حقیر اور لاغر بالکل بےرونق بُری حالت میں دکھائی دیتے ہیں۔ دُوسرے بچے۔ غریب چھوٹے چھوٹے۔ دیکھنے میں دُبلے اور اکثر زرد چہرہ انگریزی بچّوں کو دیکھنا خوشی اور مسرّت تھی۔ موٹے بھرے ہُوئے اعضا سُرخ سُرخ تندرست۔ بڑے۔ سب صفتیں جو بچّوں میں ہونی چاہئیں۔ وہ سب موجود ہیں۔ یہاں اس کے برعکس ہے۔ جس سے ظاہر کہ پرورش میں نقص ہے۔ دوپہر کو سیر کے لئے

ہو گئے۔ نہایت عجیب و غریب بناوٹ کا مینار ہے۔ نزدیک سے اس کے آہنی کام کو
دیکھتے ہیں تو تعجب معلوم ہوتا ہے۔ اتنا پتلا اور نازک کام ایسا مضبوط کس طرح بنا ہے۔
کیسا اس صناع کا دماغ ہو گا جس نے اس بلند بالا مینار بنانے کی ترکیب ایجاد کی۔ اوپر
پہنچنے تک تین دفعہ لفٹ بدلنا پڑتا ہے۔ اور تقریباً پانچ دقیقے صرف ہوتے ہیں اس
کے تین طبقے ہیں اور ہر طبقے پر دکانیں موجود ہیں۔ اور یہاں کی ہر شے پر مینار
کی تصویر نصب ہے۔ تاکہ بطور یادگار لوگ خریدیں۔ نائٹ گھر۔ قہوہ خانہ اور چائے
نوشی کے لئے سب کچھ مہیا ہے۔ اتنی بلندی پر چڑھتے ہوئے ذرا بے چینی
یا خوف طاری نہیں ہوتا۔ بلکہ خیال بھی نہیں گذرنے پاتا کہ کچھ غیر معمولی اونچائی پر جا رہے
ہیں۔ وہاں سے عزیزوں اور دوستوں کو کارڈ لکھے اور وہیں ڈاک میں ڈال دیئے
اس قدر بلندی پر سے شہر پیرس کس خوبی سے دکھائی دیتا ہے۔ یہاں سے شہر کی
عمدگی کا گمان کر سکتے ہیں اور یہ بھی کہ کس قدر بڑا شہر ہے۔ بہت ہی پر فضا جگہ ہے
میرا دل چاہتا تھا کہ اور بھی کچھ دیر ٹھہرتی۔ مگر بعض وجوہ سے ممکن نہ ہوا اور چلے آئے
واپس آکر اپنے زیورات کے متعلق کچھ مشورہ کیا۔ مسٹر وان پراگ کے والد اس
کام کو بخوبی جانتے ہیں اور عمدہ عمدہ نقشے انہوں نے نکالے۔ جواہرات کو حسن خوبی
سے جڑتے ہیں۔ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہاں کے گھوڑوں کے متعلق
میں اوپر کچھ اشارہ کر چکی ہوں۔ لندن کے مقابلے میں یہاں کے خاص و عام
گھوڑوں کی نہ ویسی عمدہ حالت ہے۔ نہ وہ چھل بل نہ ڈیل ڈول۔ بلکہ سوکھے لاغر۔
مریل گھوڑے اکثر نظر آتے ہیں۔ ان میں کبھی کبھار اکا دکا اچھا بھی دکھائی دیتا ہے۔
لندن میں کرایہ کے گھوڑے بھی جاندار اور شاندار ہیں۔ بیشک یہاں موٹر کے اقسام

وغیرہ کی یاد نے تھوڑی دیر کے لئے ہم کو ساکت کر دیا۔ بیچ کا چوک کتنا بڑا ہے۔ اللہ اللہ! بادشاہوں کے عہد حکومت میں کیا شان و شوکت ہوگی۔ جبکہ تمام چوک درباریوں اور سپاہیوں سے معمور رہتا ہوگا۔ واقعی خوب چہل پہل رہتی ہوگی۔ اور کیسے شوقین لوگ ہونگے۔ ان تمام علاقوں کو دیکھتے ہوئے واپس آئے۔ اور کھانے کے بعد گرانڈ اوپیرا میں گئے۔ جو ہمارے ہوٹل سے متصل ہے۔ اس کا زینہ دنیا میں لاثانی ہے ہر قسم کے سنگ مرمر جو بہم پہنچ سکتے ہیں۔ ان سے بنا ہوا ہے۔ سنگ مرمر ہی پر کیا موقوف ہے۔ بلکہ اکثر قسم کے پتھر کام میں لائے گئے ہیں۔ تیرہ سال اس بے نظیر تھیٹر کی تعمیر میں صرف ہوئے اور تیار ہوئے کو صرف چوبیس گزرے ہیں۔ تقریباً تین ایکڑ زمین یہ عمارت گھیرے کھڑی ہے۔ اس ناٹک خانے میں سوا دو ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اور اٹھارہ لاکھ اسی ہزار پاؤنڈ اس کی لاگت ہے یعنی دو کروڑ ستاسی لاکھ پچاس ہزار روپیہ۔ جتنے خیالات کہ موسیقی و فنون لطیفہ کے ہو سکتے ہیں۔ اُنکی مورتیں موجود ہیں۔ مثلاً مشہور ماہران موسیقی نے جس کمالیت سے اپنی راگنیاں لکھی ہیں۔ ان کا خاکہ تصویروں میں کھینچ دیا ہے۔ اس عالیشان زینہ پر قدم رکھتے ہی گویا ایک عمدہ کندہ کی ہوئی شہ نشین میں پہنچے۔ جس کو سنہری چہروں سے مزین کیا ہے۔ اور جس میں نہایت بڑے بڑے ستھرے گروپ بنے ہوئے ہیں۔ ان میں موسیقی شاعری کی دیویاں بنائی ہیں۔ جن کی خدمت میں گویا راگ اور شہرت کی دیویاں ہیں۔ یہ بیان باہر کی سجاوٹ کا ہے۔ اس کے بعد ایک وسیع کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں نامی گرامی موسیقی کے اُستاد اور کاملین۔ مثلاً گلگ ہینڈل وغیرہ کے سنگی بُت نصب ہیں۔ یہ شہرہ آفاق زینہ تین رنگ کے پتھروں سے بنا ہوا

نکلے۔ راستے میں وُہ عجائب پُل دیکھا جسکو الگزینڈر سوم کا پُل کہتے ہیں۔ پیرس کی آخری نمائش میں یہ بنا تھا۔ ان دنوں میں رُوس اور فرانس کا اتحاد بہت بڑھا ہُوا تھا۔ اس لیے زارِ رُوس کا نام دیا گیا۔ والدِ مرحوم جو اُس وقت یہاں تشریف رکھتے تھے اُن سے ان لوگوں کی مختلف دوستی کی نشانیوں کا ذکر سنا ہے۔
اِس پُل کی ایک بڑی اور خاص بات یہ ہے۔ کہ بے ستون ہے۔ یعنی ندی میں کسی طرح کا ستون یا پایہ نہیں ہے۔ اور اِس قدر آرائش کی ہے۔ کہ کچھ حد و حساب نہیں سنگین بتوں اور نقش و نگار سے بھر دیا ہے۔ یہاں سے گزرتے ہُوئے پہلے نپولین کے مقبرے میں گئے۔ کہتے ہیں ۱۶۹۳ء میں یہ عمارت کسی لوئی (فرانس کے بادشاہ) نے بنائی تھی اور اس وقت گرجا تھا۔ نپولین وفات کر گیا تب اُسے یہاں دفن کیا۔ ایک لائق نامی بادشاہ کے قابل مقبرہ ہے۔ ہم داخل ہو کر ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔ وہاں آفتابی وغیرہ دیدی۔ اور دُوسرے نہایت وسیع کمرے میں گئے۔ ایک حد تک تاج محل کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ اس کمرے کے وسط میں ایک کنُواں سا بنا ہُوا ہے۔ جس کے اندر نپولین کا مدفن ہے۔ وُہ جزیرہ سینٹ ہلینا میں مرا تھا۔ مگر اس کی نعش کو وہاں سے یہاں لے آئے۔ زمین عُنرہ موزیک (میناکاری) سے معمور ہے۔ اور اس پر ان ملکوں کے نام کندہ ہیں جن کا وُہ مالک تھا۔ اور بہت سی آرائش ایسی ہے۔ جو اس نامور کے شایانِ شان ہے۔ منقش تصویروں کا بیان کرنا امکان سے باہر ہے۔ گنبد کے عین وسط میں یہ قبر ہے۔ اس کے ایک جانب ایک چبوترہ بنا دیا ہے۔ چار سیاہ سنگ مرمر (سنگ موسیٰ) کے موٹے پیچیدہ ستون کھڑے ہیں۔ جن پر سُنہری چھتر ہے۔ مگر اتنا بڑا کہ حیرت

امید منقطع نہیں کرتی ہے۔ خیر ایک عرصہ کے بعد جب وُہ واپس آتا ہے۔ تو ایک اور بی بی اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اس خبر کو سُنکر دریائے رنج والم میں بٹر فلائی خودکشی کرتی ہے مگر اس جاپانی عورت نے اس خوبی سے اپنے کام کو پُورا کیا۔ کہ بس غضب ہی ڈھا دیا بعض تماشائی تو زار و قطار رونے لگے۔ اس درجہ دلخراش اور غمناک منظر تھا۔ کہ مرد بھی موم ہو گئے۔ اور اپنے ہمجنس کی سخت دلی پر افسوس کے آنسو بہانے لگے۔ دکھاوے کو ایسا کامل بنایا تھا کہ گویا بعینہ جاپان کا ایک ٹکڑا لاکر سٹیج پر رکھ دیا ہو۔ اور سب سے کمال اس ایکٹرس نے اسوقت کیا کہ جب اپنے شدید رنج میں اپنے آپ کو خنجر مار لیا۔ بعد ازاں جب اُسے اپنے بے وفا کی آواز سُنائی دیتی ہے تو کس طرح لڑکھڑاتی ہُوئی دریچہ تک جاتی ہے۔ اُف وہ قیامت مچادی اور حاضرین کو تڑپا دیا۔ اس حرمان نصیب کا زخموں سے آلودہ ہوکر تڑپنا اور دمِ واپس میں اپنے پیارے کی آواز سُنکر ایک نظر اپنے عاشق پر ڈالنے کی ہوس میں گرتے پڑتے جانا اور حسرت زدہ رہ جانا ستم تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ایسا مؤثر سچا خاکہ کھینچ سکتے ہیں۔ ایکٹنگ کو معراجِ کمال پر پہنچایا ہے۔ ناٹک کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے۔ اس میں شہزادی بامبا اور کاٹھرنی آئیں جنکو پیشتر نہیں دیکھا تھا۔ واقعی انہیں دیکھکر بڑی خوشی ہُوئی۔ کیونکہ وقفوں کے درمیان دوستوں کا دیکھنا کتنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ صرف ایک دو روز کے لئے آئے ہیں۔ دو بجے بعد واپس آئے۔ یہاں لندن کی طرح طبقہ اعلیٰ کی زندگی میں گرفتار نہ ہو جائینگے۔ اِس لئے ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ شہر کی خوب ہی سیر کرینگے۔ تماشے دیکھینگے اور دوکانوں کی سیر کرینگے۔ لندن میں سوسائٹی کا خوب مزا چکھا۔ اب یہاں بہت ہوس باقی نہیں ہے۔ مہاراجہ کپورتھلہ نے ایک دو تماشا فاقی رقعے

ہے۔ اور سیڑھی کی لمبائی چودہ فیٹ ہے۔ اور ایک ڈال پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ کٹہرا گلابی سنگِ مر مر کا ہے۔ تیسری منزل کی بلندی تک اسی طرح یہ بے مثل زینہ چلا جاتا ہے۔ چھت پر نہایت عمدہ دستی منقش تصویریں نقش کی ہوئی ہیں۔ ان تصویروں کے مضامین اکثر یونان اور روما کی پرانی مذہبی تعیشات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اور بعض میں موسیقی اور ترانے کی دلفریبی کا نقشہ کھینچا ہے۔ خوبصورت دروازے کے دونوں طرف کامیڈیؔ[1] اور ٹریجیڈیؔ[1] کے برنجی پتلے ہیں۔ جنکو رنگین سنگِ مرمر سے ملبس کیا ہے۔ یعنی پوشاک کا لباس کی وضع سنگِ مرمر میں دکھائی ہے۔ کیسا نادر خیال ہے کہ بے اختیار آفرین کہنے کو جی چاہتا ہے۔ باقی تمام اوپیرا ہوس میں بڑے بڑے دیوان خانے ہیں۔ جہاں لوگ تماشے کے درمیانی وقتوں میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کچھ چاء وغیرہ پیتے ہیں۔ اِس رات کو فوسٹ کا کھیل تھا۔ وُہ حصہ جبکہ شیطان اپنی حکمتِ عملی سے آناً فاناً جہنم سے جنت بنا دیتا ہے۔ جہنم کے دکھاؤ میں بہت ہی کم روشنی ہوتی ہے۔ بعد ایک لحظہ کے لئے ایک دم اندھیرا ہو کر تمام سین بدل کر جنت کی پریاں اور دنیا بھر کی خوبصورتی بے نظیر روشنی وغیرہ سب ہو جاتی ہے۔ اِس کا بیان انتہا درجہ مشکل کام ہے لیکن واقعی اتنا تو لکھے بغیر رہ نہیں سکتی۔ کہ اس وقت کے لئے آدمی بے اختیار حیرت زدہ اور سکتے کے عالم میں رہ جاتا ہے۔ ایکٹ کرنا اور اِرد گرد کے منظر کو ایسا بنانا کہ دیکھنے والوں پر حقیقی اثر ہوا اور محوِ حیرت ہو جائیں۔ ان لوگوں پر ختم ہے۔ کس کمالیت سے سچا دکھاوا پیش کرتے ہیں۔ پہلے باب کے بعد ایک بڑے کمرے میں گئے۔ جہاں لوگ دم

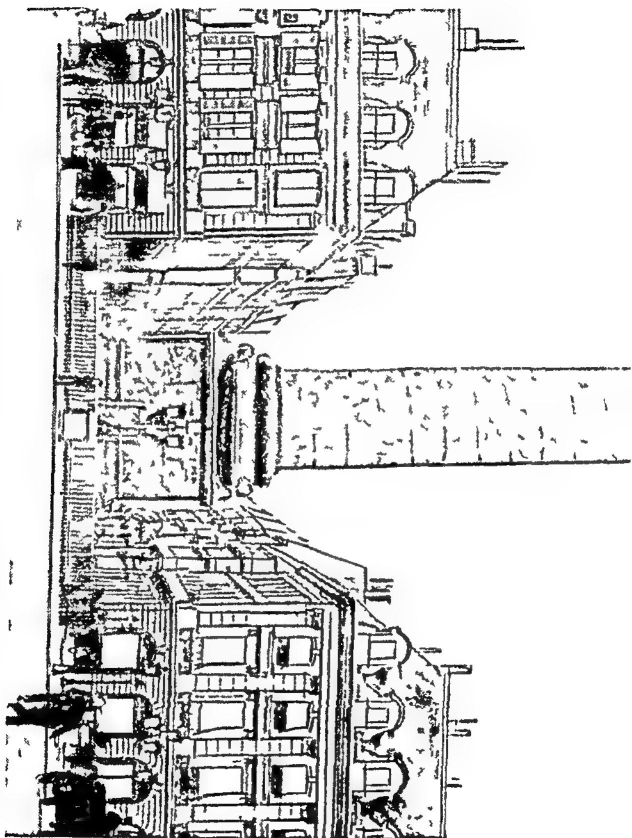
[1] یہ ناٹک کی دو قسمیں ہیں۔ مجملاً کامیڈی کا اطلاق ان کھیلوں پر ہوتا ہے۔ جو مبنی خوشی ختم ہوتے ہیں اور ٹریجیڈی کا انجام حسرت و افسوس ہوتا ہے۔



لکھ دیئے ہیں شاید انہیں کام میں لائیں۔ یا چھوڑ دیں۔ حضور کی طبیعت یہاں پر بہت تازہ اور خوش ہے۔ کیونکہ پاک و صاف ہوا ہے اور سستی کا نشان پایا نہیں جاتا۔ یہاں پر پانی بوتلوں کا پیا جاتا ہے۔ کھانا لذیذ ہوتا ہے۔ کیونکہ ذرا مصالحہ دار ہوتا ہے اچار کی خاص خواہش نہیں ہوتی۔ لندن میں اچار پر ہی سہارا تھا۔ صبح کو جو روٹی دیتا ہے۔ وُہ نہایت لذیذ اور نمکین ہوتی ہے۔

۲۷۔ جون ۱۹۰۸ء شام کو حضور خریداری کے لئے گئے۔ اور ہم تزار دن دی تولری میں گئے۔ یہ باغ نپولین کے وقت کا ہے۔ اور اسی کے متصل پیچھے کی طرف مشہور و معروف لوور نامی محل واقع ہے۔ جو کسی لوئی[1] کے زمانے میں بنا ہوا ہے۔ اور حال میں اسے عجائب خانہ بنالیا ہے۔ پلاس دی لا کانکار دکی جانب سے داخل ہو کر پہلے ایک محراب ملتی ہے۔ جس کی دوسری جانب گامبیٹا[2] کی مورت ہے۔ اب یہ پتلا گویا بیچ میں ہے۔ اور تین طرف لوور کے محل کی وسیع عمارت ہے۔ گو نقش و نگار۔ کاریگری۔ تماثیل اور نزاکت سے معمور چیزیں نصب ہیں۔ آگے بڑھ کے عام رستہ ملتا ہے۔ جب یہ چوک ختم ہو جاتا ہے تو ایک نہایت وسیع بلند دروازہ آتا ہے۔ جس میں سے گزر کر ایک اور شاندار چوک میں جاتے ہیں۔ اس کے بھی چاروں طرف عمدہ عمدہ عمارتیں ہیں۔ البتہ اتنا نقش و نگار باہر نہیں ہے۔ یہ عمارت اور بھی پرانا محل ہے۔ اس کی وضع لکھنؤ کے واجد علی شاہ کے محل سے مشابہ ہے۔ ان مقامات پر بے اختیار لوئی[3] اور میڈم دوباری[4]۔ پامپادور[5]۔ دار تانیاں[6]۔ ریشلیو[7]

۱ لوئی اس نام کے اٹھارہ بادشاہ ہوئے ہیں ۲ فرانس کا ایک مشہور مدبر اور فصیح مقرر تھا۔ ۴ و ۵ فرانس کی تاریخ میں دو مشہور و معروف عورتیں ہیں جنکو اگر فرانس کی غیر سرکاری ملکہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ۶ الگزنڈر ڈوما کے ایک مشہور فرانسیسی ناول کا ممدوح۔ ۷ فرانس کا ایک مشہور باتدبیر مدبر ؞



بھیڑ بھڑکے میں لباسوں اور زیورات پر نگاہ ڈالتے ہوئے اور ہر شے کا مزا لوٹتے
ہوئے خاصہ تناول فرماتے ہیں۔ زندگی میں عیش منالو سہ

عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گزرتی ہے

یہ ان کا عقیدہ ہے۔

دیر تک سیر کرنے کے بعد واپس لوٹے۔ ایک حد پر آکے گاڑیوں کو رخصت
کر دیا اور پیدل چلے۔ افسوس کہ اکثر دکانیں بند ہو گئی تھیں۔ مگر جو کھلی پائیں انکو
جی بھر کر دیکھا۔ ایک ایک زیور کی بناوٹ ایسی لاجواب دیکھی کہ عقل حیران رہ گئی
جواہرات کو جس وضع سے نہیں بناوٹ میں بٹھاتے ہیں۔ بس ان ہی پر ختم ہے
گویا پرستان کی چیزیں یہاں دیکھنے میں آئیں۔ وہاں سے ایک چوک میں
داخل ہوئے۔ پلاس ڈی لا وانڈوم جس کے بیچ میں بہت بڑا ستون ہے۔ جو
ایک ہزار چھ سو توپوں کو پگھلا کر بنایا گیا ہے۔ یہ تمام توپیں نپولین مختلف لڑائیوں
میں فتح کی تھیں۔ کہ جنکو بطور یادگار اس صورت میں کھڑا کیا ہے۔ اور اس ستون
پر فتوحات کی تصویریں منقش ہیں۔ اور سب سے اوپر اس لاٹ کے نپولین کی
تمثال کھڑی ہے۔ دیکھ کر عجیب اثر ہوتا ہے اور اس بہادر کے کارنامے آنکھوں
میں پھر جاتے ہیں۔ خوب سیر کر کے واپس آئے۔ کھانا کھا کے اوپیرا کامیک[1]
میں گئے۔ ناٹک گھر کی آرائش کس قدر خوبصورت تھی۔ میوزک عمدہ تھا۔ اور کھیل
مادام بٹرفلائی[2] کا ہوا۔ اس کا قصہ اس طرح ہے کہ ایک جاپانی لڑکی پر ایک انگریز عاشق
ہو کر شادی کرتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد وہ کہیں چلا جاتا ہے۔ مگر وہ اس کی واپسی کی

[1] پیرس کا ایک تماشاگاہ۔ [2] اس کے لفظی معنے "بی تیتری" کے ہیں۔

اِدھر اُدھر ٹہلتے نظر آتے ہیں - اور بچے کھیلتے کودتے کودتے دکھائی دیتے ہیں درختوں کی گھٹا اتنی ہے کہ دھوپ کا گذر نہیں ہو سکتا - اور تمام زمین ہری گھاس سے سرسبز نظر آتی ہے - درختوں کے تنوں پر کائی جمی ہوئی ہے - جا بجا قہوہ خانے ہیں جن میں موسیقی کی گرم بازاری ہے - پانی کے جھرنے اور تالاب سب لبریز ہیں - غرض کیونکر بیان کروں کہ یہ منظر کیسا دلکش ہو - کشتیاں بہم پہنچ سکتی ہیں - جی چاہے تو تالاب کی سیر کر لو - اور اگر تھک گئے تو کسی نادر مقام پر بیٹھکر بے مثل کافی اور چاکولیٹ جو اسی شہر میں خاص طور پر لطیف ذائقے کی ہوتی ہے - کھا پی کر تازہ دم ہو جاؤ - جنگل میں شہر کی تمام راحتیں موجود ہیں - ہر قدم پر موزون کرسیاں - کوچ چوکیاں - بینچز وغیرہ رکھے ہوئے ہیں - صبح کے گیارہ بجے شوقین لوگ عجیب و غریب پوشاکوں میں یہاں نظر آتے ہیں - ایک شہسوار بنا ہوا ہے - تو دُوسرے کی تنک مزاجی کا یہ عالم ہے کہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا - کوئی موٹر نشین ہے تو کوئی گاڑی میں جلوہ دکھا رہا ہے - اور لوگوں کی صُورتوں پر نظر ڈالتا جاتا ہے - کہ دیکھیں ہماری ہیبت کا اثر دیکھنے والوں پر کیا ہوتا ہے - اس کے سوا پیدل چلنے والے شوقین پھونک پھونک کر قدم دھرتے ہیں - کوئی صاحب دوستوں سے آشنا سے راہ میں مل گئے اور خوش گپیاں اُڑانے لگے - کوئی حضرت اپنے لباس کی قطع و برید پر دل ہی دل میں اتراتے جاتے ہیں - گویا دُنیا میں مصیبت رنج درد دُکھ کا نشان ہی نہیں - اور زبان حال سے کہتے ہیں ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد

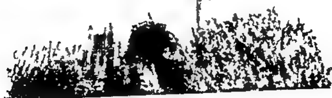
عجیب خوش طبع لوگ ہیں - یہاں کتنے خوبصورت چہرے نظر آتے ہیں - پانچ میں سے

دیکھ کر مجھے بھی شوق ہوا۔ اگر اور ضروریات نہ ہوتیں تو ہائڈ پارک چل کے یہ تماشائے حق طلبی دیکھتے۔

۲۶ - جون ۱۹۰۸ء | پرسوں شب کو ہم ہوٹل پہنچے۔ تو مسٹر وان پراگ کی طرف سے علیحدہ گلابوں کا ایک گلدستہ کارڈ کے ساتھ موجود تھا۔ اس خیر مقدم سے دل و دماغ تازہ ہو گیا اور سفر کی کلفت گویا دُور ہو گئی۔ دوسری صبح بوا ڈی بولون کی سیر کے لئے گئے۔ رستہ کی صفائی انتہا درجہ کی قابل تعریف ہے۔ ایسی ایسی عمارتیں دیکھیں کہ بالکل دنگ رہ گئی۔ درخت کس قرینہ سے لگائے ہیں کہ کوئی ڈال یا پتہ بے قرینہ معلوم نہیں ہوتا۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز میں بھی ایک بات نکلتی ہے۔ رنگوں کو اس خوبی سے سجایا ہے کہ کوئی رنگ خاص طور سے آنکھوں کو ستاتا نہیں۔ بلکہ سب میں ایک دلفریب تنظیم پائی جاتی ہے۔ قدرت نے ان لوگوں کی طبیعتوں میں وہ بات پیدا کی ہے۔ جو کسی اور قوم میں نہیں پائی جاتی۔ بوادی بولون ایک نہایت عمدہ وسیع جنگل شہر کے درمیان ہے۔ جو خدا کی قدرت اور انسان کی صنعت کا بے نظیر نمونہ ہے۔ یُوں تو اور ملکوں میں کیا جنگل نہیں ہیں۔ مگر جس خوبی۔ صفائی۔ نزاکت اور عمدگی سے اسے ان لوگوں نے ترتیب دیا ہے۔ وہ قابلِ تحسین ہے۔ سینکڑوں برس کا پُرانا ہی شاہانِ سلف کے زمانہ سے چلا آتا ہے۔ مگر البتہ اب اسے نہایت درجہ آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اور موزون راستے بڑی خوبی سے کاٹ کے بنائے ہیں۔ جن پر موٹر کار۔ گھوڑوں کی گاڑیاں سواری سب کچھ چل سکتا ہے۔ احاطہ شاید ۲۲۵۰ ایکڑ کا ہے۔ اور اس کے اندر ہی اندر کوئی تیرہ ۱۳ میل کی سڑکیں ہیں۔ گاڑی میں سوار ہو کر گزرتے ہیں۔ تو گھنے جنگلوں میں عمدہ عمدہ پوشاک پہنے ہوئے لوگ







ہیں پرنسس ساتھ ہولیں۔ اور ہم محل دیکھنے گئے۔ لیڈی فلپ کی خواہش سے ہم پہلے اُن کے علاقے میں گئے۔ بہت اچھے کمرے ہیں۔ باغ کی جانب دیکھے ہیں۔ عجب سہانا خوشنما سماں ہے۔ اس محل کی تاریخ یوں ہے کہ ہنری ہشتم کے عہد حکومت میں اُن کے وزیر اعظم نے یہ محل تیار کرایا تھا۔ اور جب دیکھا کہ بادشاہ کی نگاہ بدل گئی ہے۔ تو اس نے یعنی کارڈینل وولزی نے بطور نذر بادشاہ کو پیش کر دیا تھا۔ سیر کرتے ہوئے باغ کی اس جانب سے گزرے جہاں پر وہ مشہور و معروف قدیم بیل سیاہ انگور کی ہے۔ او ہو! میں اس کا کیا بیان کروں۔ مجھ سے زیادہ موٹا تنہ ہوگا۔ آٹھ سو سال کی پرانی یہ بیل ہے۔ اور ابھی تک خدا جانے کتنے ہزار خوشے اس پر ہر سال لگتے ہیں خاص شیشے کا گھر اس کی حفاظت کے لئے بنا ہُوا ہے جس کے اندر جا نہیں سکتے ہیں باہر سے ایک دیکھنے کی جگہ تھی۔ وہاں سے دیکھ لیا۔ انگور کے بہت سے خوشے لگے تھے۔ مگر چھوٹے تھے۔ تمام انگور بادشاہ کے لئے جاتے ہیں۔ بھائی کے اصرار سے یہ بیل جو نادرِ زمانہ ہے دیکھی ورنہ وقت کی تنگی اس قدر تھی کہ یُوں ہی چلے جاتے۔ اسے دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہُوئی۔ پھر پارک ہوس گئے۔ اور مسٹر اور مسز ٹاٹا کو خدا حافظ کہا۔ وہاں سپین کے شاہی گھرانے کی ایک ڈچس بھی تھیں جو بہت ہی محزون اور دلگیر نظر آتی تھیں۔ جلدی سے واپس آ گئے۔

جس وقت ہم پرنسس صوفی کے ہاں چلے تھے۔ تو راستے میں عورتوں کا جمگھٹ دکھائی دیا۔ یہ لوگ ہائڈ پارک کی میٹنگ میں جا رہے تھے۔ ان دنوں سفر اجسٹ بڑے زور و شور پر ہیں۔ اور ووٹس مانگ رہے ہیں۔ آخر پارلیمنٹ کو تو عاجز کرینگے ہی۔ لیلا راؤ کو بھی دیکھا۔ یہ بھی اس گروہ کی پکی اور سچی رکن ہیں۔ خوب رومال ہلایا۔ اسے

کی خوشی پر نازاں ہیں۔ اُن سے معلوم ہوا کہ مس جاولا ایک دفعہ غبارہ میں بھی بیٹھی تھیں۔ اس لئے نمونے کا تمغہ پایا۔ اس قوم کی اولوالعزمی پر آفرین ہے۔

شہزادی صوفی نے ہم کو لنچ پر بلایا تھا۔ ٹھیک لنچ کے وقت پہنچے۔ اور شریک ہو گئے۔ ہیملٹن کورٹ کے قریب انہیں سرکار سے کوٹھی ملی ہے۔ انکی بڑی بہن شہزادی بامبا بھی یہیں رہتی ہیں۔ ان کا ارادہ ہے۔ کہ یہاں سے خیرباد کہہ کے اپنے آبائی ملک ہندوستان میں جا بسیں۔ جاڑوں میں لاہور اور گرمیوں میں کشمیر۔ کیونکہ دونوں جگہ اُن کے دادا اور والد کو خاص تعلق تھا۔ کھانے کے بعد تمام کمرے دکھائے اگرچہ بہت چھوٹے ہیں۔ لیکن کس قدر خوبصورت اور پُرانی ہندی چیزوں سے آراستہ۔ شہزادی صوفی نے اپنا پیارا کُتّا دکھایا انہیں اس جانور سے اس قدر محبت ہی کہ جسکی انتہا نہیں۔ حتی المقدور اسے چھوڑ کر انگلینڈ سے باہر نہیں جاتی ہیں۔ فرانس بھی نہیں جاتی ہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ ایک مُلک کے کُتّے دوسرے مُلک میں جانے نہیں دیتے۔ اگر اس کُتّے کو بھولے سے بھی کوئی کچھ کہدے تو بُرا مانتی ہیں۔ کُتّا چھوٹا موٹا پیاری غریب صُورت کا ہے۔ بال ریشمی نہایت لمبے ضعیف کر ذرا آنکھوں سے دیکھا کرتا ہے۔ واقعی ایک عجیب معاملہ دیکھا۔ کہ انسان اور حیوان میں کتنی اُلفت ہو سکتی ہے۔ عمر ۱۲ سال کی ہے جو کُتّے کے لئے بہت ہی بڑی ہے۔

لیڈی فلپ اور ان کی لڑکی بھی تھیں۔ انکو خاص ہامپٹن کورٹ میں سرکار سے جگہ ملی ہے۔ یعنی محل میں کمروں کا علاقہ دیا گیا ہے۔ یہ قانون ہے کہ کسی افسر کی بیوہ یا لڑکی جس کی حالت مفلسی کی ہو۔ تو اُس کو سرکار سے مرحمت ہوتی ہے۔ اور اس پُرانے محل میں جگہ دیجاتی ہے۔ فی الحال کوئی بتیالیس خاندان اس طرح یہاں بستے

کی صاحبزادی ہیں۔ تب وُہ دنگ رہ گئے اور تفتیش کرنے لگے۔ کہ آپ کو کیا معلوم اور کس طرح
معلوم ہُوا۔ میں نے کہا کہ میرے والد مرحوم و مغفور سالہا سال استنبول میں مقیم تھے اور میری والدہ
بھی گئی تھیں۔ اور مُصطفٰے پاشا کی دُوسری صاحبزادی پرنسس رقیہ سے ملی تھیں۔ اس زمانے
میں پرنسس نازلی دار السلطنت قسطنطنیہ میں نہیں تھیں۔ اُنکی ہمشیرہ ذکر کیا کرتی تھیں
کہ نہایت حسین ہیں۔ اُن کا شہرہ پرنسس رقیہ سے بھی زیادہ تھا۔ اور اسی زمانے میں
پردے سے باہر آئی تھیں۔ اسی سبب سے بہت چرچا ہُوا۔ یہ داستان سُنکر
وُہ بہت خوش ہُوئے۔ کہنے لگے کہ پرنسس نازلی کو شوق تھا کہ وہاں کے وزیر اعظم
سے ملیں۔ تو میں نے اُنکی خاطر دعوت کی جس میں دونوں کو بُلایا تھا۔ اِس طرح
اُنہیں باہر جانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ بہت دیر تک اعلیٰ درجے کا بینڈ بجتا
رہا۔ ایسے عالی ہوٹلوں میں فرنیچر وغیرہ سب ٹھاٹھ امیروں کی کوٹھیوں کا سا
ہوتا ہے۔ چونکہ حضور کی خاطر میں ضیافت دی گئی تھی۔ اِس لئے بہت اچھا وقت
گزار کر ہم پہلے اُٹھے۔ اور رخصت ہُوئے تاکہ سب مہمانوں کو آزادی ہو جائے۔
کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک اصل مدعوین رخصت نہ ہولیں کہ وُہ جن کے واسطے
دعوت دی گئی ہے۔ دُوسرے مہمان پابند رہتے ہیں اور اجازت نہیں مانگ سکتے۔

۲۱ - جون سنہ ۱۹۱۱ء | صبح جام صاحب (رنجیت سنگھ) تشریف لائے۔ خلیق اور
ملنسار آدمی ہیں۔ اُنہوں نے اسوقت بھی کرکٹ میچ میں کمال کیا۔ ہم نے کہا کہ ہم کو
کیوں خبر نہ کی۔ تو اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ اسوقت مجھے ہرگز امید نہیں تھی۔ یہ تو صرف
خوش قسمتی ہے کہ جیت گیا۔ پھر گوکھلے صاحب آئے۔ خوب باتوں کا دَور رہا۔ اُن کے
بعد خاندانی مجمع ہُوا۔ کچھ دیر مسٹر جابوالا بھی آئے اپنی ماں کی دلاوری اور معرکہ آرائی

اور پھل بھی نہایت عمدہ۔ یہانتک کہ آم بھی موجود تھے۔

آجکل کی سیاسی حالت پر بہت دیر تک بحث ہوئی۔ خاصکر ہندوستان کی موجودہ حالت پر۔ یہ سب یہاں بہت بے چین ہو رہے ہیں۔ کہ اس بلوے کو کس طرح فرو کریں۔ لارڈ پوئیس سے بہت سی باتیں ہوئیں۔ کسی زمانے میں ہندوستان گئے تھے۔ اسی کا خواب اب تک دیکھ رہے ہیں۔ مشہور لارڈ کلایو اُن کے بہت ہی قریبی رشتہ دار تھے۔ اُن کا ترکہ ہندی چیزوں میں اُن کے ورثے میں بھی آیا ہے۔ اس میں ہاتھی دانت کی کئی چیزیں ہیں۔ کھانے کے بعد لیڈی کرومر سے باتیں ہوئیں۔ مصر کے متعلق کہتی تھیں کہ بالکل اس زمانے کے طرز کا شہر ہے۔ مشرقی بو تقریباً مٹ گئی۔ خدیو کے خاندان کی بیگمات تعلیم یافتہ ہیں۔ اور بالکل فرانسیسی طرز اختیار کر لیا ہے۔ لیڈی کرومر بہت شاندار بارُعب اور خوبصورت ہیں سب نے یہ افسوس ظاہر کیا۔ کہ ہم ایسے موسم میں لندن سے جُدا ہوتے ہیں۔ لارڈ کرومر سے بھی ملاقات ہوئی۔ عجیب قوت سے معمور چہرہ ہے۔ جہاندیدہ۔ ہوشمند۔ معمّر بالکل سفید بال۔ مجھ سے کہنے لگے کہ اس طرح پردے سے باہر آکے دُنیا دیکھنا جبکہ آپ کو کبھی عادت نہ تھی۔ بہت ہمت کا کام ہے۔ اچھا یہ تو کہئے کیسا معلوم ہوا۔ مَیں نے کہا۔ اوّل اوّل بہت بیچینی ہوتی تھی مگر اب عادی ہوتی جاتی ہوں۔ ہم نے مصر کی بیگمات کے متعلق دریافت کیا۔ کہ وُہ پردہ چھوڑ چکی ہونگی۔ اُنھوں نے کہا نہیں سب نے تو نہیں چھوڑا۔ لیکن ایک سلطانہ ہیں جو باہر جاتی ہیں۔ پرنسس نازلی اُن کا نام ہے۔ مَیں نے کہا میری ہمنام ہیں۔ تو متعجب ہوئے۔ پھر مَیں نے کہا ہاں مَیں جانتی ہوں مصطفیٰ پاشا

واقعی فرحت بخش ہے۔ پھر کہا خوبصورت دن نکلا ہے۔ اور نظارہ دلچسپ ہے۔
میں اُمید رکھتی ہوں کہ تم کو حظ آتا ہوگا۔ ہم نے شکریہ ادا کیا۔ اور مہربانی کا اعتراف
عطیہ بہن سے کہنے لگیں۔ کہ تم پھر بھی لندن آؤ گی؟ اس نے بھی اقراری جواب دیا۔
ان کا لباس کچھ صندلی اور خاکستری رنگ کا ملا جلا تھا۔ بغیر تراش کے بڑے
بڑے نیلم اور الماس کا ہار گلے میں تھا۔ اور جامنی رنگ کی آفتابی۔ نہایت وجیہ
اچھی معلوم ہوتی تھی۔ واقعی اس عمر میں بھی کتنی خوبصورت ہیں۔ ان کے ساتھ ایک
لیڈی ان ویٹنگ چل رہی تھیں۔ جھکے ساتھ۔ کوئی چھوٹی شہزادی جو نواسی یا پوتی
ہونگی۔ ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ آگے بڑھ کے اور مہمانوں سے ادھر اُدھر بات
چیت کرتی ہوئی وہاں چلی گئیں۔ پہلی ریل میں ہم سوار ہونے والے تھے اسلئے
جلد خدا حافظ کر کے چلے۔ واپس پہنچ کر از سر نو تازہ ہو گئے۔ اور لارڈ لامنگٹن
کی دعوت جو رٹز ہوٹل پر تھی۔ اس میں شریک ہوئے۔ لارڈ لامنگٹن کے چہرے
پر اُداسی چھا گئی ہے۔ کیونکہ لیڈی لامنگٹن بہت بیمار ہیں سب مہمان چوبیس
تھے۔ ہندوستانیوں میں ہم چار کے سوا جام صاحب اور ٹھاکر صاحب راجکوٹ
تھے۔ اُنہوں نے کان میں الماس کے بٹن پہن رکھے تھے۔ خدا جانے ہندوستانی
اپنے تئیں کس لئے ہنسواتے ہیں۔ نامی گرامی لوگ بھی جمع تھے۔ انکی بات ہی
نرالی ہوتی ہے۔ واقعی شاندار گروہ دیکھا۔ میز نہایت خوبصورتی سے گہرے
سُرخ گلابوں سے سجی تھی۔ مگر گلاب کیسا عجیب اور اچھا معلوم ہوتا تھا۔ بڑی بڑی
شاخیں گلابوں سے لدی ہوئی اس خوبی اور ناز و انداز سے لگائی تھیں۔ کہ
مہمانوں کو آرپار بات کرنے اور دیکھنے کی ذرا تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ کھانا پُر تکلف

کی آرزو اس طرح پوری نہ ہو سکی۔ افسوس ہے۔ اور التجا کی کہ کچھ ہی کرکے میری رسائی کردو۔ آخر ان تمام التجاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن سے وعدہ کیا گیا۔ کہ کوئین خود تشریف فرما ہونگی۔ اور ملینگی۔ ہم وہیں ٹھہرے رہے کہ آخر تک یہ ماجرا دیکھیں۔ اسی خیال میں ہم تھے۔ کہ درحقیقت ملکہ اُنکے قریب آئیں۔ اور مربیانہ طریقہ سے باتیں کرنے لگیں۔ بڑی بی نے ملکہ کو پھولوں کا ہار پہنایا۔ سچ یہ ہے کہ پارسن ہی کی جسارت ہو سکتی ہے کہ ایسا معرکہ کر سکے۔ ہم حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ پھول پہنتے وقت ملکہ تقریبًا دوہری ہو گئیں۔ کیونکہ مسس جاوالا بہت پست قد ہیں پھول پہنانے کے بعد بھی کوئین سے بہت سی باتیں رہیں۔ پھر ملکہ چلی گئیں سُنا کہ موتی کی ٹوپی اور کچھ اور بھی پیش کیا تھا۔ مسس جاوالا پر خوب رائے زنی ہو رہی تھی۔ یہ سُنکر شہزادی صوفی کی طرف مخاطب ہو کر میں نے اتنی اونچی آواز سے کہا کہ اردگرد کے سب لوگ بخوبی سُن سکیں۔ کہ اس طرح ہار پہنانا ہندوستان میں بالکل معمولی رواج ہے۔ البتہ ملکہ کو پہلا تجربہ ہوا ہوگا۔ مگر بادشاہ ہندوستان گئے تھے۔ تب لوگوں نے سینکڑوں دفعہ ہار پہنائے ہونگے۔ کئی ایک نے پھر کر دیکھا۔ میری خوشی تھی کہ لوگ سُنیں۔ اور مسس جاوالا کی حرکت کو محض مہمل نہ سمجھیں۔ اس واقعہ کے بعد ملکہ ٹہلتی ہوئی آرہی تھیں۔ دونوں طرف سے لوگ ہٹ گئے۔ ہم راستہ سے ذرا ہٹ کے ٹھہرے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سیدھی ہماری طرف بڑھیں اور نہایت شگفتہ جبینی سے ہمارے پاس سے آکے مُسکرائیں۔ اور ٹھہر کر عطیہ بہن سے اور مجھ سے باتیں کرنے لگیں۔ پہلے تو کہنے لگیں کہ تم لندن میں ہونا پسند کرتی ہو۔ آج موسم اچھا ہے۔ جواب۔ جی ہاں

چار وغیرہ مطلب یہ کہ انواع واقسام کی نعمتیں مہیا تھیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیشہ بادشاہ کی دعوتی میز پر نفیس نعمتیں چُنی رہتی ہیں اور ہم کو بھی تین وقت کے تجربے سے ثبوت مل گیا۔ ان تین خیموں کے سوا اور بیشمار میزوں پر لوگوں کے لئے ناشتا چُنا ہوا تھا اور جہاں تک مجھے معلوم ہے سب نے کھایا۔ ناشتے کے بعد کتنے لوگ وِنڈ سر محل ملاحظہ کرنے کے لئے گئے۔ سُنتی ہوں کہ چند کمرے دکھاتے ہیں ناشتے سے فراغت پا کے ہم باہر آئے۔ اسوقت نرالا ہی رنگ دیکھا۔ دُور سے ایک بُڑھی پارسی بی بی کسی پارسی کا ہاتھ تھامے ہُوئے آرہی تھیں۔ عطیہ نے پہچانا کہ مس جاوالا ہے وُہ ضعیفہ اسی جگہ گئی۔ جہاں سب رئیس پیشتر کھڑے تھے۔ ہم دونوں نے بخوبی تمام تماشا دیکھا۔ وہاں کچھ دیر ضعیفہ کھڑی رہیں۔ انکی پیرانہ سالی پر سر کرزن نے رحم کھا کر چوکی دی کہ بیٹھ جائیں۔

ان کے ہاتھ میں گلدستہ تھا۔ ہم سب کو اشتیاق ہوا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ عطیہ ہی نے کہا کہ میں انکو جانتی ہوں۔ شہزادی صوفی آدمیں اس کے سر ہوئے۔ کہ پُوچھکر آ کیا معاملہ ہے۔ یہ بھی سُنا کہ کوئی موتیوں کی ٹوپی ملکہ کو پیش کرنیوالی ہیں۔ تو ہم نے خیال کیا کہ اس بہانے سے دیکھ لینگے۔ عطیہ گئی اور اُن سے باتیں کیں۔ دو چار انگریز عہدہ دار انکے اردگرد تھے۔ ہم نے ٹکٹکی باندھی۔ کہ اگر موقع ہو۔ تو ٹوپی دیکھیں۔ تھوڑی دیر بعد عطیہ بہن آئیں۔ اور یہ قصہ دُہرایا۔ کہ رئیسوں کے بعد اس ضعیفہ کو ملانے والے تھے۔ مگر آتے آتے انکا موٹر ٹوٹ گیا۔ اس لئے دیر ہوگئی۔ اور اُن سے کہا گیا۔ کہ اب بادشاہ اور ملکہ ملاقات نہ کرسکینگے۔ پس یہ سُننا تھا کہ مس جاوالا نے نا اُمیدی میں واویلا کرنا شروع کردیا۔ کہ میری زندگی

خوشی سے منظور کیا - ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں - شاہی علاقہ داروں سے چونکہ جان پہچان ہوگئی تھی اِن سے بھی ملے - اسی اثنا میں "خدا بادشاہ کو سلامت رکھے" (گاڈ سیو دی کنگ) بجنے لگا - فوراً سر کرزن نے ہم سب رئیسوں کو قرینے سے الگ کھڑا کر دیا اور سواری آنے لگی - نہایت شوق سے سب دیکھتے تھے - اور شاہی گروہ کی ہر ادا اور حرکت - چہرہ - لباس - طرز - غرض ہر چیز پر ہر سمت نکتہ چینیاں ہوتی تھیں - جسکو سُننا لطف خیز تھا - سب سے پہلے سفیروں سے ملے - ہوتے ہوا تے رئیسوں کی نوبت آئی - دو تین راجہ پہلے ملے - بعد حضور ادر بندی - بادشاہ سے ملنے کے بعد کوئین کی طرف بڑھے - حسب معمول خوبصورت اور مہربان معلوم ہوتی تھیں - انکی ملاقات کے بعد ہم اپنی اپنی جگہ پر آگئے - اور اوروں کا تماشا دیکھنے لگے - ہر طرح سے لوگ دیکھنے کی ہوس میں اپنے تئیں سب سے آگے ڈال رہے تھے - تھوڑی دیر بعد یہ رسمی طریقہ ختم ہوگیا - بادشاہ اور ملکہ اپنے مہمانوں سے دوستانہ رِلنے مِلنے اور بات چیت کرنے لگے - اِدھر اُدھر ٹہلتے تھے اور خندہ جبینی سے ملتے تھے - ناشتے کے لئے اراکینِ خاندانِ شاہی درمیانی خیمے میں بیٹھے - اور ہمارے لئے جو خیمے لگائے گئے تھے اُن میں صرف خاص کے علاقہ کے لوگ ہم کو لے گئے - تمام میز خالص سونے کی چیزوں سے لدی ہوئی تھی - بڑودے کی ریاست کا ٹھاٹھ یاد آگیا - دودھ دان شکر دان - چمچے چھریاں سب ٹھوس سونے کی اس قدر وزنی معلوم ہوتی تھیں کہ اُٹھانا مشکل - اور چینی بھی اعلیٰ درجہ کی تھی - حضور کے سوا تین رئیس اور اس خیمے میں موجود تھے - اور سکم کا راج کمار جو چینی لباس میں تھا - ناسی کا جبہ اور عجیب ٹوپی پہنے تھا - عُمدہ پھل - اعلیٰ مٹھائی اور عُمدہ نارنگی کا شربت کافی

سب خوبصورت لباسوں سے ملبس تھے۔ مگر ایسکٹ کی ہمسری نہیں ہوسکتی۔ مقررہ وقت پر شاہی خاندان کا جلوس محل سے نکل کر دو رویہ مہمانوں کی صف کے درمیان سے گزرتا ہُوا۔ اس خیمے میں جانے والا تھا۔ تمام خلقت اس کی منتظر تھی۔ تقریباً ہر قدم پر کوئی نہ کوئی آشنا سا ملتا تھا۔ جہاز کے ہم سفر دونوں بشپ اور اُنکی بیبیاں ملیں۔ ہندوستانی رئیس بھی موجود تھے۔ اُنکے لباسوں سے ذرا مجلس کی چمک تھی نیپالی زمرہ نرالا ہی ہے۔ موتیوں کی واسکٹیں پہنے ہُوئے تھے۔ سب کے سب فوجی لباس میں تھے۔

لارڈ جارج ہملٹن (جو ایک وقت میں وزیر ہند تھے) کی لیڈی صاحبہ نے ہندوستان کی بہت سی باتیں کیں۔ دوستوں سے ملتے ہُوئے جان پہچان کرتے ہُوئے خوش گپیاں اُڑاتے ہُوئے سرکرزن وائلی کی ہدایت کے موافق جہاں خیمے لگے ہُوئے تھے۔ اس کے قریب قریب چلے۔ کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ لوگ اس طرف آئیں۔ جب شاہی گروہ آئے گا۔ تو پہلے رئیسوں سے ملنا ہوگا۔ بعد میں دُوسرے ملینگے۔ شاہی خیمہ کے نزدیک دُوسرے دو خیمے لگے ہُوئے تھے جو خاص رئیسوں کے لئے تھے۔ اس میں ایک نیپال والوں کے واسطے مقرر تھا اور ایک ہم سب دُوسرے رئیسوں کے لئے۔ لوگوں کے گروہ سے ہوتے ہُوئے شاہی خیمے کے روبرو گھانس پر ہم پہنچے۔ یہاں تمام الگ الگ سلطنتوں کے سفیر کھڑے تھے۔ اور نیپال والے۔ کوچ بہاری ٹونی راجکوٹ کے ٹھاکر صاحب وغیرہ تھے۔ تھوڑا سا وقت باقی تھا۔ تو آپس میں ملنے جُلنے لگے۔ حضور نیپال کے مہاراج سے ملے۔ اور مجھ سے بھی تعارف ہُوا۔ اچھی طرح اُردو بولتے ہیں۔ میں نے اپنی دستخطی کتاب میں نام لکھنے کی خواہش ظاہر کی انہوں نے

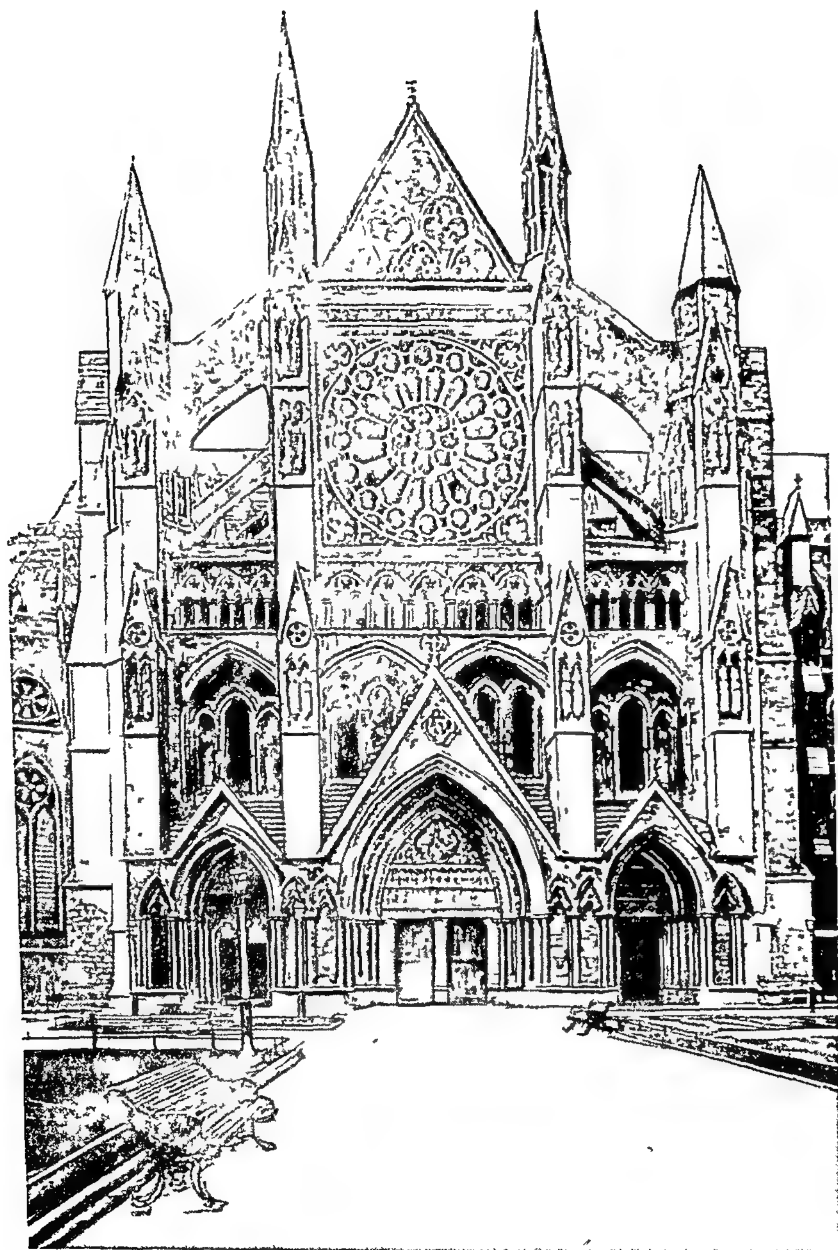
پر رہے۔ ہم بھی اِدھر اُدھر گاڑی کے لئے دیکھ رہے تھے۔ اِتنے میں ایک شخص آیا اور حضور کو پہچانکر ایک عمدہ گاڑی جو الگ کھڑی تھی لایا۔ اور ہم سوار ہو کر چلے۔ شاہی باغ سے گزر کر ایک حصّے پر گاڑی رُکی۔ اور ہم اُتر کر اس جگہ گئے جہاں مہمان اپنے لبادے اُتار کر رکھتے تھے۔ ہم نے بھی چل کر کلوک اتارے۔ ہنوز ہم وہاں سے باہر آئے بھی نہیں تھے۔ کہ کسی نے آواز دی۔ مَیں نے پھر کر دیکھا کہ لیڈی جرسی ہیں۔ بڑے تپاک اور گرمجوشی سے ملیں۔ لارڈ جرسی سے بھی ملاقات ہوئی۔ لیڈی نارتھ کوٹ کے متعلق دریافت کیا۔ معلوم ہُوا کہ اچھی ہیں۔ گویا مہمانوں کا دریا اُمنڈ رہا تھا۔ ہزاروں موجود تھے۔ ونڈسر محل ذرا بلندی پر واقع ہے۔ اس کے اِردگرد سبزہ اور باغ دیکھ کے جی باغ باغ ہو گیا۔ محل سے لگا ہُوا بہت بڑا چبوترہ ہے۔ اور اس چبوترے کا زینہ نیچے باغ تک پہنچتا ہے۔ بہت ہی وسیع پارک ہے۔ جو اس موسم میں زمرد کے ٹکڑے کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ رونق دار منظر ہے۔ صبح کا تمام غبار دُور ہو کر چمکتی دُھوپ نکل آئی تھی۔ اور ہوا بھی خوشگوار اور ہلکی سرد تھی۔ زینے کے مقابل کوئی تین سو قدم کے فاصلے پر بادشاہ اور شاہی خاندان کے لئے خیمے نصب کئے تھے۔ اسکے سامنے ایک شامیانہ لگا ہُوا تھا۔ اِس شامیانے کی ہمیشہ نہایت تعریف لکھی جاتی ہے مگر مجھے کوئی خاص انوکھی بات نہیں معلوم ہُوئی۔ معمولی چاندی کے ستونوں پر کسی قسم کی سُرخ جھالر دار چھینٹ لگی ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ چیز بادشاہ اپنے ساتھ ہندوستان سے شوق سے لائے تھے۔ زینے سے خیمے تک پہنچنے کے لئے کوئی پچاس قدم چوڑی گھانس کی صاف روش تھی۔ اور اس کے دونوں جانب مہمانوں کی صف جمی ہُوئی تھی۔ کوئی چوکیوں پر متمکن تھے۔ کوئی کھڑے تھے۔ کوئی ٹہلتے تھے۔ سب کے

لوگوں کے کلام کا اثر ہوتا ہے۔ اور پھر بہتری ہوتی ہے۔ اُنہوں نے اس بات کو کچھ اس طرح سُنا کہ معلوم ہوتا تھا کہ پسند آئی۔ مَیں نے اپنی دستخطی کتاب میں بھی لکھوا لیا۔ رات کو کھانے کے بعد بھائی محسن کے ہاں گئے۔ چونکہ اُنہوں نے بلایا تھا۔ خوب مزیدار وقت گزرا۔

۲۰ جون ۱۹۰۸ء جلد لنچ کھا کر تیار ہو گئے۔ اور شاہی گارڈن پارٹی میں ریل سے ونڈسر کیسل کیطرف چلے۔ ابر اور ہوا بند ہونے سے بارش کا خوف تھا۔ اس لئے مناسب وقت لباس پہنے۔ ریل گاڑیوں کا خاص انتظام تھا۔ جن میں سوائے اوّل درجہ کے اور درجے تھے ہی نہیں۔ نو ہزار دعوتیں دی گئیں۔ اور اخباروں سے معلوم ہوا کہ سات ہزار لوگ شریک تھے۔ ہر دس منٹ کے بعد سپیشل گاڑی روانہ ہوتی تھی۔ اس حالت میں پولیس کا کیا انتظام ہو سکتا ہے۔ مگر پھر بھی قابلِ تحسین ہو۔ کہتے ہیں کہ روئے زمین کی کوئی پولیس اس پولیس کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ اور یہ بات عام طور پر مانی ہوئی ہے۔ سٹیشن پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے تھے۔ ہم اپنے درجہ میں بیٹھ گئے۔ اور سیر کرتے ہوئے۔ نظارہ دیکھتے ہوئے چلے۔ جہاں تک نظر پہنچا و سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا آدھے گھنٹے میں منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ اس موقع پر سینکڑوں گاڑیاں بادشاہ کی طرف سے مہمانوں کی خدمت میں حاضر رہتی ہیں۔ جتنی موجود ہیں۔ اتنی گاڑیاں خاص شاہی ہوتی ہیں۔ اور انکے علاوہ ونڈسر شہر میں جتنی گاڑیاں بہم پہنچ سکتی ہیں۔ وُہ بادشاہ اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ انکی شناخت کی علامت یہ ہے۔ کہ کوچبان کے بازو پر سُرخ فیتہ ہوتا ہے۔ مہمان ریل سے اُترتے ہی گاڑی پکڑنے دَوڑتے ہیں۔ بہت سے پیدل بھی چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ محل دو یا تین منٹ کے فاصلے

تھے۔ میز پر پھل ایسے تھے کہ شاہی میز پر بھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ شفتالو اتنے بڑے کہ دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔ اِسی طرح انگور۔ سٹرابیری وغیرہ بھی عمدہ۔ کھانا بھی پُر تکلف۔ ایک نیا طریقہ دیکھا۔ یعنی سب سے پہلے خربوزہ دیا گیا۔ پھر کھانا تقسیم ہوا۔ گلاب کے پھول نہایت عمدہ اور خوشبودار تھے۔ تمام کمرہ مہک گیا۔ خاصکر سُرخ گلاب بہت ہی اچھا۔ ساڑھے آٹھ بجے کھانا شروع کیا تھا۔ گیارہ بجے ختم ہوا۔ غرض یہ کھاتے کھاتے تھک گئے۔

۱۹۔ جون ۱۹۱۱ء | صبح جا کر میں ویسٹ منسٹر ابی دیکھ آئی۔ نہایت شاندار عمارت ہے۔ ہنری ہفتم کے گرجا کی چھت واقعی لاجواب ہے نہایت عمدہ کاریگری دکھائی ہے۔ مغربی جانب کے داخلہ پر جہاں سے ہم داخل ہُوئے۔ نہایت عمدہ کام کیا ہوا ہے۔ داخلے کے کمرے میں بڑے بڑے ناموروں کی یادگاریں اور تماثیل بنی ہُوئی ہیں۔ اس قسم کی سینکڑوں نشانیاں موجود ہیں۔ مثلاً گلیڈسٹون۔ بیکنزفیلڈ۔ رابرٹ پیل وغیرہ وغیرہ یہاں دفن ہیں۔ ناموری یہاں بھی۔ اس جگہ دفن ہونا خاص عزت سمجھی جاتی ہے۔ اور جو ایسے ہی نامی گرامی ہوتے ہیں۔ اِن ہی کو یہ حق دیا جاتا ہے۔ نماز کے وقت چرچ میں باجا بجتا ہے۔ کمرہ بھی نہایت آراستہ ہے۔ عمارت کا ایک حصہ ہے جسکو شاعروں کا گوشہ کہتے ہیں۔ وہاں انگریزی مشہور و معروف شاعر مثلاً ڈرائڈن۔ چاسر۔ لانگ فیلو۔ سپنسر۔ ملٹن وغیرہ وغیرہ پیوند زمین ہیں۔ اس عمارت کے مختلف حصوں میں مختلف درجے کے نامی لوگ دفن ہیں۔ ہم پھرتے ہُوئے ایک جگہ پہنچے۔ جہاں ایک سکاچ ملا صاحب ملے۔ اُنہوں نے ہمارا پُورا انتظام کر دیا۔ کہ ہم سب تاریخی حالات کے ساتھ ہر کمرے کو دیکھیں۔ چنانچہ ایک ملا صاحب کے ہم سپرد ہُوئے۔ آج کے دن خاص آبی دیکھنے کو لوگ آتے ہیں۔ اسی لئے یہاں کا دستور ہے کہ پندرہ بیس آدمی جمع ہو گئے



منزل پر گئے۔ ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ شاہی محلات میں کسی اچھے سے عہدے پر ممتاز ہیں۔ ان کا نام سر فریڈرک تھا۔ جہاں سے ہم لوگ کھانے کے کمرے میں گئے۔ اسی کے اگلے حصے میں بادشاہ کی نشست گاہ تھی۔ چوڑے برآمدے کے ساتھ ہی ایک قسم کا جھروکہ بنا ہوا تھا۔ اس میں ملکہ تھیں۔ کوئی بیس پچیس قدم کا فاصلہ ہوگا۔ کھانے کے کمرے میں بہت سی میزیں تھیں۔ اور ان پر عمدہ پھل مٹھائیاں وغیرہ چنی ہوئی تھیں ان میں سے ایک میز پر ہم بیٹھے اور چند عہدہ دار بھی تھے۔ ہم نے کچھ ذرا سا کھایا اور باہم آکے کافی پی۔ کافی نہایت عمدہ تھی۔ ہم کھڑے تھے۔ وہیں سونے کا بھالا رکھا ہوا تھا۔ جو بادشاہ کی طرف سے جیتنے والے گھوڑے کو ملتا ہے۔ جاتے وقت حضور نے سر فریڈرک کا شکریہ ادا کرنے کو سر کرزن سے کہا تو انھوں نے فوراً کہا کہ بادشاہ کے حکم سے آپ لوگ یہاں بلائے گئے ہیں۔ اور انکے مہمان ہیں۔ پھر حضور نے اور شکریہ ادا کیا۔ ملکہ کو ہم نے خوب دیکھا۔ ایک شرط اور باقی ہے۔ اس لئے دوبارہ ہم اپنی جگہ پہنچکر دیکھنے لگے۔ جب سب ہو چکا تو ہم اپنے موٹر کی طرف چلے۔ وہاں اس کا پتہ بھی نہ تھا۔ اس لئے سر کرزن نے باغ میں ایک اچھی سی جگہ پر ہم کو بٹھایا۔ اور وہ آپ اور بھائی موٹر کی جستجو میں گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں سر کرزن اور بھائی واپس آکے سایہ میں بیٹھ گئے۔ یہاں رواج ہے کہ ہری گھانس کے قطعوں پر جا بجا فاصلے سے بڑے بڑے چھاتے لمبے ڈنڈے کے سہارے گاڑ دیتے ہیں۔ اور اس کے نیچے آرام کے لئے بید کی چوکیاں یا لکڑی کے بینچ رکھتے ہیں۔ یہاں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ آدھے گھنٹے کے بعد موٹر ملا اور ہم سوار ہو کر چلے۔

ذرا آرام لیا پھر مس سابون کی دعوت میں گئے۔ پندرہ سولہ مہمان پہلے سے موجود

عطیہ بہن کو اور مجھے ایک جگہ ٹھہرا کر حضور اور بھائی نزدیک کے زینے سے چڑھ کے
اوپر گئے۔ وہاں ان لوگوں کو اطمینان ہُوا تو آ کے ہم کو لے گئے۔ مگر اس وقت میں نے
دیکھا کہ جو لوگ وہاں موجود تھے۔ ان کے سُرخ بروچ لگے ہُوئے تھے۔ اور ہمارے
سبز رنگ کے تھے۔ مَیں نے عطیہ سے کہا کہ ضرور اس کی کوئی وجہ ہو گی۔ ہنوز یہ الفاظ
میرے مُنہ سے باہر نکلے ہی تھے۔ کہ سر کرزن وائلی وغیرہ آئے۔ اور میرا قیاس درست
نکلا۔ کیونکہ ہم کو بالکل الگ جگہ پر لے گئے۔ جسے روئل انکلوزر کہتے ہیں۔ ایک نہایت
وسیع زمین کا ٹکڑا ہے۔ جس کے اطراف میں حدیں بنالی ہیں۔ اس کے اندر ایک بڑا
سٹینڈ ہے اور ایک چھوٹا جو خاص بادشاہ اور شاہی خاندان کا ہے اور اس میں شاہی
محل کے بڑے بڑے اہلکار اور بہت ہی تھوڑے اور چیدہ لوگ بُلائے جاتے ہیں یعنی
وہاں صرف اُن ہی کو آنے کا حق حاصل ہے۔ اور ان کے علاوہ وُہ خاص خاص
لوگ جنکو از راہ الطاف بادشاہ کی طرف سے جگہ دیجاتی ہے۔ بادشاہ اور شاہی
خاندان کی جگہ نیچے ہوتی ہے۔ دُوسرے لوگوں کی اور جو مدعو ہوتے ہیں۔ ان کی
جگہ پہلی منزل پر ہوتی ہے۔

اس جگہ سر کرزن ہم کو لیگئے۔ یہاں جانے کا راستہ ہی الگ تھا اور شاید کوئی
تنو کرسیاں رکھی ہونگی۔ اس علاقہ میں بھی بارہ کُرسیاں الگ قسم کی تھیں۔ وہاں لیجا کر
سر کرزن نے ہمیں بٹھایا۔ جہاں مہاراجہ کوچ بہار وغیرہ بھی تھے۔ ہم خوب تماشا
دیکھنے میں مصروف رہے۔ دن بھی بہت ہی خوش آیند اور روشن تھا۔ سردی بھی
دلپسند تھی۔ بیبیوں کے لباس تھے۔ اہاہا۔ واقعی اسکٹ کے لئے یہ لوگ اپنے
تئیں لٹا دیتے ہیں۔ اور اس موقع کے لئے خاص لباس تیار کراتے ہیں۔ بالکل ہمارے

رُکتے نہیں - جانتے ہی ہیں - ہم نے اپنے ساتھ تھوڑے سینڈوچ احتیاطاً رکھ
لئے تھے۔ تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں - پونے گیارہ بجے ہوٹل سے چلے اور
ٹھیک سوا دو گھنٹے کے بعد منزل طے کرتے ہوئے آخر ایک ایسی جگہ پہنچے - جہاں
ہماری گاڑی اندر داخل ہوئی - ہم سب نے اپنے اپنے اجازتی تمغے پہن لئے تھے -
حد معینہ تک گاڑی جا سکی - پھر ہم کو اُترنا پڑا - تمام راستہ دونوں طرف سرسبز کھیت
اور خوبصورت گھاس سے مخملی ہو رہا تھا - خاص شہر لنڈن سے نکلتے ہی اردگرد
تمام ملک پر عجیب رونق برس رہی تھی - خوشرنگ زرد پھولوں سے اور زیرے کے سفید
پھولوں سے ہر میدان چمک اٹھا تھا - ویند سر محل کے قریب قریب سرو کے عجیب و غریب
جنگل دیکھے - کتنی قسم کے سرو ہو سکتے ہیں - !!! آنکھیں روشن اور دل خوش ہو گیا جس وقت
ہم نزدیک پہنچے - اس وقت گاڑی قطار میں پڑ گئی -

ایسکوٹ میں ایک یہ چیز بھی دیکھنے کی ہے - کہ بادشاہ کی سواری کس حشم سے آتی ہے -
اگر اس قطار میں اتنی دیر نہ پڑے جاتے تو ضرور ہم تمام گزر دیکھ سکتے - کیونکہ ٹھیک وقت
پر پہنچے تھے - پولیس نے ہمارے اجازتی تمغے دیکھے اور سب کام بنگیا - اور یہ معلوم کرنے
سے کہ پرنس آف جنجیرہ کی سواری ہے - بات بنگئی - اور ہمارے موٹر کو فوراً الگ کر دیا -
آسانی رستہ طے کر لیا - اور روک ٹوک بہت ہی کم کہیں کہیں ہوئی - مگر ویسی آفت کی
نہیں ہوئی - جہاں تین میل کی گاڑیوں کی قطار لگ گئی ہو - وہاں رکاوٹ نہ ہونا
لنڈن کی نادر پولیس کے بھی امکان سے باہر ہے - دو پھاٹک تھے ایک میں سے گزر
کر اندر چلے - باغ بہت بڑا تھا - اس کو طے کر کے ایک عمارت تھی - اس میں سب
داخل ہوئے - وہیں چلے گئے - سر کرزن کو نہیں دیکھا تو ہم ہچکچائے کہ اب کیا کریں -

ایک خفیف تجربہ ہوا۔ سو لکھتی ہوں۔ حضور نے ایک عمدہ آفتابی خریدی اور ایک روز ناٹک
میں گئے تو گاڑی میں رہ گئی۔ ہم اس پر فاتحہ پڑھ چکے اور سمجھے کہ ملنا ممکن ہے۔ ہوٹل
پہنچکر دربان سے ذکر کیا (کہ جسکو حلاّل مشکل کہیں تو بجا ہے۔ کیونکہ سب مشکلوں کو حل
کرنا اس کا کام ہے) اور از ہر سے بھی کہا تو اُس نے پُوچھا کہ کوئی خاص نشانی ہے؟
ہم نے کہا کہ خاص نشانی تو کیا ہوتی۔ مگر اس میں شیشہ کی قلم تھی۔ جس نے سُنا اس نے
یہی کہا کہ ضرور مل جائیگی۔ بے فکر رہیں۔ خیر قصّہ مختصر۔ دُوسرے روز از ہر سکاٹ لینڈ یارڈ
میں گیا اور لے آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کا ایسا قاعدہ ہے کہ ہر کیب بان کو یا موٹر بان
کو یا گارڈ کو جس کسی کو کچھ بھی بھم پہنچا ہو تو وُہ لوگ یارڈ میں پہنچا دیتے ہیں۔ اگر مالک وہاں
جاکر دریافت کرے تو تھوڑی سی فیس دیکر اس کی چیز اس کو مل جاتی ہے۔ کیب بان وغیرہ
کا ایماندار ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہاں نیک نامی پر سب کچھ منحصر ہے۔ اگر نام بگڑا تو
فاقہ کشی سے مرنے کی نوبت آجاتی ہے عجائب کارخانہ ہے۔ اِتنا کہنے کے سوا
نہیں رہ سکتی کہ علی العموم لوگ قاعدوں کے معقول پابند ہیں۔

۱۸۔جون ۱۹۰۸ء کل کا تمام دن مینہ کی وجہ سے ایسا خراب گزرا کہ ہم نے طے کر لیا
کہ اگر ایسا ہی دن ہو گا تو ہر گز نہ جائینگے۔ مگر تجربہ کاروں کا خیال تھا کہ اگلے دن کا
ایسا ہونا عین خوش نصیبی ہے۔ کیونکہ ہر وقت صاف اور کُھلی ہوا ہو گی۔ غرضکہ صبح کو مینہ
تھا نہ ابر۔ دُھوپ سے سارا شہر چمک اُٹھا تھا۔ نیک آثار دیکھ کر ہمارا شوق تیز ہوا۔
اور موٹر میں چلنے کا انتظام کر لیا۔ اچھی فاخرہ پوشاکیں پہن لیں۔ کیونکہ یہاں زیادہ
تر بیبیوں کا جمگھٹ ہوتا ہے۔ اور فیشن کے مرید لباسوں کی نمائش کی غرض
سے موجود ہوتے ہیں۔ خواہ دھوپ ہو یا بارش۔ وُہ لوگ کسی صورت یا حالت میں

اور تمثیل انتظام ہے کہ واہ واہ۔ مصری کمرے میں مومیائی دیکھ کر لطف آیا۔ یہ مُردے کیسے انوکھے ہیں۔ ایک ہاتھ صرف رکھا ہُوا ہے جس کے ناخن مہندی سے سُرخ ہیں۔ کوئی چار ہزار سال کا یہ ہاتھ ہوگا۔ اس زمانے کے زیورات دیکھ کے تعجب ہوا۔ آجکل بھی ہندوستان کے بعض ملکوں میں اس قسم کے زیورات پہنتے ہیں۔ ڈھائی گھنٹے سیر کی مگر سچ پوچھو تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ وہیں چا پی لی۔ اس مُلک میں کھانے پینے کی سہولیت پر تحسین کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کہیں بھی دُور نزدیک سیر تفریح یا کام کاج کے لئے جاؤ تو کھانے پینے کی ہرگز دقت نہیں ہوتی۔ ہر جگہ لنچ چا سب ہی کچھ میسّر آسکتا ہے۔ اور اس بات کا اطمینان حاصل ہونے سے ہر کام کو بخوبی پُورا کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں ان باتوں کی ویسی سہولیت نہ ہونے سے ہزاروں تکلیفیں ہوتی ہیں اور کھانے پینے کی فکر میں کوئی کام پُورا نہیں ہو سکتا۔ خوراک کے لئے یہانتک انتظام ہے۔ کہ جہاں ذرا بھی تعلق طلبا سے ہے وہاں خاص طور پر سب خوراک عمدہ اور بالکل ارزاں مل سکتی ہے۔

یہ بات شاید میں نے پیشتر نہیں لکھی ہے۔ کہ سرکزن وائلی خاص باتوں کے لئے ہمارے واسطے معین ہیں۔ ہر کسی کی ملاقات یا تاریخی اشیاء کو دیکھنے کی صرف خواہش کرنے کا کام ہمارا ہے اور انتظام موجود۔ بلکہ کتنی چیزیں تو یُوں ہی اپنے آپ بے خبری سے معین ہو جاتی ہیں۔ مثلاً شاہی بال۔ شاہی گارڈن پارٹی۔ ونڈسر محل پر جو ۲۲۔ مارچ کو گارڈن پارٹی ہونے والی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور الیکٹ رائل کے شاہی حصّے کے تمغوں کا آنا۔ یہ سب بندوبست در بارے یُوں ہی آگیا۔ ہَوا صاف رہی تو انشاء اللہ ضرور چلینگے۔ یہاں کے پولیس کے انتظام کا مجھ کو

شکریہ ادا کرکے گاڑی میں دوبارہ سوار ہو گئے۔ اور ہوٹل میں پہنچکر حضور کو سوار کرا لیا۔ اور مسٹر ٹاٹا کی دعوت لنچ میں شریک ہوئے۔ وہاں چند معزز مدعو تھے۔ جن میں مسٹر کروفٹس بڑے پینٹر اور روائل اکاڈمی کے محافظ ہیں۔ وہاں فادر واں کے وعظ کے متعلق ذکر رہا۔ بعض کا ایسا خیال ہے کہ یہ صاحب وعظ کہنے اور تقریر کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ مگر ایسے شخصوں کے لئے اختلاف رائے ہونا یقینی بات ہے۔ سُنا ہے کہ ان کی پانچ بہت خوبصورت بہنیں ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں۔ اور نن بنگئی ہیں۔ یہ لوگ آئرلینڈ کے پُرانے سے پُرانے خاندان کی نسل سے ہیں۔ اور ہزار سال سے ایک ہی جگہ رہتے ہیں۔

مسٹر ٹاٹا کے باغ میں نہایت عمدہ پھول اُگے ہیں۔ انکے درمیان روشوں پر میں اور مس سامیوئل جتنی دیر تک رہے۔ ساتھ ٹہلتے رہے۔ اثنا گفتگو میں اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ہندوستان لوٹ کر آپکا ارادہ ہے کہ اپنا روزنامچہ چھپوائیں۔ میں نے کہا ہاں ہے تو سہی۔ شاید چھپ جائے۔ اُنہوں نے بہت اصرار سے خواہش ظاہر کی۔ کہ انگریزی میں ترجمہ ضرور کرانا۔ تاکہ ہم بھی پڑھ سکیں۔ آپ کے خیالات پڑھنے کے قابل ہونگے۔ میں اپنے دل میں ہنسی کہ مجھ سے یہ کام کیونکر ہو سکیگا۔ خیر بھی عبارت [illegible] تھوڑا سا وقت گزرا اور واپس آگئے۔

۱۵- جون ۱۹۰۸ء | شکر ہے کہ آخر میں نے برٹش میوزیم دیکھ لیا۔ [illegible] ذکر پڑھا تھا۔ اور دیکھنے کا شوق تھا۔ ان سب کو بخوبی دیکھا۔ [illegible] تھیں۔ مگر انکی معلومات محدود ہونے سے [illegible] جاتے تو آتا۔ کتب خانہ عجیب چیز ہے۔ [illegible]

کو چھڑانا چاہتے ہیں۔ تو عاقبت میں بہشت کی کیسے اُمید رکھ سکتے ہیں۔ خدا نے عورت اور مرد کو شادی کی پاکیزہ شرائط سے باندھا ہے اور بڑے مطلب سے باندھا ہے۔ انسان کی کیا مجال کہ اسے توڑ ڈالے۔ پڑھنے والے جانتے ہونگے کہ انگریزوں میں طلاق نہیں اور شادی کے وقت یہ کلام پڑھا جاتا ہے۔ "میں نے تجھ کو منظور کیا خواہ تو بے حد امیر ہے یا حد سے زیادہ فقیر خواہ تو تندرست ہے یا بیمار اور پھر یہ کہ خواہ تو بہتر سے بہتر ہے یا بدتر سے بدتر۔ اسوقت تک کے لئے جبکہ موت ہم کو جدا کر دے۔ خدا کی جوڑی ہوئی چیز کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔"

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ جب شادی ہو گئی تو پھر کسی بہانے سے چھوٹ نہیں سکتی۔ تسلیم کرنا چاہئے یہاں تک کہ دونوں میں سے ایک مرجائے۔ اور اگر الگ ہوئے تو دوسری شادی نہیں کر سکتے۔ اگر کسی کمبخت نے کی تو وہ جائز نہیں۔ یعنی یہ اصل حضرت عیسیٰؑ کے اصُول یا شرعی قانون بندھے ہوئے ہیں۔ مگر ہنری ہشتم کے لئے پوپ نے اجازت دی تھی۔ سو کسی نے کاش اس وقت فادر کو یاد دلایا ہوتا۔ خیر اب سول لا نے طلاق اور دوسری شادی اور سبھی کچھ روا رکھا ہے۔ اس کی برائیوں پر خاص طور سے فادر وان نے وعظ کہا۔ سچ کہتی ہوں۔ ایسے موثر اور شائستہ لہجے میں اس نازک مسئلے کو چھیڑا کہ ممکن نہیں اثر نہ ہو مطلب پورا ادا کیا اور اس قدر موزوں لفظوں میں ادا کیا کہ کسی قسم کی بیچیدگی یا اُلجھن نہ ہوئی۔ چہرہ۔ وضع۔ لفظوں پر زور۔ ہر چیز مناسب تھی۔ ہاتھوں کے اشارے بھی بیسیوں مطلب فوراً واضح کر دیتے تھے۔ بیس پچیس منٹ تک بہت اچھی طرح بیان کیا۔ کئی بیبیوں پر بہت ہی اثر ہوا۔ مختصر یہ کہ عجیب منظر تھا۔ حیرت ہے کہ کوئی بیہوش نہ ہو گئی۔ وعظ ختم ہونے کے بعد لیڈی برمروز ایک اور مختصر

سالگزشتہ سے بہت ہی نامور ہوگئے ہیں۔ موجودزمانے کی برائیوں پر ایسی ایسی
تقریریں کیں۔ کہ اکثر تو مرید ہوگئے اور بعض بالکل متنفر ہو بیٹھے۔ سوسائٹی کے گناہوں
پر خوب ہی وعظ کرتے رہے۔ چونکہ میں ہندوستان میں انکے حالات پڑھ چکی تھی۔
اس لئے انکے احوال سے بخوبی واقفیت رکھتی تھی۔ اور اسی سبب سے انکو سُننے
کا یہاں آکر زیادہ شوق ہوا۔ اور لیڈی پرمروز کی مہربانی سے بآسانی انتظام ہوگیا۔
جب ہم وہاں پہنچے تو ایک صاحب پیشوائی کے لئے آئے۔ اور راستہ بتاتے
ہُوئے آگے بڑھے۔ اس قدر ہجوم تھا کہ الامان۔ اگر پہلے سے بندوبست نہ ہوتا
تو وہاں تک پہنچنا بڑی ٹیڑھی کھیر تھی۔ اس جم غفیر کے درمیان ہماری گزرگاہ موجود تھی۔
اس لئے بغیر کھٹکے بآسانی اس جگہ جا کر بیٹھ گئے۔ جہاں پر لیڈی صاحبہ نے براہ نوازش
ہمارے لئے انتظام کر دیا تھا۔ ہم سے پانچ قدم پر منبر بنا ہُوا تھا۔ جہاں فادر وان وعظ
کہنے والے تھے۔ پہلے حسب قاعدہ نماز وغیرہ پڑھی گئی۔ عود جلایا گیا۔ اس کے
بعد فادر صاحب منبر پر جلوہ گر ہُوئے۔ اُنکا چہرہ منڈا ہُوا صاف اور رعب و جلال سے
بھرا ہُوا تھا۔ جیسے کہ اکثر اس قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے۔ پہلے نمازوں کے متعلق ہدایت
کی کہ کونسے وقت کونسی نماز پڑھنی چاہئے۔ بہت ہی نازک معاملے پر وعظ کہا۔ کہ آجکل
انگلستان میں شادی بیاہ کی کیا حالت ہے۔ اور عقد کو لوگ بہت ہی حقارت کی نظر
سے دیکھتے ہیں۔ اور کبھی یہ نہیں سمجھتے۔ کہ یہ خاص خدا کی طرف سے ایک بندش عورت
اور مرد کے لئے ہے۔ کہ جسے انسان اپنی ناقابل اغراض کی وجہ سے بآسانی توڑ
نہیں سکتا جیسا اس زمانے میں ہوتا ہے کہ ذراسی نااتفاقی ہوئی اور عورت مرد علیحدہ
ہونے پر آمادہ اور مستعد ہوگئے۔ خدا کے کلام سے قسم کھا کر اس طرح اس گرہ سے اپنے

پائی جاتی ہیں۔ سب موجود ہیں۔ شاید ہی کوئی بڑا آدمی ہوگا۔ جس کو یہ اچھی طرح نہ
جانتی ہوں۔ مگر ذرا بھر غرور یا خودستائی یا بے جا فخر ڈھونڈے سے بھی ان میں نہیں پایا
جاتا ہے۔ بہت ہی معقول ہیں۔ جملہ نیک خاصیتوں کو پورا کرنے کے لئے صرف
ایک ہی لفظ لکھتی ہوں "دلکش" واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ چار جوانان سعادتمند
حاضر ہیں۔ محمد نسیم اگاسکر۔ بھائی مرزا جان۔ اور بھائی ازہر۔ لنچ پر انہیں ٹھہرا لیا۔
اتنے میں ایک باورچی ہندی کھانا لایا۔ اور ہم سب نے بڑے شوق ذوق سے کھایا
پھر ایک کلب میں سب گئے۔ میں تھک گئی تھی۔ آرام لیا۔ یہ لوگ واپس آئے تو عطیہ
اور میں مس سالسون کی خواہش سے انکے یہاں گئے۔ یہودیوں کا خوب مجمع تھا۔
سب نے نہایت اصرار کیا کہ جولائی تک ٹھہر جایئے۔ مزے کا وہی تو وقت ہے بہت
کچھ کہا۔ پیرس بھی جانے کا ارادہ تھا۔ اس لئے ہم اپنے قرارداد اور بندوبست کو بدل
نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ ابھی وہاں کی سیزن اختتام کے قریب ہو رہی تھی۔ ہاں اگر
ہم پہلے پیرس دیکھ کر آئے ہوتے تو اور ٹھہر سکتے۔ خوشی کا وقت گزار کر پونے سات
بجے آ گئے۔ ابھی صرف عطیہ اور میں آئی ہوں۔ بہت سے خط لکھے اور کھانا کھایا۔
حضور وغیرہ ناٹک میں گئے ہیں۔ اب نیند کا غلبہ ہے اور سونے کی تیاری کر کے
عالم خواب میں جا رہے ہیں۔

۱۴۔جون ۱۹۰۸ء | رات حضور الہمبرا میں تشریف لے گئے تھے۔ مادموزل آزیلی
جو اس زمانے میں ناچ میں یکتا ہے۔ اسے دیکھا اور اس کے کمال پر حیرت ہوگئی۔
ٹھیک پونے بارہ بجے لیڈی پرمروز کی ہمراہی اور رہنمائی میں ہوٹل سے چلے
اور رومن کیتھلک کے مشہور و معروف واعظ فادر وان کا وعظ سننے کو گئے۔ یہ فادر

کس درجہ عالی خیالات والی بیبیاں ہونگی۔ جنہوں نے اپنی عزیز زندگیاں ایسے نیک
کام میں بخشدی ہیں۔ بلکہ نثار کردی ہیں۔ آفرین بادریں ہمت زنانۂ تو" شوق ہی سمجھنا
چاہیئے۔ کیونکہ تنخواہ برائے نام سالانہ بیس پونڈ مقرر ہے۔ ایسے اپاہج مریضوں
کی خدمت کرنا اچھا نیک کام ہے۔ اس کے بعد مجھے بچوں کے علاقے میں لیگئے
تاکہ غبار دور ہو۔ اور حقیقت میں چھوٹے چھوٹے صاف ستھرے بچوں کو دیکھنا اچھا
معلوم ہوا۔ بالکل ہی مفلس اور محتاجوں کا شفاخانہ ہے۔ اور زیادہ تر لوگوں کی خیرات
سے چلتا ہے۔ اس کے بعد یہودی مریضوں کے علاقہ میں گئے۔ یہ حصہ تمام یہودیوں
کی خیرات سے بنا ہوا ہے۔ جن میں سے تقریباً سب مس سامویل کے متعلقین ہیں
ان لوگوں کا باورچی خانہ بالکل علیحدہ ہے۔ اور یہاں ان کے ذبیحہ کے سوا کسی قسم
کا اور گوشت آتا ہی نہیں۔ بلکہ خنزیر کا گوشت کبھی نہیں آسکتا ہے۔ میں نے دیکھا
نہایت ہی صاف شفاف تھا۔ کل شفاخانہ صفائی کا نمونہ ہے۔ دیواریں سفید
چینی کی بنی ہوئی ہیں۔ تاکہ ذرا بھر بھی میل چھپ نہ سکے۔ اور ہوا صاف کرنے والی
دواؤں کی بو سے شفاخانہ بھرا ہوا تھا۔ یہ تمام پرحظ معاملہ دیکھتے ہوئے ہم نیچے
آئے مس لوکس کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور گاڑی جو موجود تھی اس میں سوار ہوکر
شہر کے بیچ میں سے چلے۔ اوہو۔ کس قدر بستی۔ دھوم دھڑکا اور گڑبڑ سے بھرپور
کاروبار سے بھرپور یہ حصہ ہے۔ اسے سٹی کہتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح
ان لوگوں کو دم لینے کی مہلت ملتی ہوگی مس سامویل کی دلفریب باتوں میں کچھ اس
طرح وقت گزر گیا کہ ہوٹل کب پہنچے یہ بھی معلوم نہ ہوا۔ مس سامیویل نہایت قابل پر
دماغ عالی نژاد سادگی اور انکساری سے بھری ہوئی ہیں۔ جو صفتیں شریف لوگوں میں

جہاں میں بلا خوف آدھی رات کو تنہا نہ جا سکوں۔ کوئی انگلی بھی نہ لگائے گا۔ سچ کہتی ہوں یہ سنکر ہم نہایت متعجب ہوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں کی حالت اب بہتر ہے اور جو برائیاں نظر آتی ہیں۔ فوراً انکو مٹانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ لیڈی رے اور سر آرتھر میں جو باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نہایت دلچسپی سے سُن رہی تھی۔ سر آرتھر نے کہا کہ چند ہی سال کی بات ہے کہ شراب خواری کی یہاں بہت کثرت تھی۔ اور پی۔ اینڈ او کمپنی کے جہازوں پر یہ نوٹس لگے ہوتے تھے کہ لنچ سے پیشتر کوئی صاحب تیرہ بوتل سے زیادہ بئیر (ایک قسم کی شراب) نہیں پی سکتے۔ اب حالت بدل گئی ہے۔ لوگ شراب کم پیتے ہیں۔ بلکہ سوڈا لیمونیڈ وغیرہ زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اور واقعی میں نے بھی یہ دیکھا ہے کہ کھانے پر بہت تھوڑے لوگ شراب پیتے ہیں۔ ان میں بیبیاں تو بمشکل ہاتھ لگاتی ہیں۔ ہاں اب بیبیوں کو مردوں کے سے کپڑے پہننے اور سگار پینے کا بڑا شوق ہو چلا ہے اور آجکل سفریجٹ[۱] کا زور شور غضب کا ہو گیا ہے۔

مسٹر آرتھر کہتے تھے۔ کہ ایک زمانہ آئے گا کہ کھانے کے بعد عورتیں بیڑیاں پئینگی۔ اور مرد ہاتھ تک نہ لگا ئینگے۔ ان لوگوں کی مستقل مزاجی انہی پر ختم ہے۔ کسی چیز کی برائی دیکھی کہ اس سے دور ہونے کی کوشش شروع کی۔ لنچ کے بعد ہم اوپر گئے۔ میں جو ہدیہ لیڈی رے کے لیئے لائی تھی۔ وہ دیا جسے دیکھکر وہ بہت خوش ہوئیں۔ اور زیادہ تر اس بات سے کہ میں یاد سے لے آئی۔ کس قدر محبت اور مہربانی سے پیش آئی ہیں۔ چند گھنٹے نہایت تفریح سے گزار کر ہم واپس آئے۔ اور بھائی کو لے کر

[۱] وہ عورتیں جو ولایت میں مردوں کے برابر حقوق مانگ رہی ہیں۔

بہت سی نادر آتش بازی چھٹی۔ آدھ گھنٹے میں ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ہم نمائش گاہ سے ہوٹل واپس آگئے۔

ٹھیک ڈیڑھ بجے لیڈی رے کی دعوت میں پہنچے۔ اُنہوں نے نیچے ایک کمرے میں بٹھایا۔ تھوڑی دیر میں اَور مہمان آنے لگے۔ سرآتھر نیسلے۔ لیڈی سلک رک سررچرڈ ہملٹن۔ سرایڈورڈ اور لیڈی بریڈفورڈ اور ایک صاحب تھے۔ جنکا نام ٹھیک خیال میں نہیں ہے۔ ایسے لائق اور جہاں دیدہ لوگ کہ تقریباً سب نے مُدتیں ہندوستان میں گزاری تھیں۔ ادھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر لنچ کے لئے گئے۔ ایسے معلومات والے شخصوں کے درمیان دُنیا بھر کی مزیدار باتیں ہوتی رہیں۔ بیچارے سرایڈورڈ کا ایک ہاتھ نہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔ کونسی لڑائی میں گیا۔ تو انہوں نے کہا شکار کھیلتے شیر نے یہ حال بنایا۔ کوئی ستر برس کی عُمر ہوگی۔ مگر روز بلاناغہ سواری کرتے ہیں۔ ٹونک جاورا۔ بھوپال کی بہت سی باتیں کیں۔ یہ وہاں پولیٹیکل افسر تھے۔ سرایڈورڈ ہندوستان چھوڑنے کے بعد تیرہ سال تک لندن کی پولیس کے سردار تھے۔ دو ہی سال ہوئے۔ خدمت سے علیحدہ ہو کر اب آسائش سے بسر کر رہے ہیں۔ عطیہ نے کہا کہ آپ سے ایک درخواست ہے کہ ہم کو ولایت کے سچے سلمز[۵۱] براہِ عنایت دکھا دیجئے۔ جنکے متعلق ہم نے اتنا پڑھا اور سُنا ہے تو کہنے لگے کہ آپ سُنکر تعجب کرینگے (اُردو ٹھیک بولتے ہیں) کہ ایسی کوئی چیز اب لندن میں باقی نہیں رہی۔ ہاں تیس چالیس برس قبل بُرا حال تھا۔ مگر اب غریب لوگ بھی بہتر ہوتے چلے ہیں۔ اور سلمز تقریباً نابود ہوگئے ہیں۔ یہاں تک کہ آج لندن کی کوئی گلی اتنی خراب اور خوفناک نہیں ہے۔

[۵۱] وہ گلی کوچے جہاں غریب غربا اور چور چکار آباد ہوں۔

کے غلاف تکیوں کے غلاف - سنگھاردان کی پوشش - گردے - پردے وغیرہ -
مطلب یہ کہ جس کا قیاس نہ کر سکو - تمام ایسی اشیار سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہیں - اور بڑے
سے بڑے صندوقوں پر بھی اسی کے غلاف چڑھے ہوئے ہوتے ہیں - آٹھ پاپندرہ
دن بعد بدلنا لازمی ہو جاتا ہے - کیونکہ برف کی سی سفیدی کا ہونا نہایت ضروری ہے -
مہین اور نازک ہونے کے باعث بہت دھل نہیں سکتا ہے - واقعی روپیہ برباد ہوتا
معلوم ہوتا ہے - مگر سب فیشن والا گروہ ایسا ہی کرتا ہے - فیشن کی وبا سے اللہ
ہماری قوم کو بچائے - آمین - بلکہ میری دعا ہے کہ کسی دن ان فضول پابندیوں کا
پرتو ہم پر نہ پڑے اور ہر چھوٹی بڑی چیز میں ان لوگوں کے پیرو نہ بنیں - ورنہ چند روز
میں ہماری مٹی پلید ہو جائیگی - ان میں بھی بہت سے ایسے ہیں جو فیشن کی مصیبت
سے ناراض ہیں لیکن کیا کریں مجبوری ہے - رواج ہی ایسا پڑ گیا ہے - اس لئے
پیشتر ہی ہم کو سوچ سمجھ کر ان چیزوں کا دلدادہ بننا چاہیئے -

اور چیزیں دیکھنے کے بعد ایک جگہ کھانا کھایا - جہاں ہر فرد بشر کے لئے
بارہ شلنگ چھ پنس مقرر تھے - سوڈا وغیرہ زائد چیزوں کی قیمت علیحدہ دینی ہوتی ہے
ہم نے اپنے اردگرد میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا ایسا جمگھٹا دیکھا - کہ حیران رہ گئے
بہت سے ایسے لوگ تھے جنہوں نے آٹھ آٹھ دس دس گنیاں وہیں خرچ کیں کیونکہ
اعلیٰ درجے کی شرابیں بکثرت پی رہے تھے - پیٹ پوجا کونسے درجے تک پہنچی ہے
اس کا خواب وخیال بھی ہونا مشکل ہے - فرانس میں اس سے بھی بڑھکر ہے - کھانے
سے فراغت پا کر آتشبازی دیکھی - اس میں انار ایسے تھے کہ سلگا کر پانی میں پھینک دیتے
تھے - تو وہ ہل ہل کر سیدھے ہو کر چھوٹتے تھے - اور چکر کھاتے تھے - اس قسم کی

بہت سی نادر آتشبازی چھُٹی۔ آدھ گھنٹے میں ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ہم نمائش گاہ سے ہوٹل واپس آگئے۔

ٹھیک ڈیڑھ بجے لیڈی رے کی دعوت میں پہنچے۔ اُنہوں نے نیچے ایک کمرے میں بٹھایا۔ تھوڑی دیر میں اَور مہمان آنے لگے۔ سرآرتھر نیسلے۔ لیڈی سلک سربریٹن ہلٹن۔ سرایڈورڈ اور لیڈی بریڈفورڈ اور ایک صاحب تھے۔ جنکا نام ٹھیک خیال میں نہیں ہے۔ ایسے لائق اور جہاں دیدہ لوگ کہ تقریباً سب نے مدتیں ہندوستان میں گزاری تھیں۔ اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر لنچ کے لئے گئے۔ ایسے معلومات والے شخصوں کے درمیان دُنیا بھر کی مزیدار باتیں ہوتی رہیں۔ بیچارے سرایڈورڈ کا ایک ہاتھ نہیں تھا۔ مَیں نے پوچھا۔ کونسی لڑائی میں گیا۔ تو انہوں نے کہا شکار کھیلتے شیر نے یہ حال بنایا۔ کوئی ستر برس کی عُمر ہوگی۔ مگر روز بلاناغہ سواری کرتے ہیں۔ ٹونک جاورا۔ بھوپال کی بہت سی باتیں کیں۔ یہ وہاں پولیٹکل افسر تھے۔ سرایڈورڈ ہندوستان چھوڑنے کے بعد تیرہ سال تک لندن کی پولیس کے سردار تھے۔ دو ہی سال ہوئے۔ خدمت سے علیحدہ ہوکر اب آسائش سے بسر کررہے ہیں۔ عطیہ نے کہا کہ آپ سے ایک درخواست ہے کہ ہم کو ولایت کے بیچے سلمز[۵۱] براہِ عنایت دکھائیے۔ جنکے متعلق ہم نے اتنا پڑھا اور سُنا ہے تو کہنے لگے کہ آپ سُنکر تعجب کرینگے (اُردو ٹھیک بولتے ہیں) کہ ایسی کوئی چیز اب لندن میں باقی نہیں رہی۔ ہاں تیس چالیس برس قبل بُرا حال تھا۔ مگر اب غریب لوگ بھی بہتر ہوتے چلے ہیں۔ اور سلمز تقریباً نابود ہورہے ہیں۔ یہاں تک کہ آج لندن کی کوئی گلی اتنی خراب اور خوفناک نہیں ہے۔

[۵۱] وہ گلی کوچے جہاں غریب غربا اور چور چکار آباد ہوں۔

ذکر کیا۔ اور ان تمام باتوں کے متعلق تاریخی بیان کرتے رہے۔ اور یہ بھی کہ لباس بھی انہیں نرالا پہننا پڑتا ہے۔ سب دکھانے اور سمجھانے کے بعد نیچے لے آئے جہاں چار نوشی کا انتظام تھا۔ لذیذ ناشتا چنا ہوا تھا۔ ہم سب نے شوق سے کھایا۔ اتنے میں ایک صاحب آئے جن سے مسز لاؤ تھر نے اس طرح شناخت کرائی۔ کہ یہ صاحب میرے ایک عزیز ہیں۔ جو ابھی ہی قسطنطنیہ میں سفیر متعیّن ہوئے ہیں۔ بہت اچھا ہوا کہ ان صاحب سے پہلے ہی تعارف ہو گیا۔ اب اسٹنبول میں آرام ہو گا۔ مَیں چاہتی تھی کہ اُن سے کچھ باتیں کروں۔ مگر اخیر تک موقع نہ آیا۔ تھوڑی دیر بعد دو اور بیبیاں آئیں۔ جنہوں نے کرٹسی[۵۱] کی۔ یہاں اکثر لوگ ہم کو کرٹسی کرتے ہیں۔ لیکن ہم کو بہت جھینپ ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک ڈچز آف بکنگھم تھیں۔ جنہوں نے حضور کے ساتھ سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ اور دُوسری ابھی پیرس سے آئی تھیں۔ اُن کا نام سمجھ میں نہ آیا۔ بہت اچھا وقت گزرا اور ہم نہایت محظوظ ہو کر ہوٹل میں آئے۔ اور بہت جلد لباس تبدیل کر کے تماشگاہ کی سیر کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حسب قرارداد مسٹر وت آ گئے۔ وُہ۔ حضور۔ بھائی سعیدی سعید اور مَیں گاڑیوں میں ماربل آرچ[۵۲] تک گئے۔ اور وہاں سے ٹیوب ریلوے میں سفر کیا۔ ہمارے لئے یہ نئی چیز تھی۔ کبھی پیشتر اتفاق نہ ہوا تھا۔ طرفہ چیز ہے اس میں شک نہیں۔ زمین میں گول سُوراخ ہے۔ جس میں بجلی کی ٹرین سانپ کی طرح گزر جاتی ہے۔ جگہ صرف اتنی ہے کہ ٹرین بآسانی گزر جائے۔ نیچے جانے کے لئے بہت بڑی لفٹ کا انتظام ہے۔ کہ جس سے زمین کے پیٹ میں انسان گھستا ہے۔ ہوا کا ایسا

۵۱ ایک نانو ٹیک کر یا جھک کر سلام کرنا۔

۵۲ یعنی مرمر کا دروازہ۔ ہائیڈ پارک کے دروازوں میں یہ دروازہ سب سے پُر رونق ہے۔

کامل بندوبست ہے کہ ذرا جی نہیں گھبراتا بلکہ روشنی اور ہوا کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ کھلی ہوا میں نہیں ہیں۔ یعنی مین روز روشن۔ کیونکہ بجلی سے سب کارخانہ چلتا ہے۔ نمائش کے واسطے اس کی وسعت اور بھی ہو گئی ہے۔ تاکہ آمد ورفت میں سہولت ہو۔ اب ٹھیک نمائشگاہ تک جاتی ہے۔ لوگوں کے لئے آرام دینے اور آسانی کرنے میں یہ لوگ کسر نہیں رکھتے۔ اس سوراخ میں ایک ہی ریل جا سکتی ہے۔ اس لئے کسی قسم کے حادثے کا ہرگز خوف نہ رہا۔ آخرکار ہمارا اسٹیشن آیا۔ اور ہم سب فوراً اُتر گئے۔ ہر اسٹیشن پر آدھے منٹ ٹھہرتی ہے۔ خیال میں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آدھا منٹ اُترنے کے لئے بہت کم ہے۔ لیکن اتنا کافی وقت ہو کہ ہم فراغت سے اُتر گئے اور سب کو لطف آیا۔ نمائشگاہ میں پیشتر مسٹر وٹ کبھی نہ آئے تھے۔ خوب سیر کی اور مَیں نے ایک جگہ سے نہایت عمدہ رومال خریدے۔ معمولی سوتی کپڑے کس حد تک نفیس اور اعلیٰ ہو سکتے ہیں اس کے نمونے دیکھے۔ چھوٹی چھوٹی پوششیں جن پر کشیدہ اور آرائش کروشے کی لیس لگی ہوئی۔ دو سو پچیس شلنگ قیمت۔ خریدار ہیں تو چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں۔ اور اس درجہ قدر و قیمت سے لیجاتی ہیں۔ امیر اپنی دولت کا معقول حصہ اعلیٰ اور نفیس چیزوں پر صرف کرتے ہیں۔ ان کپڑوں کو دھونا بھی یہی لوگ جانتے ہیں۔ ایسی ایسی بے نظیر چیزیں دیکھیں کہ واہ واہ جی خوش ہو گیا۔ لیڈی ماڈوارنڈر کے ہاں عطیہ بھی مہمان گئی تھی۔ اسوقت کا ذکر کرتی ہے۔ کہ لیڈی موصوف کے ہاں تقریباً ایسی گراں قیمت لنین کی چیزیں برتی جاتی ہیں۔ اور استراحت کا کمرہ تمام ایسے لنین سے بھرا ہوا تھا کہ کیا بیان ہو۔ کیمرک پر اس قدر حسین کام کرتے ہیں کہ جسکی حد نہیں۔ آجکل ایسی چیزوں کے استعمال کا بہت رواج ہوا ہے۔ کہ سیون اور کوچیلا

کتب خانے کی طرح عالی شان نہیں - گو کہ واقعی کام تو یہی لوگ کرتے ہیں - اب اس قدر تک
پہنچے - جہاں سے مرد اور بیبیاں الگ ہو جاتے ہیں - بیبیوں کے علاقے میں مرد نہیں
جا سکتے ہیں - سوائے اراکین کے - حضور انور یہاں سے اوپر مردانہ گیلری میں گئے - اور
ہم بیبیوں کی جالی دار گیلری میں - ٹھیک ایسا ہی معلوم ہوتا ہے - کہ گویا پردے کا
انتظام ہو - ہم نے اپنی جگہ لی - اور نیچے جو مباحثے ہو رہے تھے - ان کو سننے
کی کوشش کی - افسوس کہ اس وقت کی بحث میں کوئی لطف نہ تھا - زراعت کے
متعلق کچھ ضابطہ کی بحث تھی - جس میں ذرا بھی حظ نہ آیا - یہ لکھنا میں بھول گئی - کہ پہلی
لابی جہاں ہم کو لے گئے تھے وہاں بہت سے ممبر کھڑے تھے - ان میں سے کئی ایک
کے ساتھ تعارف ہوا - سر جان جارڈن جو ایک زمانے میں بمبئی میں تھے اور سر ولیم
وڈربرن کے ہمراہ جزیرے بھی آئے تھے ہم سے ملے - اور ایک صاحب سے شناخت
حاصل ہوئی - جو برسوں علی باغ میں رہ چکے ہیں - اور حضور کے والد ماجد کے وقت میں
جزیرہ جنجستان گئے تھے - اس عجیب تلوار کا ذکر جو ریاست جزیرہ کی ایک نایاب چیز
ہے کرتے رہے - انکو تھوڑی سی اردو آتی ہے - ایک دفعہ تلوار کی بابت کہنا چاہتے
تھے کہ بڑی مشہور چیز ہے تو بے ساختہ کہدیا کہ بہت بیوقوف تلوار ہے - ہنسی
ضبط کرنے میں میرا برا حال ہوا - پھر انگریزی میں سمجھایا - تب میں نے کہا کہ آپ کا
مطلب مشہور سے ہے - تو کہنے لگے ہاں ہاں - ایسے وقت میں اپنی ہنسی کو ضبط
کرنا مشکل ہو جاتا ہے - اوپر جانے سے پیشتر مسٹر لوکین نے ہم کو وزیر ہندوستان
انکے کمرے میں لے جا کر ملایا - مسٹر اسکوائتھ جو آجکل اس عہدے پر ممتاز ہیں
بڑے قابل آدمی ہیں - انکے چہرے سے متانت اور استقلال [illegible]

وہی معمولی ہوئی۔ جو سب کے ساتھ ہوتی ہے۔ کوئی دس منٹ ہم وہاں ٹھہرے۔ اور اُنکے خُلق کا بہت اچھا اثر دل پر لائے۔

بہت دیر گیلری میں بحث سُنتے رہے۔ پھر مسٹر ٹوکینن آکر ہم کو لے گئے۔ اور نیچے جو مشہور چبوترہ ہے وہاں جا کر بٹھایا۔ اور سپیکر[1] کی بی بی کو خبر کی کہ ہم آئے ہیں۔ یہاں بہت بڑا مجمع تھا۔ بہت سے ممبر اپنے اپنے دوستوں کی خاطر کر رہے تھے۔ تھوڑا وقت باقی تھا۔ اِس لئے ہم چبوترے پر ٹہلتے رہے۔ میری طرف لوگ بڑی حیرت سے دیکھتے تھے۔ شاید اُنہیں کوئی غیر معمولی آدمی معلوم ہوتی ہونگی۔ عین وقت پر مسز ٹوکینن آئیں۔ اور ہمیں بالکل دوسرے سرے پر لے گئیں۔ جہاں ایک بڑی میز رکھی ہوئی تھی۔ یہ جگہ خاص سپیکر کی بی بی کے دوستوں کے لئے ہے۔ سپیکر صاحب یعنی مسٹر لاؤتھر آپ ہم کو لینے آئے۔ صاحب موصوف عجیب اختیارات اور قوت رکھتے ہیں۔ مثلاً اجلاس میں کسی کو فوراً خاموش ہونے کا حکم دے سکتے ہیں اور بٹھا بھی سکتے ہیں۔ ضرورت ہو تو کمرے سے باہر بھی نکال سکتے ہیں۔ بہت سے حق اُنہیں حاصل ہیں۔ اسی کوٹھی میں اُنکے رہنے کا علاقہ ہے۔ مگر کیا عالیشان موقعہ ہے آہا ہا! سپیکر صاحب اپنے ہمراہ ہم کو اُوپر اپنی بیوی کے پاس لے گئے۔ اُن سے اور اُنکی صاحبزادی سے ملاقات ہوئی۔ کمرے میں جتنی تاریخی چیزیں تھیں دکھائیں۔ جتنے سپیکر ہو چکے ہیں۔ ان سب کی تصویریں عمدہ عمدہ تھیں۔ ہمیں اُنہوں نے کھانے کے بڑے چھوٹے کمرے دکھائے۔ اور سال بھر میں کتنی دعوتیں دینی پڑتی ہیں اُنکا

---

[1] سپیکر انگلستان کی پارلیمنٹ میں ایک بڑا عہدہ ہے۔ وہ گویا جلسہ پارلیمنٹ کا صدر نشین ہوتا ہے اور جلسہ کے متعلق تمام اختلافی امور پر اس کا فیصلہ ناطق سمجھا جاتا ہے۔

ایک کمرہ بھی دیکھ سکے۔ مگر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے ہم چلے گئے۔ یہاں نایاب چینی کا بہت اچھا مجموعہ ہے۔ اسی طرح نسوار رکھنے کی ڈبیاں بھی کوئی سوا ڈیڑھ سو ہونگی۔ بے نظیر ہنر کا نمونہ تھیں ہر ایک کی میناکاری دیکھ کر جی خوش ہوگیا۔ واپس آکر ہم وقت معینہ پر ڈیوک اور ڈچس آف کاناٹ کی ملاقات کے لئے نکلے۔ حضور اور میں گئے عطیہ پرنسس صوفی کے ساتھ لنچ کھانے کو گئی۔ چونکہ نہایت اصرار سے بلایا تھا۔ حضور نے ہندوستانی پوشاک زیب تن کی تھی۔ اور بندی نے سیاہ زرّیں سنہری و پہلی کام کیا ہوا جوڑا پہنا تھا۔ سرکرزن و ائی منتظر ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک اور صاحب ڈیوک کے گھرانے کے بھی موجود تھے۔ جن کا نام ذہن سے اتر گیا۔ صاحب موصوف سے پہلے تعارف کرایا گیا اور وہ ہمیں گول کمرے میں لے گئے۔ شاہی خاندان کے محلّات اور اسباب تقریباً ایک ہی قسم کے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ سب بہت ہی گراں قیمت اور عمدہ مگر کوئی خاص خوبصورتی نہیں پائی جاتی۔ سوائے تھوڑی تصویروں کے۔ ہم بمشکل بیٹھے ہونگے۔ کہ ڈیوک اور ڈچس صاحبہ تشریف فرما ہوئے۔ بہت ہی تپاک اور گرمجوشی سے ملے۔ اور دستور کے مطابق وہی معمولی سوال کئے۔ جو بادشاہ نے اور ولیعہد نے کئے تھے۔ اسی طرح میری انگریزی گفتگو پر حیرت ظاہر کی۔ یہ ایک رسمی بات ہے۔ ورنہ غالباً ڈچس کو اچھی طرح یاد ہوگا۔ کہ جب لیڈی رے بمبئی میں تھیں تب ہم ملے تھے۔ پوچھا کہ تمہارے ساتھ اور کون کون ہم سفر ہیں۔ میں نے کہا بھائی اور عطیہ اور ایک سردار اور ڈاکٹر وغیرہ۔ ڈیوک خود اچھی اردو بولتے ہیں۔ دس پندرہ منٹ یہاں گزار کر سرکرزن کو ہمراہ لے کر پارلیمنٹ میں گئے۔ وہاں سوائے عطیہ کے ہمارے سب

ہمراہی موجود تھے اور راہبر بھی تھا۔ مجھے افسوس ہوا کہ عطیہ شریک نہ ہوئی گو کہ وہ
پیشتر دیکھ چکی ہے۔ لیکن ہمارے ساتھ دیکھتی تو اور بھی لطف آتا۔ مسٹر بوکینن
صاحب نائب وزیر ہند موجود تھے اور ہمارے منتظر۔ مسز بوکینن بھی آنے والی تھیں
انکو ذرا دیر ہوگئی۔ خیر ہم تو موجود رہنا اور ہمراہیوں کو ساتھ لیکر چلے۔ اور ایک نہایت
وسیع کمرے میں داخل ہوئے۔ جس کا نام وسٹ منسٹر ہال ہے۔ یہ کمرہ بہت ہی
تاریخی ہے اور چھ سو سال سے بنا ہوا ہے۔ بادشاہانِ انگلینڈ کی تاج پوشی کے
وقت یہاں کھانا وغیرہ ہوتا ہے کیا شاندار اور شاہانہ کمرہ معلوم ہوتا ہے۔
اونچی چھت جس پر سنہری کام بنا ہوا انکی دولت کی ایک ظاہری نشانی تھی وہاں
سے ہوس آف لارڈز میں گئے۔ تمام فرنیچر ارغوانی رنگ کا جس پر زمانہ گزرنے کے
آثار موجود تھے۔ اس کمرے کے سرے پر دو شاہی چوکیاں رکھی ہوئی تھیں یہ سال
میں ایک دفعہ جب افتتاح پارلیمنٹ کی رسم ادا ہوتی ہے۔ تب بادشاہ اس چوکی پر
متمکن ہوتے ہیں۔ بہت ہی شان ان کمروں سے نمایاں تھی۔ اس کے بعد ہمیں ایک
اور کمرے میں لے گئے۔ جہاں مرحومہ ملکہ وکٹوریہ کی شاہی کرسی دھری تھی۔ مسٹر
بوکینن نے کہا کہ اس پر آپ بیٹھئے۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ بھی ایک یادگار رہیگی۔
کہ ایک وقت میں کوئن وکٹوریہ کی جگہ پر بیٹھی تھی۔ وہاں سے کتب خانے میں لے گئے
میں کس طرح بیان کروں کہ یہ کمرہ کیسا تھا۔ نادر کتابوں سے اوپر نیچے تک بالکل
بھرپور۔ یہاں سے منظر بھی نہایت عمدہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ لارڈوں کے لئے
کتب خانہ تھا۔ اسی طرح بہت سی غلام گردشوں اور گزرگاہوں سے ہوتے ہوئے
ہوس آف کامنز کی طرف گئے۔ یہاں کا کتب خانہ بھی بہت بڑا ہے۔ مگر امرا کے

وُہ اب تک اندھیرے میں ہے۔ اور سالہا سال پسماندہ۔

لنچ کے لئے مسٹر رومیش چندر دت صاحب نے ہم چاروں کو بلایا تھا۔ بہت ہی چھوٹا سا مکان ہے لیکن بہت ہی آسائش کا۔ لذیذ لنچ دیا۔ جسکو سب نے شوق سے کھایا۔ لنچ کے بعد اُنہوں نے اپنی کتابیں دکھائیں۔ اپنے دوستوں کے خطوط کیسے اچھے ڈھب سے چپکائے ہیں۔ چالیس سال کا ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے۔ حیرت تو مجھے یہ معلوم ہوئی کہ انہیں فرصت کیسے بہم پہنچتی ہے۔ کہ اپنے ضروری اور لازمی کام کاج کے بعد شوقیہ اتنا وقت اس قسم کے کام کرنے کے لئے نکال لیتے ہیں۔ اور انکو جاری رکھنے کے لئے طبیعت میں کتنی چستی و چالاکی ہونی چاہئے۔ ورنہ ایسی چیزوں کا نباہ مشکل ہے۔ عمر دیکھو تو ساٹھ برس کی اور یہ استقامت۔ ہم کو تو ہمیشہ کم فرصتی کی شکایت رہتی آتی ہے۔ ذرا غیر معمولی کام ہوا اور ہم نے شکوے کرنے شروع کر دیئے۔ مگر ایسے حضرات کے نزدیک ہر کام کے لئے وقت ہے۔ اس قسم کی مختلف کتابیں جاری ہیں۔ ایک ہی اخبار میں سے کٹے ہوئے ٹکڑے چپکا دیئے ہیں۔ بہت ہی کم سنی سے یہ شوق انہیں لاحق ہوا۔ اور زیادہ آفرین کے قابل یہ ہے کہ تمام زندگی بھر اسے جاری رکھا۔ کبھی زیادہ طومار جمع ہونے نہیں دیتے۔ یہ سب سے بڑا اسید ہے۔ کیسے شوقین قسم آدمی ہیں۔ کہیں سے خوبصورت تصویر ہاتھ آگئی تو وہ بھی اپنے ذخیرے میں چپکا لی۔ ہم سب واپس چلے آئے۔ [illegible]
ان عنایت فرماؤں کو چائے کی دعوت دی تھی۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

بھی۔ بھائی ازہر۔ مسٹر محمد اقبال اور مس پی کے رتے موجود تھے۔ نہایت لطف کا وقت کٹا۔ مسز سامویل بہت لیاقت والی اور اچھی محبت بھرے دل والی ہیں انہیں یہ بھاتا ہے۔ کہ ہمارے لئے ہر طرح کی مدد کریں۔ شنبہ کو اُنکے ساتھ ہسپتال ملاحظہ کرنے کو چلینگے۔ مسٹر وکینن ہم کو ہوس آف کامنز دکھانے والے ہیں۔ تاریخ بعد مقرر کرینگے۔

کئی مہمانوں نے دستخطوں کی کتاب میں اپنے دستخط اور چیارتیں لکھیں۔ مسٹر اقبال نے اس روز یہ شعر فی البدیہ کہکر میری کتاب میں درج کر دیئے۔ جنہیں یہاں نقل کرتی ہوں:

اے کہ تیرے آستانے پر جبیں گستر قمر
اور فیضِ گستاں بوسی سے گُل بر سر قمر

روشنی لیکر تری موجِ غبارِ راہ سے
دیتا ہے لیلائے شب کو نور کی چادر قمر

کاروانِ قوم کو تجھ سے ہی زینت اس طرح
جس طرح گردوں پہ صدرِ محفلِ اختر قمر

شمعِ بزمِ اہلِ ملّت را چراغِ طور کُن
یعنی ظُلمت خانۂ ما را سراپا نور کُن

سُنتی ہوں کہ کپورتھلہ کے مہاراج اپنی نئی دُلہن رانی انیتا کے ساتھ ۲۲ تاریخ کو آئینگے۔ ٹھیک اسی روز جس روز ہم لندن چھوڑینگے۔

۱۱۔جُون ۱۹۰۸ء جمعرات | آج صبح تھوڑا وقت تھا۔ تو بھائی اور میں والس کلکشن (مجموعۂ تصاویر جو والس صاحب کے نام سے مشہور ہے) دیکھنے گئے۔

یہاں تصویریں ایسی ایسی موجود ہیں کہ شاید انگلستان میں اور جگہ اتنی عمدہ تصویریں نہیں ہونگی۔ والس صاحب نے زندگی بھر عمدہ اشیاء بہم پہنچائیں۔ اور بعد اُنہوں نے یا اُنکی بیوی نے لاولد ہونے کی وجہ سے قوم کو ہدیہ کر دیں۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں ممکن نہیں کہ انسان

پر خانے میں گئے۔ تو سینکڑوں ترکیبوں سے اس حقیر چیز کو کارآمد ثابت کیا ہے۔ پر کے پھول مگر ایسے بنائے ہوئے کہ دھوکے سے خوشبو سونگھنے کو بے اختیار جی چاہتا تھا۔ اسی طرح مختلف طریقے اور وضع سے پروں سے کام لیا گیا تھا۔ وہاں سے چلکر خوشبو خانے میں گئے۔ طرح طرح کی خوشبو کے کاغذ اور چھوٹی چھوٹی شیشیاں دیکھیں کوئی ساڑھے سات بجے ہم واپس لوٹے۔

۱۰ - جون ۱۹۰۸ء - بدھ | افسوس ہے کہ یہاں صبح کو کچھ نہیں کر سکتے۔ گیارہ بجے سے پہلے کوئی جگہ کھلتی نہیں۔ دکان وغیرہ سب پر خاموشی چھائی ہوئی۔ اس لئے گیارہ بجے کے بعد نکلنا پڑتا ہے۔ چلتے پھرتے لنچ کا وقت ہو گیا۔ تو کہیں کھا لیا۔ چار کا وقت آیا تو کہیں پی لی۔ یہ طریقہ کسی وقت مجھے پسند آتا ہے اور کسی وقت جی بہت بیزار ہوتا ہے۔ کھانا پینا اور سب کام عوام کی موجودگی میں کرنا انسان کو ہر وقت کیونکر پسند آسکتا ہے۔ انگلستان میں ہوٹلوں اور دیگر اسی قسم کی آسائش گاہوں کی زندگی بے طرح بڑھ رہی ہے۔ یعنی گھر کے جنجال سے اور نوکروں کی کھٹ پٹ سے لوگوں کا جی اُکتا جاتا ہے۔ اور اسی طریقہ کو زیادہ پسند کر رہے ہیں۔ کسی کو فرصت نہیں کہ خانہ داری کرے۔ جسے انگریزی میں ہوم لائف یعنی گھر گھرست کی زندگی کہتے ہیں۔ وہ خاص لندن میں کم ملتی ہے۔ البتہ دیہات میں ہے۔ اہلِ لندن تو بہت آزاد ہو گئے ہیں۔ بچّوں کو مدرسوں میں بھیج دیتے ہیں۔ آپ جس طرح کا بن پڑا کھا پی لیا۔ اسی روز مسٹر یوسف علی کہہ رہے تھے کہ میری بی بی کو رسٹوران کی زندگی بہت پسند ہے۔ خیالوں میں کتنا فرق ہے۔ ہندوستان کے بہت سے ایسے ہونگے جنہیں خواب و خیال نہ ہوگا کہ یہاں امیر اُمرا اور عمائد شہر کی زیست کا طرز کیا ہے۔ عیش اور عشرت۔ تماشا

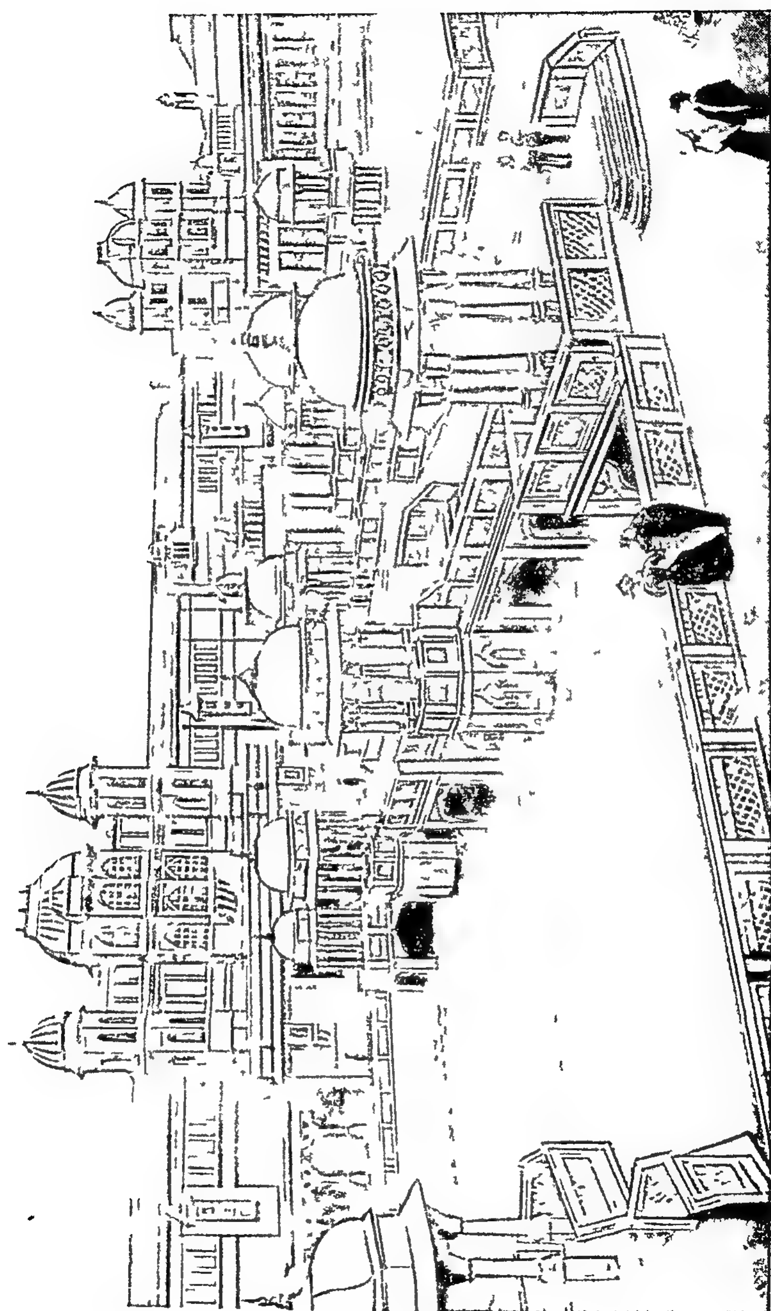
کھانے پینے۔ ناٹک گھر کا دَورہ کرنے ضیافتیں دینے۔ دعوتوں میں شریک ہونے اور قمارخانوں کا مزا اُڑانے میں اس قدر مصروف ہیں کہ دم بھر کی فرصت نہیں۔ پھر بھی مرد دانائی سے چلتے ہیں۔ ورنہ انگلینڈ اس قدر متمول اور سرسبز حالت میں کیونکر ہوتا۔ ایک روز مسٹر ٹاٹا نے ایک لارڈ کی بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ گنجفہ میں یہ بی بی اس قدر روپیہ خراب کرتی ہے کہ حد ہی نہیں۔ اس کے ساتھ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خیرات کرنے میں بھی ویسی ہی دلیر ہے۔ غریبوں اور محتاجوں کے لئے اس کی طرف سے ہر ایک قسم کے آرام کا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ اہل لندن میں یہ مقصد اعلیٰ ہے کہ کوئی بھی آرام دہ چیز ایجاد ہو۔ وُہ ہر گھر میں موجود ہو جائے۔ بطور مثال بجلی کی روشنی کو لیجئے۔ اب قریب قریب ہر گھر میں ہر بورڈنگ ہوس میں ہر ہوٹل میں وُہی نظر آتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر نہ لیں تو کوئی کرایہ دار رہنے کو راضی نہ ہوگا۔ میری عقل میں نہیں سماتا۔ کہ سب باتوں کا لحاظ رکھکر یہ لوگ کیونکر کماتے ہیں۔ سیر اور ملک بینی مجھے ایک حد تک پسند آتی ہے۔ لیکن ان دو شعروں کو ورد کرتے ہُوئے ؎

چلے جاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے ہم دشتِ غربت میں
وطن اپنا ہمیں منزل بمنزل یاد آتا ہے
گزرتا ہے نظر سے جب کوئی پھولا پھلا گلشن
تو پہروں ہم کو اپنا رنگِ محفل یاد آتا ہے

ہندوستان کے خطوں میں یہ شعر ہمارے حسب حال کسی بہن نے لکھ بھیجے انہیں مناسب اور موزون سمجھ کر درج کرتی ہُوں۔ واقعی حال یہی ہے۔ جُوں جُوں ان ترقی یافتہ ملکوں کی سیر کرتی ہُوں تُوں تُوں اپنے وطن کی خوبیاں منکشف ہو کر نظر آتی ہیں۔ گو کہ

پیپے کو لگا دیا کشیدے میں یہ کمال تھا کہ پرکہاں سے شروع ہوتا تھا اور کشیدے کی حد پر ختم۔ اس کی تمیز ہو نہیں سکتی تھی۔ اس قدر عمدہ نقل قدرت کی تھی کہ سبحان اللہ اس خیال پر صاد ہے کہاں سے ان لوگوں کے مغز میں سماتا ہے۔ نادر لیس دیکھیں مہین کلابتونی فیتے بنے ہوئے جن پر رنگارنگی ریشم سے چھینٹ بہت کے مثال بھرت تھی۔ کئی لباس اس قسم کے تھے کہ ایک جگہ سے لباس کے ایک حصے کو تھام کر دوسری جگہ پر بروچ لگا دیا۔ اسی ذرا سے خیال نے لباس کی خوبی کو دہ چند کر دیا تھا۔ لباسوں کی اس نمائش کے لئے قدآدم پتلیوں کو سجایا تھا۔ کہ جن کی خوبصورتی قابل تعریف تھی۔ ان پتلیوں کی شکل حسین۔ بدن سڈول اور بال نہایت موزون تھے۔ بہت ہی اچھا ہوا کہ ہم نے یہ حصہ دیکھ لیا۔ ان کے علاوہ جاڑوں میں پہننے کے لباس دیکھے۔ سردیوں میں امیروں کے لئے خاص عیش ہے۔ تمام فر (قاقم) کے لباس اور اس ترکیب اور وضع سے رکھے ہوئے اور اس قسم کا نظارہ کہ شروع سے آخر تک جو کام ہوتا ہے۔ اس کا خاکہ سمجھ میں آ جائے۔ قاقم کس طرح بہم پہنچاتے ہیں کس طرح درست کرتے ہیں اور لباس تیار کرتے ہیں۔ وہ سب پوری طرح ایک ناواقف کے بھی خیال میں لحظہ بھر میں سما جائے اخیر کا تماشا یہ ہے۔ گویا بیبیوں نے قسم قسم کے پوستین پہنے ہیں۔ جن میں کوئی گاڑی میں سوار ہونے کے لباس میں ملبس کوئی سکیٹ کرنے یعنی جمی برف پر چلنے کے لباس میں۔ کوئی پیدل سیر کرنے کی قطع بنائے ہوتے۔ مگر لباس کی وضع ایسی کہ ہر کسی کو قاقم پہننے کی ہوس پیدا ہو جائے۔ جوتیوں کی دکان میں گئے تو اور ہی عالم نظر آیا۔ ایسی ایسی نازک اور خوبصورت جوتیاں تھیں کہ اور جگہ کم دیکھنے میں آئی ہیں۔

کو از سر نو سنا کہ آخر وہ بات درست ہوئے اور گرفتاران بلا سلامتی سے زمین پر واپس آ گئے۔ بھائی۔ عطیہ اور میں ہنوز دیکھنے اور سیر کرنے کی طرف مائل تھے۔ اس لئے ایک دو گھنٹے لباس کے علاقے میں پھرے۔ فرنچ شوقینوں نے اس ہنر کو کس درجے پر پہنچایا ہے۔ یہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اب کلابتونی اشیا رواج پا رہی ہیں۔ مگر کوئی انتہا ہے۔ کتنی خوبصورت ملاوٹ کرتے ہیں اور کیسے کیسے نتیجے ملاحظے میں آتے ہیں۔ کہ عقل کام نہیں کرتی۔ سینکڑوں عجائب نمونے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے چند کے بیان کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ ان دنوں فیشن ایسا ہے کہ بے اختیار دل راغب ہوتا ہے۔ ایک ایک پوشاک آئرش کروشئے کے باریک باریک تاگوں سے گوندھی ہوئی (آئرش کروشئے ایک خاص قسم کی چیز ہے جو معمولی کروشئے سے الگ ہوتی ہے۔ اس میں قسم قسم کے پھول پتے گوندھے جاتے ہیں۔ بعد میں کاغذ یا کپڑے پر نقشہ کھینچ کر ٹھیک طور سے ٹانکے جاتے ہیں۔ اور درمیان میں کانٹے کی جالی بنائی جاتی ہے۔ اس پائنٹ لیس کے ڈھب سے ٹکے ہوئے کپڑے پر سے گویا جالی ہی الگ کی جاتی ہے۔ اس طرح نہایت دقت اور محنت سے یہ لیس تیار ہوتی ہے۔ اور حد درجہ گراں قیمت ہوتی ہے۔ آج اسی کے پھیر میں پڑے ہوئے ہیں۔ برف جیسی سفید۔ کاریگری کا نمونہ معلوم ہوتی ہے۔ غور کی جگہ ہے کہ تمام لہنگے اور بلاوز اس کروشئے سے بھرپور ہو رہے تھے۔ مگر اس کی سلائی بھی نمونہ ہنر ہوتی ہے۔ تیار ہو کر نہایت دلکش چیز بنتی ہے۔ ایک اور لباس نے بہت حیران کیا۔ اس کے پیچھے مور کے تین عدد پر کاڑھے ہوئے اور تمام پر قدرتی رنگوں سے بنا ہوا اور جو حصہ پیسے جیسا ہوتا ہے۔ اس جگہ سچے موتی کے



تھیں۔ اسی طرح دوسری جانب فرانسیسی تصویروں کا گروپ رکھا ہوا تھا جس کو بوجہ
تنگی وقت ہم نہ دیکھ سکے۔ مگر دوبارہ جانے کا قصد رکھتی ہوں۔ کہتے ہیں کہ پیشتر ایک
جگہ تصویروں کا ایسا خزانہ اکٹھا نہیں ہوا اب چونکہ فرانس و انگلینڈ میں اتحاد اور دوستی بڑے
زوروں پر ہے۔ اس لئے یہ تمام برتاؤ ایسے دوستانہ طرز پر ہوا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اشیا
جو فرانس کے احاطے سے کبھی باہر نہیں گئی تھیں۔ خاص اس موقعہ کے لئے فرانس سے
آئیں۔ جہاں دیکھو یہی چرچا اور تذکرہ ہے۔ خیر دو گھنٹے سیر کی۔ اور چاپی کے
اسی حصے میں گئے۔ جہاں قسم قسم کے تماشے ہو رہے تھے۔ ایک چیز جس کا نام
فلپ فلیپ تھا۔ وہاں جانے کا کچھ خیال کرتے تھے مگر رشک کر نہ گئے۔ دو بہت
بڑے لوہے کے ہات بنے ہوئے ہیں۔ جس کے آخر میں ٹوکریاں لٹکی ہوئیں۔ ان
میں ۱۵ ۔ ۲۰ آدمی ایک وقت میں بیٹھ سکتے تھے۔ یہ ٹوکری سانچوں کے زور سے
زمین سے اوپر جاتی اور پھر ادھر والوں کو اس طرف اتارتی اور ادھر والوں کو اس طرف
اس میں مزا یہ تھا۔ کہ ہوا میں لٹکتے ہوئے تمام نمائش کو اوپر سے بخوبی دیکھ سکتے
ہیں جس وقت ہم جانا چاہتے تھے اس وقت ایک اور گروہ بیٹھ کر گیا۔ آدھے رستے
میں پہنچے اور سانچے میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہوئی۔ اس سبب سے جہاں تھے وہیں
کے وہیں لٹکتے رہے اور نمائش دیکھنے کی ہوس میں آپ ہی نمائش بن گئے۔ خیر ہم تو
وہاں سے چلے گئے اور کچھ شیشے کی چیزیں بنتی تھیں وہ دیکھیں۔ کچھ اور تماشے دیکھے
اس میں کوئی گھنٹہ بھر گذر گیا۔ مگر جب فلپ فلیپ کے قریب آئے تو دیکھا کہ اس کے
سیر کرنے والے غریب ہنوز عالم بالا کی ہوا کھا رہے ہیں۔ اور اسی طرح معلق ہیں ہم نے
دوبارہ خدا کا شکر ادا کیا کہ اس مصیبت میں گرفتار نہ ہوئے۔ اور بچے رہے۔ رات

ایسے بے عیب اور بے داغ کہ اپنی آپ ہی نظیر۔ حقیقت میں عجائب مجموعہ تھا۔ مگر یاقوت و زمرد کے صرف چند دانے عمدہ تھے۔ بنے بنائے زیوروں کا بیان کیا کروں۔ ان میں سے جن چیزوں پر میں وجد میں آگئی۔ اُن کی کاریگری اعلیٰ درجے کی تھی۔ ایک سر کا تاج سا پانچ بروچ اور بریسلٹ تھی۔ پلاٹنم کی جالی بنی ہوئی جس کو سیاہ رنگ کی لیس کا مشابہ بنا دیا تھا۔ اس پر تمام نقش و نگار الماس سے کیا ہوا۔ کنگرے پھول وغیرہ سب الماس سے بنے ہوئے بعینہٖ سچی سیاہ جالی کی لیس معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اس میں نرمی اور لوچ اور نزاکت بالکل لیس کی سی پیدا کی تھی۔ بریسلٹ گویا انسرشن[۵۱] جس میں جا بجا جھالر بنی ہوئی تھی۔ خیال کی نازکی پر غور کرو کہ کس انتہائے ہنر کی چیز بنائی تھی۔ ان تمام چیزوں میں مال بہت نہیں تھا۔ مگر بناوٹ کی خوبی اور انوکھا پن ایسا تھا کہ بیان سے زبان قاصر ہے۔ بناتے بناتے دو سال لگے۔ جب کہیں جا کر تیار ہوا۔ تاج کی قیمت نو سو پونڈ۔ سب چیزوں کی جو اس کے ساتھ ہیں۔ تین ہزار پونڈ جس میں بمشکل پانچ ہزار کا اصل مال ہوگا۔ لیکن جو قیمت تھی۔ سو محنت کی۔ سچ ہے۔ کہ ایسے کامل ہنر کو دیکھ کر عجیب اثر ہوتا ہے۔ جب یہاں سے کسی قدر سیر ہوئے تو آگے بڑھے۔ دیر زیادہ ہونے کے سبب بھائی قمر الدین لنچ کے لئے لے گئے۔ کھانے سے فراغت پا کر تصویر خانے میں گئے۔ جہاں داخلی ہال میں سنگی مورتیں تھیں۔ اور ارد گرد کے سات آٹھ کمروں میں انگلینڈ کی بہترین تصویریں موجود تھیں۔ وہ مجموعہ یعنی سٹ ان لوگوں نے مستعار نمائش کی زیبائش کے لئے رکھنے کو دیئے ہیں۔ اس لئے یہ موقع ہے کہ عمدہ سے عمدہ تصویروں کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ تمام انگلش ہنروروں کی ساختہ تصویریں ان کمروں میں

---

[۵۱] یعنی دونوں طرف یکساں لیس جو اکثر کپڑوں کے بیچ میں ٹانکی جاتی ہے۔

جاتا ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ لندن کی بستی میں ظاہری فرق نظر آنے لگتا ہے۔ واقعی چستی و چالاکی اُنکے خمیر میں ہے۔ ہمارے ہوٹل میں بھی یہی حال ہو۔ شاید ہی کوئی ہمارے سوا باقی ہو۔ مگر یہ دیکھنے کی بات ہے کہ جانے والوں نے کرے چھوڑے نہیں ہیں۔ خدا جانے اتنا دوہرا تہرا خرچ کیونکر برداشت کرتے ہیں۔ اور ہر کسی سے کیونکر ہوسکتا ہے یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ خیر یہ ایسے معاملے ہیں کہ شاید زیادہ اس ملک میں رہنے سے سمجھ میں آئے۔

بڑی بی اچھی طرح بیٹھیں اور رخصت ہوئیں۔ اس کے بعد ہم نے دو گاڑیاں منگوائیں اور نمائش میں چلے۔ ایک خاص جگہ پر سب کے اکٹھے ہونے کی قرارداد تھی۔ وہاں پہنچے۔ بھائی قمرالدین۔ بہن وزیر اور بہن نسیمہ موجود تھے۔ ازہر اور لیلا کا پاؤ گھنٹا انتظار کیا۔ نہ آئے تو پھر ہم سب آگے بڑھے۔ نمائش گاہ میں اگر کوئی پیدل چلنا نہ چاہے یا کم چلنا چاہے۔ تو ایک گاڑی ساتھ رکھ سکتا ہے۔ ہم سب چلنے کے شوقین تھے اس لئے ضرورت نہ ہوئی۔ پہلے ایک دو چھوٹے حصوں میں گئے۔ اور پھر سیدھے جواہرات کے حصے میں۔ جہاں آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ میں سمجھ نہیں سکتی۔ کہ اس بے نظیر ذخیرے کا کن الفاظ میں ذکر شروع کروں۔ ایسے ایسے نادر الماس رکھے ہوئے تھے حیرت میں رہ گئی۔ پکھراج جیسے بالکل ہیرا۔ یاقوت سرخ زرد۔ سبز لیموں سیاہ۔ مطلب یہ کہ دنیا بھر کے رنگوں کے۔ حضور کو نہایت درجہ حظ آیا۔ سفید اور آسمانی الماس تو غضب کے خوبصورت تھے۔ امرود کی شکل کے بھی چند تھے۔ اور ○ مارکیز جیسے بھی دیکھے۔ جو قیاس و گمان سے بڑھ کر تھے۔ نایاب گلابی موتی کی لڑیاں دیکھیں۔ بیر جتنے بڑے موتی کس موزونیت سے پروئے تھے کہ واہ واہ۔ بعض دانے الگ ایک ایک۔ مگر سب

طرز ہے۔ جو اس ملک کے لئے انوکھی بات معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس ہنر کے متعلق جا بجا اخباروں میں تعریف مدح کی گئی ہے۔ اور ننگے پیروں ناچنا یہی یہاں نئی بات ہے۔ البتہ لباس تعجب خیز بلکہ حیرت انگیز مجاورٹ کا تھا۔ وہاں سے نکلے تو میڈم ٹوسو کی مستقل نمائش میں گئے۔ جہاں قد آدم موم کی مورتیں کثرت موجود ہیں اور بہت سے تاریخی نظارے دکھائے گئے ہیں۔ وہاں ایک دربار سا بنا ہوا تھا جس میں بادشاہ ملکہ شاہزادے شاہزادیاں۔ فرانس کے پریسیڈنٹ فالیز جو ابھی ہو کے گئے ہیں۔ ان سب کی مورتیں نہایت عمدہ بنائی تھیں۔ اور بعینہ جو نقشہ بال کی شب ہم نے بچشم خود دیکھا تھا وہی خاکہ موجود تھا۔ ایسا عجیب اثر ہوا کہ گویا اس روز کا سماں آنکھوں میں پھر گیا۔ کہ تو بالکل جیتی جاگتی ہو بہو وہی معلوم ہوتی تھیں۔ اور دوسری بھی ایسی ایسی نقلیں تھیں کہ میں واقعی متعجب ہوئی۔ یعنی کتنا کمال کیا ہے کہ ہم مشاہیر دنیا کو یوں دیکھیں جیسے ہمارے سامنے ہیں۔ ہنر کس درجہ پر پہنچایا ہے۔ غور کرنے کی جگہ ہے۔ ایک عورت زخمی ہو کر پڑی ہے اور خاصہ دم لے رہی ہے۔ دم کی آمد و رفت کا بندوبست کس خوبی نے کیا ہے۔

ایک حصہ اس نمائش کا ہے جسے "چیمبر آف ہورر" کہتے ہیں۔ یعنی مہیب مناظر کا کمرہ۔ یہ بہ اچھی نام دیا ہے۔ ایک ایک خونی کی صورت خدا کی پناہ۔ کہیں کسی کو پھانسی دیتے ہیں۔ کسی کی گردن اڑ رہی ہے۔ کوئی خاک و خون میں لت پت پڑا ہے۔ میری انٹوانٹ ملکہ فرانس کی خون بھری گردن اور سر دیکھ کر جی بگڑ گیا۔ لیڈی جین گرے کی مایوسی کی حالت بہت ہی متاثر کرنے والی ہے۔ نیلسن کی قریب الموت صورت دکھائی گئی ہے۔ جب وہ جہاز پر لڑائی میں گرا ہے۔ اگر ان چیزوں کو دیکھ کر انسان کو تعجب نہ معلوم ہو تو حیرت ہے۔ واقعی کمال کیا ہے۔ یہ عبرت انگیز نقشہ دیکھ کر ہم اپنے ہوٹل کے سامنے

کے بعد کوئی دس پندرہ مہمان اَور تشریف لائے۔ وایولین گانے وغیرہ کا خوب دورہ رہا۔ مس لیلا رانی نے نہایت عمدگی سے وایولین بجائی۔ مرزا محمد رفیع اور جلال شاہ نے پورے فارسی لہجہ سے دیوانِ حافظ کی غزلیں پڑھیں۔ بہت ہی لطف رہا۔

شنبہ ۶۔ جون ۱۹۰۸ء | ہم لوگ آج جوہریوں کی دکانوں کی سیر کے لئے گئے۔ باہر ہی سے کس قدر اچھی نظر آتی ہیں۔ اتنی ہنرمندی اور نزاکت سے سجاتے ہیں کہ آفرین ہے۔ ایک ادنیٰ قسم جواہر بہت ہی کمیاب رنگ کا دیکھا۔ سبز۔ سیاہ۔ اور آسمانی کی آمیزش نہایت مرغوب اور نادر ان دوکانوں کا دستور ہے کہ باہر سے خاصی طرح دیکھ لو۔ اگر کوئی پسند طبع چیز ہوئی تو اندر چلکر خرید لو۔ ورنہ خیر۔ اس میں بہت آرام ہے۔ اسی دن لارڈ مارلے سے ملاقات تھی۔ اور ہم سر کرزن وائلی کو ہمراہ لیکر لارڈ مارلے کے ہاں گئے۔

پیر ۸ جون ۱۹۰۸ء | کپڑے پہن کر ہم نے لنچ کھایا۔ اور موڈ ایلان مشہور رقاصہ کی رقاصی دیکھنے گئے۔ کئی دن سے خیال تھا کہ جائیں مگر ہجوم کی وجہ سے ٹکٹ نہیں مل سکے۔ آج ہم وقت پر پہنچے۔ پہلے اَور اَور تماشے ہوتے رہے۔ ایک شخص نے ہنساتے ہنساتے لٹا دیا۔ وہ آپ گر پڑتا تھا۔ اور چیزیں گرا دیتا تھا۔ مگر کس صفائی اور چستی سے کہ اپنے آپ کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچے۔ اور چیزوں کو بھی نقصان نہ ہو۔ ایک میز پر طشتریوں کا انبار رکھا ہوا تھا۔ اور صراحیاں جام وغیرہ کتنی چیزیں موجود تھیں۔ اس نے نیچے کا میز پوش جھٹکے سے کھینچ لیا۔ مگر ایک چیز بھی بے ٹھکانے نہ ہوئی۔ اور میز پوش نکل آیا۔ اسی قسم کے متفرق شعبدے الگ الگ شخصوں نے کئے۔ اور بہت سے کرتب دکھائے۔ ان کے بعد موڈ کی باری آئی۔ اس کے ناچ میں کوئی خاص بات ہمیں تو نظر نہ آئی۔ سوائے اس کے کہ بتانے کے ہنر میں کسی قدر ماہر تھی۔ جیسے کہ ہمارے ہندوستان میں گانے والیوں کا

طمن ہوتا ہے۔ تو کس لئے انسان مخالفت کرے۔ پھر انہوں نے پوچھا تم کو یہ آزادی کتنی بھلی معلوم ہوئی ہوگی۔ میں نے جواب دیا کچھ بہت نہیں۔ کیونکہ ہم اپنے متعلقین سے ملتے رہتے ہیں اور ایک طریقہ مناسب کے ساتھ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اس سے ہم لوگ ویسے سخت پردے میں نہیں ہیں۔ جیسا ہندوستان کے بعض اور قصبوں کی عورتوں میں مروج ہے۔ اس لئے مجھے اس تغیر کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے فرمایا بیشک بیشک۔ یہ دونوں جس زمانے میں ہندوستان تشریف لائے اس کا بہت ذکر کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ مختلف شہروں میں پردہ پارٹیاں اور جلسے ہوئے۔ مگر بمبئی کا جلسہ بادو شاید۔ اسے خاص طور پر تعریف سے یاد فرمایا اور کہا کہ وہ نادر یادگار یعنی تمام بیگمات کی دستخط شدہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ جو معزز بیگمات نے اس نامی جلسہ میں پیش کی تھی۔ پندرہ بیس منٹ ملاقات رہی پھر وداع ہو کر واپس آئے اور آرام لیا۔ رات کے کھانے پر مسٹر اور مسز ٹاٹا کی دعوت تھی۔ اور اس تقریب پر اور بھی مہمان مدعو کئے گئے تھے۔ اس کا اہتمام کیا۔ اور بعد میں ہندیوں کا جلسہ تھا۔ اس کا بھی انتظام کیا۔ عطیہ نے نہایت خوش اسلوبی سے بندوبست کیا۔ ایک مسلمان باورچی کو ڈھونڈھ نکالا کہ جو ہندی کھانا بخوبی اور خوش ذائقہ پکا سکتا تھا۔ اسے کئی چیزوں کا حکم دیا اور سب بنا کر نتیجہ بہت ہی خاطر خواہ ہوا۔ مہمان خوش اور میزبان مطمئن ہوئے۔ خدمتگار نے میز کو خوشبوئی سے سجایا تھا۔ پھولوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے بجلی کے چراغ نہایت خوشنما دکھائی دیتے تھے۔ ہندی کھانا بڑی تعریف اور پسندیدگی سے سب نے کھایا۔ سچ بھی فی الواقع لذیذ تھا۔ آم کی چٹنی بہت مزے کی تھی۔ مسز ٹاٹا نے بڑے بڑے الماسوں کا ہار پہنا تھا اکا ساٹھ کوئی تیس چالیس ہزار سے زیادہ کا ہوگا۔ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ کھانے

سر آئیدو کیر نکسن آئے جو شاید مصاحبوں میں ہیں۔ ان سے سر کرزن نے ملایا۔ دو ہی منٹ
بعد ہم کو اشارہ ہوا۔ اور ہم اٹھے۔ مقابل کے بڑے دروازے کھل گئے۔ اور ایک دوسرے
نہایت وسیع کمرے میں ہم داخل ہوئے۔ جہاں پرنس اور پرنسس کھڑے تھے۔ بہت ہی
اچھے طریقے سے ملے اور لیجا کر کمرے کے اس سرے پر بٹھایا جہاں بڑے بڑے سرخ
رنگ کے مخملی کوچ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اسکے بعد گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ ولی عہد
بیگم کہنے لگیں کہ مجھے بخوبی یاد ہے کہ تم کو ہندوستان میں دیکھا تھا۔ مگر یہ یاد نہیں
آتا کہ کہاں دیکھا تھا۔ تمہارے چہرے کو میں خوب پہچانتی ہوں۔ میں نے کہا بمبئی کے
گورنمنٹ ہاؤس کی دعوت میں میں ترجمان تھی۔ تو فوراً کہا بے شک اب مجھے خوب
یاد آگیا۔ آپ نے ازراہ عنایت میری ترجمانی کی تھی۔ اس روز شاہی ہال اور کورٹ
میں بھی تم کو دیکھا تھا۔ تم کو یہ سب پسند آیا؟ میں نے کہا عجیب نظارہ تھا۔ لباس اور
جواہرات کی چمک دمک نے آنکھیں خیرہ کر دیں۔ اور آجکل کا فیشن نہایت خوبصورت
ہے۔ خصوصاً سنہری روپہلی آرائش کے سبب درباری موقعوں کے قابل معلوم ہوتا ہے۔
تو کہا ہاں آپ لوگ سونا بہت برتتے ہیں۔ لیکن ہمارا سونا تمہارے سونے کے برابر بھی
اچھا نہیں ہوتا۔ بلکہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارا سونا بھی اگر گرم کپڑوں کے نزدیک
رکھا جاتا ہے۔ تو بہت خراب ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم کبھی گرم کپڑوں کے نزدیک
رکھتے ہی نہیں۔ صرف ململ کے پارچے کے اندر رکھ کے تہ کرتے ہیں۔ پھر میرے لباس
کو بغور دیکھا اور اس کی دستکاری کی بڑی تعریف کی۔ اور پوچھا کہ کیا یہ سب ہاتھ کا کام ہے؟
میں نے کہا کہ ہاں۔ میری خانہ زاد لڑکیوں کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہے۔ اور ان لڑکوں
کو نہایت دیدہ ریزی سے ہم نے یہ ہنر سکھایا ہے۔ برسوں کی تعلیم کے بعد یہ نتیجہ مشہور

دولت کے وُہ قائقام ہیں۔ اس عبارت کا ترجمہ یہاں دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ پانچ سال کے اداشدہ نوٹوں کا ذخیرہ تعداد میں اکیانوے ملین[۵۱] یعنی نو کروڑ دس لاکھ کے قریب ہوتا ہے۔ اگر وُہ صندوقوں میں رکھے جائیں۔ تو سولہ ہزار صندوق اُن سے بھریں اگر اِن صندوقوں کو پاس پاس رکھا جائے تو تین میل میں آویں۔ اگر ان نوٹوں کو نیچے اوپر رکھا جائے۔ تو سات میل کی بلندی تک پہنچیں۔ اور اگر سرے سے سرا جوڑ کر پھیلایا جائے تو گیارہ ہزار آٹھ سو پینتالیس میل لمبا فیتہ بن سکتا ہے۔ ان کی قیمت ۱۳۸۸۴۹۴۰۰ ایک ارب اڑتیس کروڑ چوراسی لاکھ چہتر ہزار چار سو پونڈ اور وزن تقریباً ترانوے ٹن[۵۲] ہے۔

بنک سے فارغ ہو کر ہم نے کچھ کپڑا خریدا۔ اور اس کے بعد لنچ کھا کر گھر چلے گئے شام کو مسٹر ساموئل کے ہاں کھانا تھا۔ وہاں جانے کو تیار ہُوئے۔ اور کوئی آٹھ بجے انکے ہاں پہنچے۔ بہت اچھے اچھے لوگ وہاں جمع تھے۔ ان سے مُلاقات ہُوئی۔ کھانے کے کمرے میں گئے۔ تو اُن کے ہاں ٹیبل کور (میز پوش) بچھانے کا نیا طریقہ دیکھا چاروں طرف ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ چوڑا کور بچھا ہوا تھا۔ اور بیچ کے اصل میز کا گہرا رنگ نظر آتا تھا۔ جس پر چاندی کی قیمتی اشیا سجی ہُوئی تھیں۔ میز پر میرے قریب جو صاحب بیٹھے تھے۔ ان کا نام مسٹر ذفائل تھا۔ وُہ مسٹر ساموئل کے داماد تھے۔ ان سے بہت دلچسپ باتیں رہیں۔ اُنہوں نے ہمیں شوق دلایا کہ لندن ہسپتال ضرور دیکھیں۔ اور یہ بھی کہا کہ میں آپ کے لئے معقول انتظام کر دُونگا۔ ان کے ایک چچا نے لندن ہسپتال کا ایک حصہ اپنے صرف سے بنوایا ہے۔ اور لندن کا دُوسرا مشہور ہسپتال جو گائز ہسپتال کے نام سے مشہور ہے۔

---

[۵۱] ملین انگریزی میں دس لاکھ کو کہتے ہیں جس سے یہاں دس لاکھ اشرفی مراد ہے۔
[۵۲] ایک ٹن اٹھائیس من کا ہوتا ہے۔

اُن کے دُوسرے چچا کے نام سے موسُوم ہے۔ اِن لوگوں کا تموّل بھی بہت زیادہ ہے۔ اور خیرات بھی۔ مگر مَیں کھانے کے کمرے کی سجاوٹ سے دُور جاپڑی۔ گرمی کا موسم تھا۔ اور کمرے کو ٹھنڈار کھنے کی ضرورت تھی۔ اس واسطے اس میں جابجا برف کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ جنکو نازک پتوں اور بیلوں سے چھپایا تھا۔ پھُول اس کثرت سے جمع کیے تھے کہ میزیں گلاب سے لدی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اور پاس کے کمروں کو بھی جن میں کھانے سے پہلے یا بعد مہمانوں کو بٹھایا گیا پھُول سجے ہُوئے تھے۔ مجھے معلوم ہُوا کہ صرف پھُولوں کا خرچ ایک سو پونڈ یعنی پندرہ سو روپیہ تھا۔

اِس شب کے مہمانوں میں مارکس سٹون نامی ایک صاحبِ فن تصویر کے بہت بڑے اُستاد بھی موجُود تھے۔ چچا صاحب بدرالدین[1] کے ہاں ان کی تصویروں کی بہت سی نقلیں مَیں نے دیکھی تھیں۔ اور کئی باتصویر رسالوں میں بھی اُن کے فن کے نمونے نظر سے گزرے تھے۔ اس لیے اُن سے اور انکی بیوی سے مُلاقات کرکے بہت خوشی ہوئی +

جمعہ ۵۔ جون ۱۹۰۸ء | آرام کرکے ۲ ½ بجے کپڑے پہن کر تیار ہوگئی۔ حضور نے بھی فاخرہ لباس زیبِ تن کیا۔ اور آرڈر کے تمغے لگائے۔ اور چونکہ مارلبرا ہوس یعنی پرنس آف ویلز کا محل صرف ۵ منٹ کے فاصلے پر تھا۔ اس لئے ٹھیک چھ میں پانچ منٹ کم پر روانہ ہوئے اور چھ بجے محل پر حاضر ہوگئے۔ ملازم کھڑے تھے۔ ایک معزز عہدہ دار آئے۔ جنہوں نے ہمیں گاڑی سے اُتارا۔ زینہ پر چڑھتے ہُوئے ایک لیڈی صاحبہ پیشوائی کو آئیں۔ جن کے دیکھنے سے مجھے ایسا معلوم ہُوا کہ کونٹس شافٹسبری ہیں۔ جنہیں ہندوستان میں دیکھا تھا اُنہوں نے ہمیں لیجا کر بڑے ہال میں بٹھایا۔ سر کرزن وائلی بھی موجُود تھے۔ اتنے میں

---

[1] جسٹس بدرالدین طیب جی مرحوم سے مراد ہے۔

نہیں ہُوا تھا۔ ہم صرف اسی حصہ میں گئے جس میں ہندوستانی صنعت کی چیزیں رکھی ہیں۔ کونسا ہندی ہنر ایسا ہوگا جس کا نمونہ یہاں موجُود نہیں۔ بعض چیزوں کو دیکھکر میرا دل بھر آیا۔ دُنیا بھی کیا عجیب ہے۔ ایک شیشہ کی الماری میں اودھ کے اخیر بادشاہ کی بیگم کا پُورا لباس رکھا ہُوا تھا۔ غرارے کا پاجامہ آتشی رنگ کا جس پر تمام الماس کا کام کیا ہُوا ہے۔ اور عجیب گوٹ لگی ہُوئی ہے۔ دوپٹہ پر بھی اسی طرح کا کام ہے۔ باقی چیزیں بھی اسی طرح الماس سے لدی ہُوئی۔ اس لباس کو دیکھ کر دُنیا کی ناپائداری کا نقشہ میری آنکھوں میں پھر گیا۔ اس کے بعد اوپر کے علاقہ میں گئے۔ جہاں تمام دھاتوں کی چیزیں رکھی ہُوئی تھیں۔ مثلاً تانبے پیتل کے قسم قسم کے برتن جس پر طرح طرح کے بیل بوٹے بنے ہُوئے تھے۔ آگے چل کر ایک کمرے میں پہنچے جس میں صرف سونے چاندی اور جواہرات کا سامان تھا۔ ٹیپو سُلطان کا سونے کا تخت۔ برہما کے بادشاہوں کے عجیب وغریب لباس اور زیور جواہرات جن کی قیمت کا اندازہ مشکل ہے۔ غرض ایک چیز ہو تو بیان کروں۔ سینکڑوں دلچسپ چیزیں تھیں۔ مگر ہم وقت کے کم ہونے کی وجہ سے سرسری نظر دیکھ سکے۔ کیونکہ ساڑھے پانچ بجے مسٹر عبداللہ یوسف علی صاحب ہمارے ہاں آنے والے تھے۔ عطیہ اُن کی قابلیت کی تعریف کرگئی تھی اور یہ کہ گئی تھی کہ اُن سے ضرور ملنا۔ چنانچہ ہم واپس آئے۔ تو وُہ موجُود تھے۔ اور گول کمرے میں حضور سے باتیں کر رہے تھے۔ مسز لطیف اور اُن کی بہو بھی آئی ہُوئی تھیں۔ مَیں بھی جا پہنچی۔ اور بہت دیر تک خُوب باتیں ہوتی رہیں۔ اِتنے میں حضور بھائی کے ساتھ باہر گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد یہ لوگ بھی رخصت ہُوئے۔ حضور شام کے کھانے کے وقت واپس آگئے اور کھانا کھاتے ہی ہم سب نے سونے کی فکر کی۔ چونکہ آرام

ہیں کہ اب یہ بالکل بوڑھی ہوگئی ہے اور گئی گزری۔ مگر ہم نے چونکہ اسے پہلے نہیں دیکھا تھا
اس لئے ہمیں تو اس کے موجودہ کمال نے بھی حیران کر دیا۔ افسوس اخیر کا حصّہ چھوڑ کر
ہمیں آنا پڑا۔ کیونکہ شہزادی صوفیہ نے ہمیں لیڈی سل کرک کے ہاں چائے پر بلایا تھا۔
اور ہمیں وہاں جانا تھا۔ ہم تھیئٹر سے بچشم تر نکلے۔ بہت سی بیبیاں زار زار رو رہی
تھیں۔ کیونکہ ضبط دشوار تھا۔ شہزادی صاحبہ کے ہاں مجمع بہت مختصر تھا۔ مگر وہ بہت
عنایت سے پیش آئیں۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر ہم لیڈی رشواُن کے ہاں گئے۔ یہاں
مسٹر دت۔ مسز رائی وغیرہ اور بہت سے معزز ہندوستانی بھی موجود تھے۔ ان کا
مکان نہایت آراستہ تھا۔ اور بہت سی بیش بہا پرانی وضع کی چیزیں اس میں بھی
تھیں۔ نہیں معلوم ان کا اپنا مکان ہے یا سجا سجایا کرائے پر لے لیا ہے۔ کیونکہ یہاں کا
قاعدہ ہے کہ بڑے بڑے آدمیوں کے مکان کرائے پر مل سکتے ہیں۔ ہر امیر عموماً لنڈن
میں ایک مکان سجا کر رکھتا ہے۔ لیکن اگر اتفاق سے کسی مرتبہ وہاں رہنا نہ ہو۔ مثلاً
موسم سیر میں بسر کرنے کا ارادہ ہو۔ یا کسی ضرورت سے دیہات میں رک جائیں۔ تو شہر
کا مکان کرائے پر دیدیتے ہیں۔ ناشتہ یہاں بہت تکلف کا تھا۔ اور سب نے
اس کی عملی طور پر داد دی۔ وہاں سے واپس آکر لیڈی لانڈز برو کے ہاں جانے کی
تیاری کی۔ کیونکہ بال کے لئے یہی شب مقرر تھی۔ یہ خاصی دُور رہتی ہیں۔ اتفاق سے
بارش بھی آگئی۔ گاڑی میں ہم سوار ہوئے تو ہم کو معلوم ہوا کہ بوندیں پڑ رہی ہیں۔ اور
بجلی چمک رہی ہے۔ یہ غنیمت رہا کہ ہوا نہ تھی۔ ورنہ بارش جس زور سے ہوتی
تھی۔ بہت ستاتی۔ خیر وہاں پہنچے۔ اُتر کر ایک داخلے کے ہال میں گئے۔ جہاں بیسیوں
وردی پہنے ہوئے نوکر مودب کھڑے تھے۔ اور کئی خادمہ عورتیں نہایت طمطراق سے

اور فنونِ حرب کے متعلق ضروری معلومات مل جاتی ہیں۔ پروگرام کو زیادہ دلچسپ بنانے کے لئے بعض ایسے تماشے بھی اس میں شامل کر دیتے ہیں۔ جن سے ہنسی آئے۔ چنانچہ افریقہ کے جنگلی لشکر کے تماشے نے ہمیں بہت ہنسایا اور سوس ڈرل یعنی وُہ قواعد جو کہ سوئزرلینڈ میں مروج ہے۔ بہت پُرلطف تھی۔

جمعہ ۱۹ مئی ۱۹۱۱ء | آج دوپہر کا کھانا مسٹر گپتا صاحب کے ہاں تھا۔ جو وزیر ہند کی کونسل میں ممبر ہو کر آئے ہیں۔ ہم اس کھانے سے نہایت خوش ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے خصوصیت سے ہندوستانی کھانا پکوایا تھا۔ مسٹر گوکھلے۔ مسٹر ٹاٹا اور ننجا بھی مدعو تھے۔ سب کھانا مسز گپتا نے خود پکایا تھا۔ ہم نے جس قدر شوق سے کھایا بیان سے باہر ہے۔ کیونکہ ایک عرصہ کے بعد ملا تھا۔ دل سے دُعا نکلتی تھی۔ کہ خدا بیچاری کا بھلا کرے۔ مسز گپتا کہنے لگی کہ گھر میں اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں پکایا تھا۔ مگر یہاں آکر پکانا ہی پڑا۔ واقعی انہوں نے ہماری خاطر بہت ہی تکلیف اُٹھائی۔ اُن کا ایک نوجوان لڑکا برن نامی جو ابھی امریکہ سے بجلی کا کام سیکھ کر آیا ہے۔ موجود تھا۔ بہت ہی خوش طبع اور ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ مسٹر گپتا کے ہاں کونسل وزیر ہند کے دُوسرے ہندوستانی ممبر نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی سے بھی مُلاقات ہُوئی۔ مسٹر گُپتا نے سب سے تعارف کرایا۔ مَیں نے اُن سے پُوچھا "کہ طیبہ بیگم صاحبہ آپ ہی کی صاحبزادی ہیں"۔ اُنہوں نے کہا "ہاں"۔ مَیں نے کہا اُن کے مضامین انگریزی و اُردو اکثر دیکھنے میں آئے ہیں۔ اس کے بعد مَیں نے کہا کہ "میرے بھائی مسٹر علی اکبر اور بھابی جان زبیدہ بیگم سے اور آپ کے خاندان سے بہت میل جول ہے"۔ اُنہوں نے کہا "بے شک برسوں کی مُلاقات ہے"۔

کھانے کے بعد مسٹر گُپتا کے لڑکے نے فونوگراف بجایا اور پھر خود ایک انگریزی

کھڑی تھیں۔ اس کے بعد اندر کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہاں لیڈی صاحبہ نے بڑی
گرمجوشی سے استقبال کیا۔ مہاراجہ کوچ بہار کی پارٹی بھی موجود تھی۔ مہاراجہ جام نگر بھی
وہیں تھے۔ نہایت معقول اور مہذّب آدمی ہیں۔ مہاراجہ کوچ بہار نے لیڈی لینسڈون صاحبہ
سے اور ہم سے ملاقات کروائی۔ کیونکہ انہوں نے ہم سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ اب
اُن کا بڑھاپا شروع ہے۔ اس پر بھی کسی قدر خوبصورت ہیں۔ گلے میں موتیوں کا ہار نولڑیوں
کا پہنے ہوئے تھیں۔ مجھ سے دیر تک بہت مہربانی کی باتیں کرتی رہیں۔ اتنے میں بال
شروع ہونے کا وقت ہوا اور بادشاہ اور ملکہ معظمہ اور شاہزادیاں سب بڑے کمرے میں
گئے۔ ملکہ اور صاحب خانہ یعنی لارڈ لانڈربرو سب سے آگے تھے۔ ہمارے قریب آئے اور
مسکرا کر ہاتھ بڑھایا۔ ہم دونوں سے مصافحہ کیا۔ اُن کے پیچھے بادشاہ اور لیڈی لانڈربرو
تھے۔ بادشاہ نے بھی بڑی ملنساری سے مسکرا کر ہاتھ ملایا۔ پہلے مجھ سے اور پھر حضور سے
پوچھا کہ مزاج تو اچھا ہے۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور وہ آگے چلے۔ اسی طرح سب شہزادے
اور شہزادیاں یکے بعد دیگرے گزریں۔ سب چلے گئے۔ تو ہم جا کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔
اور بال شروع ہوا۔ کوئی بارہ ساڑھے بارہ بجے تک یہ تماشا دیکھتے رہے پھر اپنے
گھر چلے آئے۔

منگل ۲۔ جون ۱۹۰۸ء

صبح میں اور عطیہ کچھ خریدنے کو گئے۔ اور شام کو وہ لیڈی ماڈ
سے ملنے بمقام رائی جو لندن سے سوا دو گھنٹہ کا راستہ ہے گئیں۔ از ہر جا کر انہیں
ریل گاڑی میں بٹھا آیا۔ اور وہ بآرام جا پہنچیں۔ کیونکہ دو بیبیاں اور وہیں جانے والی
مل گئی تھیں۔ تیسرے پہر کو بھائی کے ہمراہ لندن کا مشہور عجائب خانہ کنسنگٹن میوزیم
دیکھنے گئی۔ یہ ہمارے ہوٹل کے قریب واقع ہے۔ مگر ابھی تک جانے کا اتفاق

نامی یہ پارٹ کر رہی تھی۔ اپنے فن میں صاحبِ کمال ہے۔ مگر میڈم ملبا کے پایہ کو نہیں پہنچتی۔ یہ بھی ہندوستانی لباس میں تھی۔ اور منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھی۔ اس نے ایک بہت عمدہ گیت گایا۔ چونکہ گاتے میں قصہ کا مطلب سمجھتے جانا آسان نہیں ہے اس لئے مجھے تماشے کا پورا اصل معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ پارٹ ختم ہوا تو پھر پردہ گرا۔ اور ایک پاؤ گھنٹے کا وقفہ ملا۔ اس میں لوگ دوربین اٹھا کر ایک دوسرے کو گھورنے سے دل بہلاتے رہے۔

اس کے بعد فائوسٹ کے مشہور کھیل کا ایک حصہ دکھایا گیا اور اس میں میڈم ملبا کا بہت سا پارٹ تھا۔ مگر اس دن ملبا کی آواز کسی قدر بگڑی ہوئی تھی۔ اور بحیثیت مجموعی اس کی طرف سے ذرا مایوسی ہوئی۔ پونے بارہ بجے ہم سب اٹھے۔ پہلے شاہی بکس خالی ہوا۔ اس وقت تک کسی کو باہر جانے کا حکم نہ تھا۔ دروازے بند تھے۔ مسٹر ٹاٹا نے دور سے اشارہ کیا کہ دروازے پر ملیں گے۔ وہاں تھوڑے سے انتظار کے بعد وہ آ گئے۔ اور ہم مشکلوں سے دروازے کے باہر نکلے اور سڑک پر کھڑے ہوئے اور قرار یہ پایا۔ کہ دونوں میں سے جو موٹر پہلے سامنے آ جائے۔ چاروں اسی میں سوار ہو جائیں۔ سینکڑوں بڑی بڑی بیبیاں گاڑی کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ آخر ہماری گاڑیاں بھی آئیں۔ اور ہم کارلٹن ہوٹل میں پہنچے۔ جہاں مسٹر ٹاٹا نے ہمیں کھانے کو کہا تھا۔ داخلہ کے ہال میں سینکڑوں شاندار لوگ بیٹھے باجا سن رہے تھے۔ اس وقت لنڈن میں تین بڑے اعلیٰ ہوٹل ہیں۔ جن میں ایک کارلٹن ہے۔ ان میں فیشن کے شیدائیوں اور ان میں بھی آفت کے پرکالوں کے سوا کوئی نہیں جاتا۔ اس کے سوا دوسرے دو کلیرج اور رٹز ہیں۔ سوائے کروڑپتیوں کے کسی کا کام نہیں کہ ان میں رہے۔ یہاں

گیت سنایا۔ انگریزی گانا اچھا گاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم رخصت ہوئے۔
شام کو ہم مسز بکینن نائب وزیر ہند کی بیوی کے ہاں چاء پر گئے۔ وہاں معقول مجمع تھا۔ لیکن نہ اس قدر کہ آدمی بھیڑ سے پریشان ہو جائے۔ لیڈی شوان سے وہاں ملاقات ہوئی۔ اور ان سے دیر تک ہندی عورتوں کی تعلیم پر بحث ہوتی رہی۔ بی جان زبیدہ بیگم کو یہ خوب پہچانتی ہیں۔ پیر کے لئے انہوں نے دعوت دی ہے۔ پیر کو ہمیں بہت جگہ باہر جانا ہوگا۔ ایک تو دنیا کی مشہور ایکٹرس سارا برنارٹ کو سننے جائینگے۔ بعد دوپہر دو جگہ چاء کی دعوت ہے۔ اور رات کو لیڈی لانڈر برو کا بال یہاں کی زندگی سست سے سست آدمی کو بھی مستعد اور چالاک بننے پر مجبور کرتی ہے۔

پیر یکم جون ۱۹۰۸ء آج کا دن بھی یاد رہے گا۔ سارا برنارٹ کو دیکھا۔ کھیل بھی وہ تھا۔ جو سارا سب سے بہتر کرتی ہے۔ شروع شروع کے دو حصوں پر تو مجھے کوئی عجیب بات سارا کے پارٹ میں نظر نہ آئی۔ بلکہ میں تعجب کر رہی تھی۔ کہ لوگ اس قدر دیوانہ وار اس کی تعریف کیوں کرتے ہیں۔ مگر جب وہ حصہ آیا۔ جہاں اسے اپنے عاشق کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہاں اس نادر عورت کا کمال دیکھا۔ اس کے تمام جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ دل دھڑکنے لگا۔ آنکھ سے آنسو بے ساختہ ٹپکنے لگے۔ ایکٹ کرنا اس کو کہتے ہیں۔ روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ جیسے حقیقت میں اس کا دم رکا جاتا ہو۔ اب سمجھ میں آیا کہ لوگ کیوں سارا کے کمال پر فریفتہ ہیں۔ اب یہ عورت بڑی عمر کی ہے۔ چہرہ شاید جوانی میں بھی خوبصورت نہ ہوگا۔ اس پر لباس اور بناوٹ میں یہ کمال کہ نوجوان معلوم ہوتی تھی۔ اور فن کی یہ خوبی کہ چہرے سے بچپن کی ادا ٹپکتی تھی۔ آواز میں وہ شیرینی کہ میں نے کم کسی عورت کی ایسی آواز سنی۔ جن لوگوں نے اسے پہلے دیکھا ہے۔ وہ کہتے

میں اس گیلا پرفارمنس کے لئے تیار ہوئے۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ چونکہ نجّا اور مسٹر ٹاٹا
بھی اس تماشے میں جانے کو تھے۔ ہم نے انہیں ٹیلیفون پر جو ہمارے کمرے میں لگا ہوا
تھا۔ پیغام دیا کہ وہ یہاں آکر کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔ اور ہمارے ہمراہ چلیں۔ انہوں
نے جواب دیا کہ کھانا تو ہم مکان پر کھائینگے۔ مگر ساڑھے آٹھ بجے ہوٹل پر پہنچکر ہمراہ چلینگے
اور رات کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیگا۔ وقتِ مقررہ پر وہ آگئے۔ مسٹر ٹاٹا کے ساتھ
انکی موٹر میں حضور سوار ہوئے۔ نجّا اور میں اپنی موٹر میں۔ نجّا سے شاہی جلسہ رقص کی باتیں
ہوتی رہیں۔ اس سے پہلے دن کورٹ کے موقعہ پر وہ ذرا گھبرا سی گئی تھی۔ اسی طرح باتیں
کرتے ہم وہاں پہنچے۔ جہاں تماشا ہونے کو تھا۔ جگہ بہت عمدہ ملی۔ پہلی ہی صف میں
ہماری جگہ تھی۔ تمام اوپیرا ہوس اوپر سے نیچے تک بھرا ہوا تھا۔ یہ قوم بھی عجیب قوم ہے
جہاں جاؤ۔ یہی ہجوم۔ وہاں ہم نے بہت سے بڑے لوگ ایسے دیکھے۔ جن سے کورٹ
کے روز ملاقات ہوئی تھی۔ نیپال والوں کا ایک بکس علیحدہ تھا۔ جو شاید بادشاہ کی طرف
سے عطا ہوا تھا۔ پروگرام بھی کچ کے لئے تکلف سے تیار کئے گئے تھے۔ ایک شخص نے
ہمیں بھی پروگرام لاکر دیئے۔ جو ساٹن پر چھپے ہوئے تھے۔ شاہی بکس میں ہنوز کوئی
نہ آیا تھا۔ اُمرا کی بیبیوں کے لباس اور زیورات نہایت قابلِ دید تھے۔ مکان کی
سجاوٹ کی کچھ نہ پوچھیے۔ گوناگون گلاب کے پھولوں سے در و دیوار لدے ہوئے تھے
گہرے آتشی رنگ سے لیکر ہلکے گلابی رنگ کے گلاب عجیب سلیقہ سے ترتیب دیئے گئے
تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ مکان دلہن کی طرح آراستہ ہے جو پھولوں کا گہنا پہنے ہوئے ہے۔
کمان کی صورت کے جھنڈے بنائے ہوئے تھے۔ جو صرف گلاب کے پتوں اور گلاب
کے پھولوں سے بنے ہوئے تھے۔ یہ کمانیں طول میں ڈھائی ڈھائی گز اور عرض میں

تھوڑے ہی عرصے رہنے میں معمولی امیروں کا تو دیوالہ نکل جائے۔ ہمارا داخل ہونا بھی اُوروں کے لئے تماشا ہو گیا۔ حضور کا لباس اور تمغے۔ نجا کی خوشنما ساڑھی۔ اور میر اکمخواب کا لباس۔ مگر ہم وہاں زیادہ نہ ٹھہرے۔ کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔ جو نہایت نفاست سے سجا ہوا تھا۔ اس میں کوئی ایک سو چھوٹی میزیں چار چار آدمی کی نشست کی ہونگی۔ خیر ہم نے کھانا کھایا۔ یہاں بھی پنکھے بطور یادگار دیئے گئے۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ یہ لوگ شام کے معمولی کھانے کے بعد آدھی رات کے بعد جسے سپر کہتے ہیں کیونکر کھا سکتے ہیں۔ اتنا تھکیں اور اتنا جاگیں۔ تو بھوک خود بخود لگتی ہے۔ کھانے کے بعد اجازت لیکر ہم اپنے ہوٹل میں آئے۔ اور اس قدر تھک کر سوئے کہ کچھ خبر نہیں رہی۔

جمعرات ۲۸۔ مئی ۱۹۰۸ء صبح لارڈ لیمنگٹن صاحب (سابق گورنر بمبئی) تشریف لائے اور بھائی سے باصرار فرما گئے کہ ۳۰۔ جون کو ہم سب اُن کے ہاں دعوت میں شریک ہوں۔ حضور کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے نہایت افسوس کے ساتھ عذر کیا۔ کیونکہ ہمارا قصد ۳۰۔ جون تک لنڈن میں رہنے کا نہیں۔

دوپہر کو لنچ کھا کر حضور۔ بھائی ازہر۔ میں۔ سعدی میاں اور ڈاکٹر صاحب سب اولمپیا کی سیر دیکھنے گئے۔ یہ لنڈن کی ایک مشہور اور وسیع تماشا گاہ ہے۔ جہاں طرح طرح کی نمائشیں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہیں۔ آجکل وہاں ایک کارآمد تماشا ہے۔ یعنی بحری اور بری فوج کی ورزشیں اور مصنوعی جنگ دکھائی جاتی ہے۔ اس کا داخلہ ٹکٹ سے ہے اور لوگ اس کثرت سے جاتے ہیں کہ حکومت پر اس نمائش کا کچھ بوجھ نہیں پڑتا۔ جو بحری اور بری سپاہی اور عہدہ دار یہاں اپنے کرتب دکھلاتے ہیں۔ انکی ورزش اور مشق جاری رہتی ہے۔ اور وہ شاید تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد نوبت بہ نوبت بدل جاتے ہیں۔ اور عوام الناس کو آلات

البتہ اگلے ہفتے اُمید ہے کہ میں وقت مقرر کر سکونگی۔ سر کرزن سے کہدیجئے کہ وُہ مجھے خط لکھ کر طے کر لیں۔ غالباً آپ میرے بچوں کو دیکھنا چاہینگی۔ مَیں نے اِس پر اپنی خوشی اور شکریہ کا اظہار کیا۔ اور وُہ آگے بڑھیں۔ شہزادے سے ملنے کا اتفاق نہ ہُوا وُہ دُوسری طرف مشغول تھے۔ اس کے بعد بادشاہ بیگم آئیں۔ اور اُن سے چند معمولی باتیں ہُوئیں۔ مجھ سے پُوچھا کہ نمائش[1] دیکھنے گئی ہو یا نہیں۔ مَیں نے کہا ابھی نہیں۔ تو کہا کہ ضرور جاہیئے۔ بہت ہی خوبصورت اور دلچسپ نمائش ہے۔

یہاں سے فارغ ہو کر سب پھر بال رُوم یعنی ناچ کے کمرے میں چلے اور کوئی ایک گھنٹہ اور ناچ ہُوا۔ پریزیڈنٹ فرانس تو جلد چلے گئے۔ لیکن شاہی خاندان برابر موجود رہا۔ جب بادشاہ گئے تو ہم لوگ بھی رخصت ہُوئے۔ اور پونے دو بجے کے قریب گھر پہنچے۔ یہ جلسہ کورٹ سے زیادہ شاندار تھا۔ سُنا ہے کہ بادشاہ ایڈورڈ کے زمانے میں یہاں جانا بمقابلہ ملکہ وکٹوریا کے زمانے کے مشکل ہو گیا ہے۔ اور انگلستان میں یہ بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ کہ بادشاہ کے ہاں سے اس جلسے میں کسی کی دعوت ہو۔

نمائش بُدھ ۔ ۲۷ ۔ مئی ۱۹۰۸ء | صبح بارہ بجے بھائی۔ عطیہ اور مَیں پھُولوں کی نمائش دیکھنے گئے۔ جو انرٹیمپل[2] میں ہو رہی ہے۔ اِس کی خوبی اور اُن پھُولوں کی خوبصورتی (جو اس میں جمع کئے تھے) الفاظ میں بیان ہونی مشکل ہے۔ جیسے ان لوگوں کو اچھی سے اچھی چیز پیدا کرنے کا شوق ہے۔ ویسی ہی یہاں قدر دانی ہے۔ اس نمائش میں ایک پودا ایک ہزار گنی یعنی کوئی سولہ ہزار روپے میں بکا۔ گلاب کے پھُول ایسے ایسے بڑے اور خوشرنگ

---

[1] یعنی اینگلو فرنچ نمائش جس میں انگلستان اور فرانس نے اپنی اپنی دستکاری کے نمونے پیش کئے ہیں۔

[2] اُن چار درسگاہوں میں سے ایک ہے جو قانون کی پڑھائی کے لئے لندن میں قائم ہیں۔

لباس پر دولت لُٹائی ہوئی تھی۔ وردیاں اکثر سُرخ یا سیاہ۔ جس پر بہت قیمتی کام کیا ہوا تھا۔ ایک ایک نے چھاتی پر اتنے تمغے لگا رکھے تھے کہ جگہ باقی نہ تھی۔

وقتِ معین پر بادشاہ ٹھاٹھ سے برآمد ہوئے۔ اُن کے آگے آگے ہیرلڈ یعنی نقیب تھے۔ اور ایک خاص قسم کا باجا بج رہا تھا۔ اُن کے بعد بادشاہ بیگم اور موسیو فالیر حکومت جمہوری فرانس کے پریزیڈنٹ آئے۔ انھی کی خاطر یہ جلسہ تھا۔ ان کے بعد شہزادہ اور شہزادی ویلز اور ترکی سفیر پیرا اور بہت سے نامی گرامی لوگ مگر افسوس ہم انہیں نام بنام نہیں پہچان سکتے۔ جس اشخاص کی ایک جماعت نے ایک خاص قسم کے ناچ سے اس جلسہ کا آغاز کیا۔ بادشاہ۔ بادشاہ بیگم اور پریزیڈنٹ فرانس سب بیٹھ گئے۔ پریزیڈنٹ صاحب چونکہ ضعیف ہیں اور موٹے بھی ہیں لیکن یہ تو برابر بیٹھے ہی رہے اور ناچ میں شریک نہیں ہوئے۔ پہلے ناچ کے بعد والٹز بجنے لگا۔ اور سب ناچنے والے اپنے اپنے رفیق انتخاب کر کے ناچنے کو اُٹھے۔ شہزادی ویلز اور شہزادی وکٹوریہ کئی مرتبہ ناچ میں شریک ہوئیں۔ دیر تک ناچ جاری رہا اور ہم دیکھتے رہے۔ اتنے میں رات کے کھانے کا وقت آیا۔ اتفاق سے کورٹ کی رات کو حضور کو بھوک نہ تھی۔ اس لئے کھانے میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ان کو معلوم ہوتا ہے سوال پیدا ہُوا کہ کہیں انہیں کھانے میں عذر تو نہیں۔ چنانچہ اب کے سرکرزن وائلی نے لکھ بھیجا۔ کہ اگر آپ کو کھانے میں عذر بھی ہو تو بھی کھانے کے کمرے میں ضرور چلئے گا۔ حضور نے فوراً جواب لکھا۔ کہ مجھے کوئی عذر نہیں میں اُس دن بھوک نہ ہونے کی وجہ سے نہیں گیا تھا۔ اس پر وُہ خود آئے۔ اور اُنھوں نے

سلہ ناچ کی ایک قسم جس کے لئے راگ بھی مخصوص ہے۔

یا کتنے کروڑ روپے کے انڈے انگلستان میں باہر سے آکر بکتے ہیں۔ جن کا نفع دُوسرے ملکوں میں جاتا ہے۔ یہ ڈچز صاحبہ اس کوشش میں ہیں۔ کہ اس نفع کا بہت سا حصہ ملک ہی میں رہے۔ اِن کی ترقی کا یہی باعث ہے۔ کہ ہر چھوٹے بڑے کے دل میں ملک کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اور چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ملک کو فائدہ پہنچاؤں۔

اتفاق سے خلافِ توقع لارڈ رے بھی آ گئے۔ کسی مُباحثہ میں شریک ہونے گئے تھے۔ ذرا جلدی فرصت مل گئی۔ تو گھر آ گئے۔ پھر جوان ہیں اور ڈچز آف سائر میں باتیں ہونے لگیں۔ تو ہم نقشِ دیوار بنکر سُنا کئے۔ اوہو کیا معلومات ہیں۔ اور ہر ایک چیز کا حساب نوکِ زبان۔ ہم سے بہت اچھی طرح پیش آئے۔ ہماری انگریزی کی داد دینے کے بعد ہندوستانی لباس کی تعریف کرتے رہے (Ranelagh) کلب ایک نہایت ممتاز کلب ہے۔ جس میں مُشکل سے لوگوں کو جانے دیتے ہیں۔ اس کے ٹکٹ ہمیں دیکر وہاں آنے کی دعوت دی۔ لارڈ اور لیڈی رے دونوں باوجود بڑھاپے کے غضب کے مستعد اور باہمت ہیں۔ باتوں باتوں میں لیڈی رے نے کہا۔ کہ وُہ زین سواری کو گئی تھیں۔ مَیں اور عطیہ مُشکل سے ہنسی روک سکے۔ مگر سوچا تو ان کی ہمت کی داد دینی پڑی۔ لیڈی رے کی عمر اس وقت کوئی ستر سال کی ہوگی۔ اس پر سواری کا شوق اور قابلیت۔

لیڈی رے کے ہاں سے مکان کو لوٹے ہی تھے کہ لیڈی پرم روز کے ہاں جانے کا وقت آ گیا۔ وہاں بھی بہت سے لوگوں سے مُلاقات ہُوئی۔ مگر ہم زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے۔ کیونکہ شاہی بال میں جانے کی تیاری درپیش تھی لیڈی پرم روز نے

تھے کہ کبھی نظر سے نہیں گزرے۔ بکو نیا دیکھنے میں گلاب کے برابر بڑے۔ اور دنیا بھر کے رنگ۔ جس رنگ کے جوڑے کے ساتھ جو رنگ ہو ٹھیک وہی موجود۔ عمر بھر میں پہلی دفعہ بالکل سیاہ رنگ کے پھول دیکھے۔ جامنی۔ بیگنی اور کافی کے رنگ کے۔ علوم طبعیات و نباتات کی بدولت یہ بات پیدا ہوئی ہے۔ کہ جیسے رنگ چاہیں۔ گاڑھے یا ہلکے مفرد یا مرکب سب پیدا ہو سکتے ہیں۔ پھولوں کی کثرت اور رنگا رنگی نے ہم کو بیخود کر دیا۔ حیران تھے کہ کس کس کو دیکھیں۔ دو گھنٹے میں صرف ایک سرسری نظر نمائش پر ڈالی گئی۔ اگر ذرا بھی توجہ سے دیکھنے کا ارادہ کرتے تو کم از کم بارہ گھنٹے درکار تھے۔ ان دنوں ایک نیا گلاب چلا ہے۔ جس پر لندن کی دنیائے فیشن اس وقت جان دے رہی ہے۔ اسے لیڈی ہگے کہتے ہیں۔ ایک سفید گلاب دیکھا۔ جیسا ہمارے جزیرے میں بھی ہوتا ہے۔ یعنی ہلکا کیزی رنگ۔ مگر جو پھول یہاں دیکھے ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت کے ہونگے۔ اور ایک ایک درخت پر پندرہ پندرہ پھول۔ ایسے نادر کہ میں تو دنگ رہ گئی۔ پھولوں کی یہ رنگینی اور اس پر ان کی ہلکی ہلکی بھینی بھینی خوشبو۔ دماغ معطر ہو گیا۔ اور ہم محویت کے عالم میں وہاں سے نکلے۔ لنچ کا وقت تھا۔ اور نمائش میں پھرتے پھرتے بھوک بھی خوب تیز ہو گئی تھی۔ فراسکاٹی[1] یہاں سے قریب ہے۔ وہاں لنچ کھایا۔ اور برابر پھولوں کی نمائش کا ذکر ہوتا رہا۔

پھولوں کی نمائش کے بعد ہمیں لیڈی الیونٹ کے ہاں جانا تھا۔ چونکہ تھک گئے تھے۔ اس لئے جانا دوبھر معلوم ہوا۔ مگر وعدہ ہو لیا تھا۔ اس لئے جانا ضرور تھا۔ گئے۔ مگر کوئی آدھ گھنٹہ میں واپس آ گئے۔ گھر آ کے نماز وغیرہ سے فارغ ہوئے۔ اور حضور اور

[1] ایک ریسٹوران جو کھانے کی عمدگی کے لئے مشہور ہے۔ اور جہاں باجا بھی اکثر بجتا رہتا ہے اور لوگوں کا بہت جماؤ رہتا ہے۔

کہا کہ حضور کو اور مجھے شاہی کمرے میں بادشاہ اور بادشاہ بیگم کی میز پر کھانا کھانا ہوگا۔ اور بھائی اور عطیہ دُوسرے مہمانوں کے کمرے میں کھانا کھانے جائینگے۔ ساڑھے بارہ بجے بادشاہ اُٹھے۔ ہم کو جو افسر متعین تھے۔ اُنہوں نے اشارہ کیا اور ہم بھی پیچھے چلے۔ کھانے کا کمرہ بھی بڑا عالیشان تھا۔ اور نہایت مزین تھا۔ یعنی میزیں سجی ہُوئی تھیں۔ جن پر دُنیا بھر کی لطیف چیزیں چُنی ہُوئی تھیں۔ کمرے کے کونوں میں پھُولوں کے انبار لگے ہُوئے تھے۔ بجلی کے بیشمار لمپوں کی روشنی میں بیبیوں کے جواہرات کی چمک مکان ایک طلسم خانہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک طرف محل شاہی کا مشہور گولڈ پلیٹ (سونے کے بنے ہُوئے کھانے کے برتن) نگاہ کو خیرہ کر رہا تھا۔ دو بڑے بڑے مربع چوکھٹے تھے جن میں یہ برتن سجے تھے۔ ہر چوکھٹا بیس فٹ اونچا اور اسی قدر چوڑا ہوگا۔ میز پر بھی چاندی سونے کا اسباب تھا۔ شاہی سپر عُمدگی میں مشہور ہے۔ اور ہم نے اس کی شہرت کو بجا پایا۔ بہت ہی لذیذ کھانا تھا۔ یہاں گویا خاص الخاص مجمع تھا۔ پھر بھی دو تین سو سے اوپر ہوگا۔ بادشاہ۔ بادشاہ بیگم۔ پریزیڈنٹ سب کھڑے کھڑے کھا رہے تھے۔ کھانے کے بعد بادشاہ یکے بعد دیگرے سب رئیسوں سے آ کر ملے۔ پھر شہزادہ اور شہزادی ویلز نے دَورہ کیا۔ سر کرزن نے مجھے پیش کرتے وقت شہزادی ویلز کو یاد دلایا کہ مَیں بمبئی میں ان کے ملنے کی خوشی اور عزت حاصل کر چکی ہُوں۔ اس پر شہزادی نے کہا ہاں مجھے یاد ہے کہ میں گورنمنٹ ہوس میں تمہیں ملی تھی۔ مَیں نے کہا کہ میں کسی وقت حاضر ہونا چاہتی ہُوں۔ اور سر کرزن سے مَیں نے درخواست کی ہے۔ کہ وُہ آپ کی خدمت میں عرض کر کے ممکن ہو تو کوئی وقت مقرر کر دیں۔ انہوں نے فرمایا میں آپ سے بہت خوشی سے ملونگی۔ مگر اس ہفتہ میں تو ہم بہت کم فرصت ہیں۔

باصرار کہا۔ کہ میں تمہارا لباس دیکھنا چاہتی ہوں۔ اجازت دو تو آجاؤں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کی خوشی ہو تو تشریف لائیے۔ اُن کا مکان قریب ہی ہے۔ چنانچہ وُہ شام کو آئیں۔ اور کارچوبی کام کی بیحد تعریف کرتی رہیں۔ ان لوگوں کو ہماری سب چیزیں نئی معلوم ہوتی ہیں۔ تھوڑی دیر میں ہم سب تیار ہو گئے۔ حضور نے تارکشی انگرکھا پہنا اور نافرمانی صافہ باندھا تھا۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای کا پٹکا اور تارا اس لباس پر خوب زیب دیتے تھے۔

شاہی بال حضور کپڑے پہن کر تیار ہو لئے۔ تو ہم نے بھی تیاری شروع کی۔ اور جس طرح کورٹ کی باریابی کے روز ہوا تھا۔ اسی طرح محل شاہی میں پہنچے۔ اور وہیں بٹھائے گئے۔ جہاں پہلے موقع پر بٹھائے گئے تھے۔ ہمارے قریب نیپال والی جماعت تھی۔ اور ہمارے کوچ پر کوچ بہار والے۔ تھوڑی دیر بعد رنجیت سنگھ جی جام نگر کے جام صاحب آئے۔ بھائی اُنکے قریب تھے۔ پھر عطیہ بہن۔ پھر حضور اور میں۔ جام صاحب اوّل بھائی سے بہت سی باتیں کرتے رہے۔ پھر ہم سے۔ اتنے میں تازہ ترین فیشن انگریزی زنانہ لباس کے نظر آنے لگے۔ بہت سی بیبیوں کے لباس سر سے پاؤں تک بناوٹی الماس سے بالکل لدے ہوئے تھے۔ سامنے کا حصّہ خوشنما جواہر سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ شہزادی وکٹوریہ کا لباس لاجواب تھا۔ لباسوں کی رنگارنگی بھی عجب بہار دے رہی تھی۔ زیور بھی قیمتی نظر آتے تھے۔ شاید مہاراجہ بڑودہ کے زیوران کا مقابلہ کر سکیں۔ باقی ہندوستانی زیور جو وہاں موجود تھے۔ انکے مقابلے میں معمولی تھے۔ ایسا نظارہ تھا کہ تازیست یاد رہے۔ دہلی دربار کے نظارے کو چھوڑ کر ایسا شاندار نظارہ اَور جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ شہزادے۔ درباری۔ ارکان دولت۔ وزیر۔ امیر۔ سفیر اور بیبیاں سب مل کر کوئی دو ہزار کے اوپر لوگ جمع تھے۔ اور ایک ایک

آتے ہی میں سمجھ گئی کہ یہ ڈچز آف وسٹمنسٹر ہیں۔ انکا تھوڑا سا بیان ضروری ہے۔ چہرہ بہت خوبصورت ہے۔ بدن نہایت سڈول جیسے سانچے میں ڈھلا ہو جس میں نزاکت بھی موجود۔ مگر بھرا ہُوا۔ میں خدا کی قدرت کو دیکھ کر محو تھی۔ زیور اور لباس اس قدر زیب دیتا تھا۔ کہ کیا کہوں۔ گلے پر ایک گلوبند تھا جس میں الماس کی پھولدار بیل تھی گلوبند کے داہنی طرف سے الماس کی تین گانٹھیں شانے پر لٹک رہی تھیں۔ سر پر الماس کی تاج نما ٹوپی اور بال بھی ایسے بنے تھے کہ باید و شاید۔ جیسا حُسن قدرت نے بخشا تھا ویسا ہی صنعت کے کمال نے اس کی رونق کو دوبالا کیا تھا۔ مجھے بہت مسرت ہُوئی کہ میں نے انہیں دیکھا اور قریب سے دیکھا۔

تپر سے فارغ ہو کر سرجان کے ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ اُنہوں نے ہماری گاڑی ٹیلیفون کے ذریعہ سے بہت جلد بلوا دی۔ اور ایک بجے کے قریب ہم اپنے ہوٹل میں آئے۔ کچھ دیر وہاں کے مشاہدات پر گفتگو رہی اور پھر خدا کا شکر بجا لا کر یہ بڑا مرحلہ بخیر و خوبی طے ہُوا۔ سو رہے۔

وہاں لوگ کہتے تھے کہ کسی مسلمان بیگم کے ایسے دربار میں شریک ہونے کا یہ پہلا ہی موقع تھا۔ معلوم نہیں یہ کہاں تک درست ہے +

سینچر۔ ۲۲۔ مئی ۱۹۰۸ء | صبح کو دس بجے ہی ہمارے عزیز دربار اور شاہی ملاقات کا حال سُننے آئے۔ مرزا جان سب سے پہلے پہنچے۔ ازہر بھائی تھوڑی سی دیر لیے اور اس کے دوست ساتھ تھے۔ عطیہ نے شروع سے اخیر تک سارا حال سُنایا اور وہ لوگ بہت محظوظ ہُوئے۔ اسی روز شاہی بال کی دعوت ہم چاروں کے نام آگئی۔ یہ بال قصر بکنگھم میں ہوگا۔ اور یقین ہے کہ نظارہ قابلِ دید ہوگا۔

پہنا تھا۔ لڑکی کا لباس ہمیں پسند نہ آیا۔ انگریزی لباس تھا۔ اور وہ بھی کچھ بہت بڑھیا نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں تمام کمرہ سُرخ و سیاہ اور سُنہری وردیوں والے افسروں اور عُہدہ داروں سے بھر گیا۔ ہم آدھ گھنٹے تک یہ تماشا دیکھا کئے۔ ساڑھے دس بجے دروازے کُھلے۔ سب سے پہلے مہاراجہ صاحب وزیر نیپال کو بار ملا۔ کوئی پانچ منٹ کے قریب اُن سے مُلاقات ہُوئی۔ پھر کوچ بہار کی باری آئی۔ اور اس کے بعد ہماری بھائی اور علیہ بہن دربارِ عام کے لئے دوسری طرف جا بیٹھے۔ اور ہم اندر گئے۔ حضور لگے بڑھے اور جھک کر آداب بجا لائے۔ بادشاہ نے اُن سے ہاتھ ملایا۔ اور بادشاہ بیگم سے ملاقات کرائی۔ اُنہوں نے بھی ہاتھ ملایا۔ پھر مَیں نے سلام کیا۔ پہلے بادشاہ نے پھر بادشاہ بیگم نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ بادشاہ سلامت مجھ سے گفتگو فرمانے لگے اور ملکہ معظمہ حضور سے۔ سر کرزن بطور ترجمان تھے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ بیگم صاحبہ اچھی طرح انگریزی بول سکتی ہیں۔ بادشاہ سلامت نے پُوچھا۔ کہ لندن کیسا پسند آیا اور ہَوا کیسی ہے۔ مَیں نے کہا۔ کہ ہَوا تو میرے نزدیک قابلِ تعریف نہیں۔ مگر شہر عجیب ہے۔ کتنا عظیم الشان شہر ہے۔ پُوچھا کتنے دِن رہنے کا ارادہ ہے۔ مَیں نے کہا دو تین ہفتے اور رہینگے۔ اتنے میں ملکہ معظمہ بھی میری طرف مخاطب ہوئیں۔ اور کہنے لگیں آپ انگریزی خُوب بولتی ہیں۔ ایسی ہی چند باتوں کے بعد ہم رخصت ہُوئے۔ اِسی طرح سلام کیا اور ہاتھ ملایا۔ اور اس طرح لوٹے کہ اُن کی طرف پیٹھ نہ ہو۔

اب ہم دربار میں آئے۔ راجاؤں کے لئے ایک ممتاز جگہ علیٰحدہ تھی تختِ شاہی والے چبوترے کے داہنی طرف۔ ایڈیکانگ نے وہیں حضور کو لیجا کر دُوسرے راجاؤں کے برابر کھڑا کر دیا۔ بائیں جانب شہزادیاں تھیں۔ داہنی طرف راجاؤں کے قریب

گئی ہوئی ہے۔ اس کی معیت سے مجھے بہت ہی مدد ملی۔ اس کے بغیر میں یہاں کے سفر کے ناقابل تھی۔ مجھ سے یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ سب انتظام وہی کرتی ہے۔ اور گھبراہٹ کی وجہ سے میرا چہرہ ایسا اُتر جاتا ہے جیسے کسی بیمار کا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ صحت سب کی اچھی ہے۔

سُنتی ہوں آج کورٹ میں مہاراجہ کوچ بہار بھی جائینگے۔ معلوم نہیں۔ انکی لڑکیاں بھی جائینگی یا نہیں۔

ساڑھے چار بجے کے قریب لیڈی آیوآنٹ آئیں اور خوب دیر تک بیٹھیں۔ ہمارے قریب اُنہوں نے مکان لیا ہے۔ کہتی تھیں وہاں ملنے آیئے۔ کسی روز جائینگے شام کا کھانا کھا کر کورٹ کے لئے لباس پہننا شروع کیا۔ حضور نے کاہی کے رنگ کا صافا باندھا اور شال کا انگرکھا اس پر جی۔سی۔آئی۔ای کا تارا اور سفید [illegible] بہت خوشنما معلوم ہوتا تھا۔ بھائی نے بھی موقع کے لائق لباس زیب تن کیا۔ [illegible] نے ہندوستانی کمخواب کے لباس پہنے تھے۔ موٹر میں سوار ہو کر ہم محل شاہی کیطرف روانہ ہوئے اور ٹھیک دس بجے وہاں پہنچے۔ سیڑھی پر ایک بڑے میاں بہت سے تمغے اور نشان لگائے۔ اور سُنہری وردی پہنے استقبال کو کھڑے تھے۔ وہ ہمیں عالی شان اور آراستہ کمروں میں پھراتے ہوئے لے چلے۔ چمکتے ہوئے فرش پہ پاؤں پھسلا جاتا تھا۔ان بزرگوار سے ہمارا تعارف سر کرزن وائلی نے کرایا۔ معلوم ہوا کہ یہ سر جان سیلنڈ ہیں۔ اور ان کے سپرد یہ خدمت ہے کہ دربار میں حاضر ہونیوالوں کو اعلیٰ قدر مراتب بٹھائیں۔ انہوں نے ہمیں تصویر خانے میں لیجا بٹھایا۔ یہ ایک نہایت لمبا کمرہ ہے۔ جس کے دونوں طرف عمدہ تصویریں لٹکی ہوئی ہیں۔

بادشاہ اور بادشاہ بیگم کو آفرین ہے کہ دو ڈھائی گھنٹے تک شگفتہ جبینی سے یکساں یہ نظارہ دیکھتے اور ہر ایک کا سلام جھک جھک کر لیتے رہے۔ کل کوئی تین چار ہزار آدمی کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ مگر محل اتنا بڑا ہے کہ معلوم بھی نہیں ہوتے تھے۔

میں نے لیڈی لونڈز برو سے کہا کہ اتنی دیر تک بیٹھے رہنا اور سب کے سلام ہنس ہنس کر لینا بادشاہ اور بادشاہ بیگم کے لئے کس قدر تکلیف کی بات ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ مگر منصب شاہی کے فرائض میں داخل ہے۔ ملکہ تو کبھی کبھی اس کی کوفت سے علیل بھی ہو جاتی ہیں۔ مگر پھر بھی انہیں موجود ہونا پڑتا ہے۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا۔ کہ چند دنوں میں میرے ہاں ایک بال ہونے کو ہے۔ اس میں شاید بادشاہ اور بادشاہ بیگم بھی آئیں۔ بہت بڑا مجمع ہوگا۔ آپ آئینگی۔ میں نے ان کی اس دعوت کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خوشی سے آؤنگی۔ جتنی دیر یہ بیبیاں پیش ہوتی رہیں۔ گیلری میں نہایت عمدہ بینڈ بجتا رہا۔ جب سب کا سلام ہو لیا۔ تو سر جان سلیڈ ہمیں کھانے کے کمرے میں لے گئے۔ سپر یعنی شب کے کھانے کا اہتمام نہایت شاندار تھا۔ اور یہ ایک نئی رسم ہے جو ہمارے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم نے نکالی ہے پہلے کورٹ کے بعد سب لوگ تھک کر گھر چلے جاتے تھے۔ چونکہ انہیں مہمانداری کا خاص طور پر خیال ہے۔ اس لئے انہوں نے حکم دیا ہے کہ اس موقعہ پر کھانے کا بھی انتظام ہو۔ ہم نے صرف چاء پی۔ کیونکہ اس وقت کھانے کی عادت نہ تھی۔ اور تازہ دم ہوکر پھر محفل کی رونق اور خوبصورتی کا لطف اٹھانے لگے۔

دربار میں کوچوں کی پہلی قطار پر ڈچز آف ویسٹ منسٹر بیٹھی تھیں۔ انکی تصویریں میں نے بہت کثرت سے دیکھی تھیں۔ اور انگریزی رسالوں میں انکا حال اکثر پڑھا تھا۔ انکے

کہ خدا جانے یہ بلا کہاں تک پہنچ کر دُور ہوگی۔ مگر پھر بھی قوم انگریز کی استقلال اور سنجیدگی کو آفرین ہے۔ بظاہر اُن کے چہروں پر کسی قسم کا اثر نمایاں نہیں۔ اگر فرنچ لوگوں کو ایسا موقعہ پیش آتا۔ تو آفت بپا ہو جاتی۔ اور وُہ مارے گھبراہٹ کے پریشان ہو جاتے۔ مختلف قسم کی گفتگوؤں کے بعد کوئی آدھ گھنٹہ بیٹھ کر سر کرزن وائلی رخصت ہوئے۔

دوپہر کے قریب عطیہ لیلا کو لے آئی۔ اور ہم سب ملکر ایک ناٹک دیکھنے گئے۔ جس کا آجکل یہاں بہت چرچا ہے۔ بہت ہی ظریفانہ کھیل تھا۔ لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ حضور بھی بہت محظوظ ہُوئے۔ دو بجے سے چھ بجے تک کھیل تھا۔ مگر چونکہ ہمیں ایک اور کام تھا۔ اس لئے ابھی ایک باب باقی تھا کہ ہم چلے گئے۔

ڈاکٹر انصاری جو ازہر کے دوست ہیں۔ اور بہت لائق آدمی ہیں۔ ہمیں ملنے آئے اور بہت دیر تک اُن سے باتیں ہوتی رہیں۔ آپ اصل میں لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ یہاں اُنہیں ہز ہائی نس نظام دکن کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے۔ سب امتحان پاس کر چکے ہیں۔ اور یہیں لندن میں انہیں ایک کام مل گیا ہے۔ یہاں انہیں بیس پونڈ (تین سو روپیہ) ماہوار ملتے ہیں۔ اقبال کی شاعری کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اقبال ایک دفعہ آئے تھے۔ مگر اس وقت حضور تشریف نہیں رکھتے تھے۔ حضور کو اُن سے ملنے کا شوق ہے۔ مگر پھر نہیں آئے۔

ڈاکٹر انصاری کو ابھی دو سال اَور یہاں گزارنے ہیں۔ سات سال سے وُہ یہاں ہیں۔ ان کے بڑے بھائی حضور نظام کے ایڈیکانگ ہیں اور اسی اثر سے ڈاکٹر انصاری صاحب کو پانسو روپے ماہوار کا وظیفہ ملتا ہے +

جمعرات ۔ ۲۱۔ مئی ۱۹۰۸ء | گیارہ بجے لیڈی وائلی سے ملنے گئے۔ پہلے سے ملاقات

ہی شہزادہ ویلز اور شہزادہ ٹیک ۔ اتنے میں بادشاہ اور بادشاہ بیگم برآمد ہوئے ۔
انکے آتے ہی پہلے مختلف سلطنتوں کے سفیر پیش کئے گئے ۔ سب سے پہلے جرمنی
کا سفیر پیش ہوا ۔ جو جو سفیر سلام کرتا جاتا تھا ۔ اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہوتا جاتا تھا ۔ ہر ایک
کا نام پکارنا اور اُسے بادشاہ اور بادشاہ بیگم کے حضور میں پیش کرنا لارڈ چیمبرلین (عہدہ دار
کا نام) کا کام تھا ۔ پھر راجاؤں کو چبوترے کے اُوپر لے گئے ۔ ہم کو اور کوچ بہار
کی شہزادی اور نیپال کی جماعت کے لوگوں کو داہنی طرف کے کوچ پر اپنی اپنی جگہ
دکھا دی گئی ۔

سفیروں کے سلام کے بعد اُنکی بیگموں کا سلام ہوا ۔ اب اس نظارے کا تصوّر
کیجئے ۔ سب لوگ حضور میں کھڑے ہیں ۔ لال اور سُنہری وردیاں اور کالے لباس نہایت
خوش رنگ و خوش وضع ہیں ۔ تخت کے عین مقابل کوئی آٹھ سو بیبیاں پرا جمائے کھڑی ہیں
جنکو آج دربار میں پیش ہونا ہے ۔ جب بادشاہ تخت پر بیٹھ گئے ۔ تو سب بیبیاں بیٹھ
گئیں ۔ یہ اُنکے ساتھ گویا رعایت خاص تھی ۔ ورنہ مرد سب برابر کھڑے رہے ۔

سفیروں کی بیبیوں کے سلام کے بعد دُوسری بیبیوں کے سلام کی نوبت آئی ۔
سب سے پہلے شہزادی سوفی دلیپ سنگھ آئیں ۔ اس کے بعد ایک اور بی بی اور
اس کے بعد عطیہ ۔ یہ سلام کرتی جاتی تھیں اور ہم سے دُوسری طرف کے کوچوں پر جو
بائیں طرف کو تھے بیٹھتی جاتی تھیں ۔ یہ جگہ بہت بڑی بیگمات کے لئے ہے ۔ سب
بیبیاں جو سلام کرنے کی اجازت پاتیں ۔ یہاں نہیں بیٹھ سکتیں ۔ میرے پاس ایک
بیگم صاحبہ آن کے بیٹھیں ۔ لیڈی لونڈزبرو ۔ اُن سے سر جان سلیڈ نے میرا تعارف
کرا دیا ۔ وُہ اپنی بیٹی کو سلام کرانے لائی تھیں ۔ مَیں اُن سے مِلکر بہت خوش ہوئی ۔

سے پُر تھی جن میں لوگ سیر کو نکلے تھے۔ کبھی کوئی بی بی صاحبہ لیٹی ہوئی کتاب پڑھ رہی یا سو رہی ہیں۔ اور مرد کشتی چلا رہا ہے۔ کبھی وہ چلاتی ہیں۔ اور مرد آرام سے رہا ہے۔ کوئی دو ڈھائی گھنٹے اِن پُر لطف مناظر کو دیکھکر واپس آئے۔

پیر ۱۸ مئی ۱۹۰۸ء آج ہم مسٹر ٹاٹا کے ہاں سے رخصت ہو کر ہوٹل میں آ گئے۔ کوئی ساڑھے دس بجے میزبانوں سے رخصت ہو کے موٹر میں سوار ہوئے۔ اور کوئی پَون گھنٹے میں ہوٹل پہنچے۔ اس روز میری طبیعت اُداس سی رہی بیچاری عطیہ نے بہت چاہا کہ مجھے باہر لیجائے۔ مگر دل نہ چاہا۔ آخر وُہ بھی جا کر سو گئی۔ ابھی مجھے رستوں میں چلنے کی عادت نہیں ہوئی۔

منگل ۱۹ مئی ۱۹۰۸ء صبح تفریح کو گئے۔ ہائڈ پارک کی سیر کی۔ رات اوپیرا میں جانے کی ٹھہری۔ انہر کو بھی بُلایا۔ اور اصغر بھائی بھی ہمراہ ہوئے۔ ملبا جو یورپ کی مشہور گانیوالیوں میں ہے۔ اُس دن گانے کو تھی۔ اور لنڈن میں بہت دنوں کے بعد آئی تھی۔ اِس لئے لوگوں کی یہ کثرت تھی کہ اوپیرا کی عالیشان عمارت میں ایک جگہ خالی نہ تھی۔ ملبا کی آواز غضب کی ہے۔ بوڑھی ہو گئی ہے۔ اس پر آواز جوانوں کو مات کرتی ہے۔ ملکہ معظمہ اور شہزادی وکٹوریا بھی ملبا کو سننے آئی ہوئی تھیں واقعی ہماری ملکہ نے عجب لازوال حسن پایا ہے۔ اگر اب بڑھاپے میں اُنکی جوانی بناوٹ کی جوانی ہے۔ مگر بناوٹ بھی درجہ کمال پر پہنچ کر قدرتی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اور ایک خداداد خوبی اُن کے چہرہ میں ہے۔ جو اب تک اثر رکھتی ہے۔ ایسی ملکہ سچ مچ ملکہ کہلانے کی مستحق ہے۔ شہزادی وکٹوریا کی صورت میں کوئی خاص بات نہیں۔ کوئی ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اوپیرا ختم ہوا۔ اور ہم ۱۲ بجے

روشنی کا ایسا انتظام ہے۔ کہ دن ہو یا رات تصویروں کے دیکھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے کوچ۔ کرسیاں رکھی ہیں۔ یہاں کا فرنیچر آبنُسی اور سُنہری ہے۔ ہمارے سامنے کے کوچ پر نیپال کے مہاراجہ جو اِن دنوں یہاں ہیں بیٹھے تھے۔ اُن کے ساتھ ان کے پانچ چھ جوان جوان لڑکے تھے۔ صورتیں منگولین نمونے کی معلوم ہوتی ہیں۔ اور قد میانہ سے بھی کم۔ مہاراجہ صاحب جو خود مہاراجہ کا خطاب رکھتے ہیں اور ویسے نیپال کے وزیرِ اعظم ہیں۔ ظاہری شان سے بہت کچھ معرّا ہیں۔ اور قد کے چھوٹے۔ سُنا ہے کہ مسلمان ہیں۔ اور واجد علی شاہ مرحوم کے خاندان سے ہیں۔ نہ معلوم کہاں تک درست ہے۔ اُنکا لباس انگریزی قسم کی لال اور سُنہری وردیاں تھیں۔ مگر ان کے لباس کا جو حصہ عجیب تھا۔ وُہ انکی ٹوپیاں تھیں۔ گول ٹوپیاں جنکے اُوپر بڑے بڑے موتی جڑے ہوئے تھے۔ نیچے بڑے بڑے زمُرد کی جھالر اُوپر ایک بڑا یاقوت کا گولہ اور اس گولے پر ایک نادر پرندہ جسے ہُما سمجھنا چاہئے۔ اس کی دُم کوئی ڈھائی فٹ لمبی ہوا میں لہراتی تھی۔ اور ٹوپی سے کوئی پاؤ گز الگ رہتی تھی۔ ہر چھوٹے بڑے کے سر پر برابر ہی ٹوپیاں تھیں۔ کم از کم بیس لاکھ کی ہونگی۔ بازوں پر بھی زمرّد ٹنکے ہوتے تھے۔ کپڑا یا کوئی ایسی چیز جس پر یہ جواہرات لگے ہُوئے تھے نظر ہی نہیں آتا تھا۔ مہاراجہ کوچ بہار۔ انکا لڑکا اور پرنسس سکریتی بھی آئے۔ اور ہم سے علیک سلیک ہُوئی۔ مہاراجہ صاحب سفید ریشم کی شروانی پہنے تھے۔ اور سفید چینیا۔ گلے پر بہت سے الماس اور دیگر جواہرات چمک رہے تھے۔ گویہ آرائش زنانہ تھی مگر اس وقت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ لڑکے نے ہندوستان کی کیڈٹ[1] کور کا خوشنما لباس

[1] وُہ فوج جس میں ہندوستان کے راجاؤں نوابوں اور رؤسائے عظام کی اولاد اعلیٰ فوجی عہدوں کے واسطے لارڈ کرزن کے زمانے میں بھرتی ہونی شروع ہُوئی ۱۲

مقرر تھی۔ وہاں جا کر دیکھا تو لیڈی صاحبہ کو منتظر پایا۔ مکان کو ہندی اشیاء سے سنوار رکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ سر کرزن وائلی نے اس دن کی گفتگو کی وجہ سے کاونٹ گارڈن کے تماشے کے لئے ہم چاروں کے واسطے ٹکٹ محفوظ رکھنے کو لکھ دیا تھا۔

وہاں سے نکل کر عطیہ میں اور بھائی رائل اکاڈمی کی تصاویر دیکھنے گئے۔ نہایت لاجواب تصویروں کا مجموعہ ہے۔ ایک بڑی تصویر تھی۔ جس میں تمام بڑے بڑے نقاش بیٹھے ہیں چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیتے ہیں اور اب بولے کہ بولے۔ پروفیسر ہرکومر کی دستکاری کا نمونہ ہے۔ اس کے گرد ٹھٹھ کے ٹھٹھ لوگوں کے مجمع تھے۔ شہزادی پڑیشیا کی تصویر نہایت عمدہ تھی۔ ایک بچہ کی تصویر نہایت پیاری تھی۔ بچہ تھا کہ جگر کا ٹکڑا۔ ان کے علاوہ پھولوں کے باغات اور شکار کی تصویریں غضب کی تھیں۔

گھر آئے تو آزہر آیا ہوا تھا۔ سوا بارہ بجے سے ہمارا منتظر تھا۔ یہ غنیمت ہوا کہ حضور گھر پر تھے۔ اور لنچ دونوں نے مل کر کھایا۔ افسوس کہ وہ ابھی اپنے امتحان سے فارغ نہیں۔ ورنہ اُسے باقی سفر میں ہم ساتھ لے لیتے۔ رات کے کھانے کے لئے تفریحاً ہم سب فراسکاٹی کے ریسٹوران میں گئے۔ سارا مکان آرائشی پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ اور کھانے کے وقت بینڈ برابر بج رہا تھا۔ جماؤ بھی خوب تھا۔ آج حضور کی ملاقات وزیر ہند لارڈ مارلے سے ہوئی۔ اور وہ اُن کے خُلق سے بہت خوش ہوئے ::

جمعہ - ۲۲ - مئی ۱۹۰۸ء | آج چونکہ ملاقاتِ شاہی کو جانے کا دن ہے۔ اس لئے دن بھر اسی کا اہتمام رہا۔ اپنا سامان درست کیا۔ عطیہ کئی ضروری چیزیں خریدنے صبح سے

کے قریب گھر پہنچے اور سو گئے۔

اسی دن سہ پہر کو مس سموئل کے ہاں ایک بڑی پارٹی تھی۔ اُن کے ملنے والوں میں بڑے بڑے مشاہیر شعرا اور صاحبانِ فن ہیں۔ وُہ سب اس دن جمع تھے۔ مجھے مس سموئل نے ایک عمدہ موقعہ پر لے جا کر بٹھا دیا۔ اور پھر بڑی بڑی مشہور بیبیوں کو لا کر ملایا۔ چونکہ انہیں معلوم تھا کہ مَیں پردے سے ابھی باہر نکلنے لگی ہُوں۔ اِس لئے نزاکتِ خیال سے کسی مرد کو نہیں لائیں۔ مَیں نے بھی غنیمت جانا۔ ورنہ گھبراہٹ ہوتی۔

بدھ۔ ۲۰ مئی ۱۹۰۸ء | صبح دس بجے کے قریب سر کرزن وائلی آئے۔ مجھ سے بھی ملاقات ہُوئی۔ اُردو خوب بولتے ہیں۔ کیوں نہ ہو ۲۵ سال ہندوستان میں رہے اور اس کا بیشتر حصّہ لکھنؤ میں گزرا۔ ان سے ہز میجسٹی کے حضور میں حاضر ہونے کے متعلّق ہم نے ہدایات حاصل کئے۔ ہم نے پُوچھا۔ سلام کا کیا طریق مناسب ہو گا۔ اُنہوں نے کہا۔ آپ اپنے ملک کے رواج کے مطابق سلام کیجئے۔ لباس بھی ہندی پہنکر جانا ہو گا۔ مجھے اِس سے بہت خوشی ہُوئی۔ کوونٹ گارڈن کی مشہور تماشا گاہ میں اندنوں ایک خاص تماشا۔ گالا پرفارمنس ہونے کو ہے۔ جو ملکِ معظم کے حکم سے ہو گا۔ اور اس میں وُہ مع اپنے مہمان پریسیڈنٹ ریاست جمہُوری فرانس کے تشریف لائینگے۔ اس تماشے کا ذکر چلا۔ ہم نے اس کے دیکھنے کا شوق ظاہر کیا۔ کیونکہ ایسا موقعہ نایاب ہے کہ تمام اُمرائے انگلستان کا مجمع ہو گا۔ اور بہترین صاحبانِ فن اپنے کمال دکھائینگے۔ مشہور ماہرانِ موسیقی میں ملبا۔ زینا ٹیلو۔ کارسو وغیرہ موجُود ہونگے۔ کچھ ہندوستان کی موجُودہ شورش کا بھی ذکر ہوتا رہا۔ مَیں نے دیکھا کہ سب لوگ یہاں اندر ہی اندر ان اتفاقات سے جو حال میں ہندوستان میں پیش آئے ہیں۔ بہت متاثر ہیں۔ اور گھبرا رہے ہیں۔

بہت خوش ہوئیں۔ شادی کا ذکر آیا۔ تو مسز لطیف نے کہا اُمید ہے کہ اس وقت آپ
یہاں ہونگے۔ میں نے کہا بالکل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شادی ابھی دیر ہے۔ اس وقت بہن نسیمہ
بھی نے کہا کہ کیا کچھ دن اور آپ نہیں ٹھہر سکتیں کہ شامل ہوں۔ میں نے اپنی معذوری ظاہر کی۔
مگر اس کہنے سے مجھے خیال آیا کہ یورپ کی تربیت نے یہ آسانی پیدا کر دی کہ اس ذکر میں
وہ بھی شریک ہوں جنہیں تھوڑے دنوں میں دلہن بننا ہے۔ ورنہ کیسے ممکن تھا۔ ہم
تھوڑی دیر وہاں بیٹھے۔ بہن عطیہ نے رستے میں بعض بڑی بڑی دوکانوں کی سیر کرائی۔
اور اس کے بعد فلر کے مشہور چائے خانے میں چا پی۔ وہاں چار بجے کے قریب بڑا مجمع
ہوتا ہے اور کو اس وقت بیشتر عورتیں اور شریف عورتیں جو ریجنٹ سٹریٹ کی دوکانوں
سے سودا خریدنے آتی ہیں۔ وہاں آکر چا پیتی ہیں۔ تاہم مجھے یہ ہجوم عام بہت تکلیف دہ
معلوم ہوا۔ اور نہ مجھے چار کا مزا آیا۔ کیا زندگی ہو ایسے جھمیلے میں رہ کر۔ ممکن ہو کہ
اب یہاں کچھ عرصہ رہتے رہتے میں بھی اس کی عادی ہو جاؤں۔ ورنہ تمام وقت ایک
بے چینی سی رہتی ہے جس سے سیر کا لطف آدھا رہ جاتا ہے ۔

منگل ۱۲۔ مئی سنہ ۱۹۱۱ء بھائی قمر الدین و جلال شاہ ملنے آئے۔ ہم نے دوپہر کے کھانے
تک ٹھہرایا۔ اس کے بعد وہ رخصت ہوئے۔ شام کو ہمیں لیڈی پرم روز کے ہاں جانا
تھا۔ اُنہوں نے چند لوگوں کو ہم سے ملاقات کرنے کے لئے بلایا تھا۔ پیرس جلد جانے
کا ارادہ تو اب تقریباً معطل کرنا پڑا۔ کیونکہ ۲۲ تاریخ کو بادشاہ اور بادشاہ بیگم کی ملاقات
ٹھہری ہے۔ پہلے سُنا تھا کہ قیصر اور قیصرۂ ہند کے ہاں ڈرائنگ روم کا جلسہ ہے۔ اس
میں ہم بھی بلائے جائینگے۔ لیکن اُنہوں نے اپنے الطاف شاہانہ سے یہ ارشاد کیا ہے
کہ ہم جلسے کے وقت سے پہلے محل شاہی میں جائیں۔ اور حضور اور میں قیصر اور قیصرہ

موجود تھے۔ خوب گرمجوشی سے ملے۔ ہمارے میزبان مسٹر رتن ٹاٹا صاحب دو عمدہ موٹر کار لئے لیکر آئے تھے۔ ہم موٹر میں سوار ہوکر پونے گھنٹے کے اندر مسٹر ٹاٹا کے عالیشان مکان پر پہنچے۔ اس کی ایک ایک چیز سے سلیقہ ظاہر ہوتا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ جب انسان کے پاس روپیہ بھی وافر ہو اور مذاق بھی اچھا ہو تو کیا نہیں ہو سکتا۔ مگر لندن میں ایک ہندوستانی امیر کا اتنا بڑا مکان اور پھر اس عمدگی سے سجا ہوا دیکھکر بہت خوشی ہوئی۔

لندن ۱۱ مئی سنہ ۱۹۰۸ء — مسٹر ٹاٹا کے مکان اور اس کی آرائش کا تھوڑا سا ذکر ہو چکا ہے جس وقت ہم پہنچے۔ بہت تھکے ہوئے تھے۔ مکان کی آرائش کو اچھی طرح دیکھ نہ سکے اور کھانا کھاتے ہی سو گئے۔ صبح کو بغور دیکھا۔ اور بے اختیار مسٹر ٹاٹا کی خوش خلقی کی داد دینی پڑی۔ ٹیپسٹری[1] کے قیمتی ٹکڑے خرید کر اس کا فرنیچر بنایا ہے۔ دُنیا بھر کی عجائبات انہوں نے شوق سے جمع کئے ہیں۔ یشب کی چیزیں دیکھنے کی تھیں۔ یہ پتھر ایسا سخت ہوتا ہے کہ اس پر کچھ کندہ کرنا مشکل ہے۔ مگر اس کے کام کے اچھے اچھے نمونے انہوں نے اکٹھے کئے ہیں۔ حال میں پیرس کا ایک نامی مجموعۂ عجائبات مسٹر ٹاٹا نے خریدا ہے جس کے لئے بیحد روپیہ دینا پڑا۔ انہیں یہ شوق اس درجہ ہے کہ علم الطبق یعنی پرانی چیزیں پہچاننے اور سمجھنے کی بڑی بڑی کتابیں دیکھتے رہتے ہیں۔ اس مکان میں ایک بہت بڑا ہشت پہلو کمرہ ہے۔ جس کے ہر پہلو میں بڑی خوبی سے شیشے کی الماریاں لگائی ہیں۔ اور ان میں بیش بہا پارچے۔ کمیاب ہتھیار اور دیگر نادر چیزیں نہایت عمدگی سے سجی ہیں۔ اس کمرے کی گنبد دار چھت شیشے

[1] پارچات جن پر بڑی بڑی تصویریں بنگر بنائی جاتی ہیں۔ اور بُننے میں مختلف رنگ دکھائے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ باریک سے باریک باتیں مثلاً دھوپ چھاؤں بھی استادوں نے اس صنعت میں دکھائی ہیں۔


AR ARABE DE TUNIS

کی خاص ملاقات سے شرف یاب ہوں۔ اس کے بعد بادشاہ اور بادشاہ بیگم ڈرائنگ روم میں جائینگے اور وہاں ہم کو ایک جگہ دیجائیگی۔ جہاں سے ہم سب حاضرین کو بخوبی دیکھ سکینگے۔ ڈرائنگ روم میں عطیہ بہن کے جانے کی بھی اجازت مانگی ہے۔ اُمید کہ مل جائے۔

بدھ ۱۳۔ مئی ۱۹۰۸ء | حضور سر کرزن وائلی کی ملاقات کو گئے تھے۔ اُن سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ نہایت عمدہ آدمی ہیں۔ جو جو ملاقاتیں مثلاً وزیر ہند و وزیر اعظم سے ضروری اور مناسب ہیں۔ اُنکا انتظام کرکے حضور کو خبر دیتے رہینگے۔

ہماری قدیم مہربان لیڈی رے[1] نے لنچ پر بلایا۔ حضور، میں اور عطیہ بہن گئے۔ اس ضعیفہ سے ملکر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ خوب پرانی باتیں کیں۔ اماں جان کو بہت پوچھا۔ حکمتوں سے ضعیفی کے نشانات کو مٹانے کی کوشش یہ لوگ پوری کرتے ہیں اور شاید ایک حد تک کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہوکر لیڈی رے مجھے اور عطیہ کو اوپر لے گئیں۔ لارڈ رے اور نواب صاحب نیچے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ہمیں لیڈی رے نے بہت ہوٹلوں کا پتہ دیا۔ جہاں آرام سے کچھ دن رہ سکیں۔ خدا جانے کیا بات ہے۔ کہ لیڈی رے نے بھی کہا اور مسز لطیف نے بھی کہا تھا۔ کہ میں بیمار معلوم ہوتی ہوں۔ حالانکہ میں بالکل تندرست ہوں۔ اصل یہ ہے کہ یہاں کی زندگی کی عادی نہیں ہوں۔ اس سے ایک قسم کی گھبراہٹ اور کوفت ہوتی ہے۔ گویا ہنوز دل بیمار ہے۔ اور اس کا اثر چہرے پر پڑتا ہے۔ چچا صاحب امیر الدین طبیب جی اور چچی صاحبہ کی بابت بھی پوچھتے رہے۔ غرض دیر تک بڑی پر لطف نشست رہی اور ہم بہت محظوظ ہوکر گھر آئے۔

[1] بمبئی کے سابق گورنر کی لیڈی صاحبہ۔